کلیاتِ پریم چند

15

مُرتبہ
مدن گوپال

قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی

کلیاتِ پریم چند

15

شبِ تار، کربلا، روحانی شادی، انصاف

مرتبہ

مدن گوپال
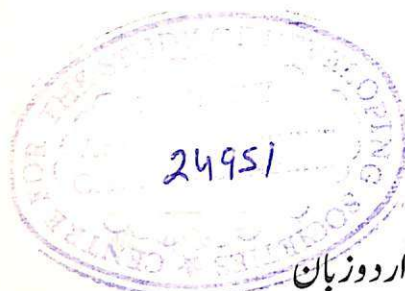
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ تعلیم (حکومتِ ہند)

ویسٹ بلاک ا، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی

پیش لفظ

اردو زبان و ادب میں پریم چند کو خاص مقبولیت حاصل ہے۔ عرصۂ دراز سے ان کی تصانیف مختلف سطحوں کے تعلیمی نصابوں میں شامل رہی ہیں۔ ایک عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ پریم چند کی تمام تصانیف کے مستند اڈیشن یکجا صورت میں منظرعام پر آئیں۔ بالآخر قومی اردو کونسل نے پریم چند کی تمام تحریروں کو "کلیاتِ پریم چند" کے عنوان سے مختلف جلدوں میں ایک مکمل سِٹ کی صورت میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کلیات 22 جلدوں پر مشتمل ہوگا جس میں پریم چند کے ناول، افسانے، ڈرامے، خطوط، تراجم، مضامین اور اداریے بہ اعتبارِ اصناف یکجا کیے جائیں گے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ناول : جلد 1 سے 8 تک ، افسانے : جلد 9 سے جلد 14 تک، ڈرامے :
جلد15 و جلد 16 ، خطوط : جلد17، متفرقات : جلد 18 سے جلد 20 تک،
تراجم : جلد 21 و جلد 22 تک

"کلیاتِ پریم چند" میں متون کے استناد کا خاص خیال رکھا جا رہا ہے۔ مواد کی فراہمی کے لیے مختلف شہروں کے کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور پریم چند سے متعلق شخصیتوں سے بھی ذاتی طور پر ملاقات کرکے مدد لی گئی ہے۔ اس سلسلے میں پریم چند کے پسرزادے پروفیسر آلوک رائے نے بہت سی مفید معلومات بہم پہنچائیں۔

"کلیاتِ پریم چند" کی ترتیب میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ ہر صنف کی تحریریں زمانی ترتیب کے ساتھ شاملِ اشاعت ہوں اور ہر تحریر کے آخر میں اول سنِ اشاعت، جس میں شائع ہوئی ہو، اس رسالہ کا نام اور مقامِ اشاعت بھی درج ہو۔ اس سے مطالعہ پریم چند کے نئے امکانات پیدا ہوں گے۔ ہماری کوشش ہے کہ "کلیاتِ پریم چند" میں شامل تمام تحریروں کا مستند متن قارئین تک پہنچے۔

"کلیاتِ پریم چند" کی شکل میں یہ منصوبہ نقشِ اولیں ہے ہماری پوری کوشش کے باوجود جہاں تہاں کوئی کوتاہی راہ پاسکتی ہے۔ مستقبل میں پریم چند کی نودریافت تحریروں کا

خیر مقدم کیا جائے گا اور نئی اشاعت میں ان کا لحاظ رکھا جائے گا۔ کلیات سے متعلق قارئین کے مفید مشوروں کا بھی خیر مقدم کیا جائے گا۔

اردو کے اہم اور بنیادی کلاسیکی ادبی سرمایے کو شائع کرنے کا منصوبہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ ان ادبی متون کو انتخاب کرنے اور انھیں شائع کرنے کا فیصلہ قومی کونسل کی ادبی پینل کی کمیٹی کے ذریعے لیا گیا ہے۔ اس کمیٹی کے چیئرمین پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی اور ارکان پروفیسر شمیم حنفی، جناب محمد یوسف ٹینگ، جناب بلراج پوری، پروفیسر نیّر مسعود، جناب احمد سعید ملیح آبادی اور کونسل کے نائب چیئرمین جناب راج بہادر گوڑ کے ہم ممنون ہیں کہ انھوں نے اس پروجکٹ سے متعلق تمام بنیادی امور پر غور کرکے اس منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے میں ہماری معاونت فرمائی۔ ''کلیاتِ پریم چند'' کے مرتب مدن گوپال اور ریسرچ اسسٹنٹ ڈاکٹر رحیل صدیقی بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے اور انھیں ترتیب دینے میں بنیادی رول ادا کیا۔

ہمیں امید ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی دیگر مطبوعات کی طرح ''کلیاتِ پریم چند'' کی بھی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند،
نئی دہلی

ڈرامہ نگار پریم چند

فکشن کے میدان میں پریم چند کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ اردو میں انھیں سحر نگار انشاپرداز کہا گیا اور ہندی میں اپنیاس سمراٹ کہا گیا۔ فکشن کے علاوہ صحافی کے طور پر بھی ان کی اپنی پہچان تھی۔ سماجی اور سیاسی حالات پر مبنی مضامین بھی لکھتے تھے۔ جو اس زمانے کے اکثر اخباروں میں شائع ہوتے تھے۔ ڈرامہ کی طرف ان کا رجحان تھا، کیونکہ 1919 میں انھوں نے بیلجیم کے ایک ڈرامہ نویس ماٹرلنک کا ڈرامہ سائٹ لیس کا ترجمہ اردو میں کیا تھا۔ صبح امید اور کہکشاں کے ایڈیٹران نے اُسے نامنظور کردیا اور یہ زمانہ میں شائع ہوا۔ انھیں افسوس تھا کہ اردوداں اصحاب نے اس ڈرامہ کو محض سطحی نگاہ سے دیکھا۔ ایک نقاد نے لکھا کہ "صاحب موصوف عوام الناس سے عمیق نظر کی امید کیوں رکھتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ عوام ہر چیز کو سطحی نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں، لیکن پریم چند کی شکایت عوام الناس سے نہیں بلکہ ایڈیٹر صبح امید اور کہکشاں جیسے یگانۂ روزگار فاضلوں سے ہے۔ جنھوں نے اس ڈرامے کو غائر نظر سے پڑھنے کا مستحق ہی نہ سمجھا۔ بلکہ محض ایک سرسری نگاہ ڈال کر اس کو بالکل ہیچ اور بے حقیقت قرار دیا۔"

وفات سے کچھ سال پہلے پریم چند نے تین اور ڈراموں کا انگریزی سے ترجمہ کیا۔ حالانکہ ایک خط میں انھوں نے اندر ناتھ مدان کو لکھا تھا کہ "نہ تو اردو میں اور نہ ہی ہندی میں ڈرامہ کو مقبولیت حاصل ہے اگر ڈرامہ کی روایت ہے تو وہ صرف پارسی تھیٹر تک محدود ہے۔" ان چار ترجموں کے علاوہ پریم چند نے تین اور ڈرامے تخلیق کیے۔ 18اگست 1920کو امتیاز علی تاج صاحب کو لکھے ایک خط میں پریم چند نے لکھا تھا کہ ایک ڈرامہ زیر تجویز ہے۔ یہ ڈرامہ تھا سنگرام جو صرف ہندی میں شائع ہوا۔ اردو میں اس کا ایڈیشن آج تک شائع نہ ہوسکا۔ اس ڈرامے کے دیباچے میں پریم چند نے لکھا کہ "ڈرامہ لکھنے کے لیے موسیقی اور شاعری کا شوق ضروری ہے۔ اور انھیں یہ دونوں شوق نہیں ہے پھر بھی سنگرام

کی کہانی ایسی ہے کہ اسے ناول کی شکل نہیں دی جاسکتی تھی۔ بہرحال اسے ڈرامے کی شکل دے رہا ہوں، آگے یہ بھول نہیں ہوگی۔ ڈرامے میں میرا یہ پہلا اور آخری دخل ہے۔ 29جنوری 1921 "کے خط میں گوشۂ عافیت صاف کررہا ہوں جو تصنیف سے کم جاں سوز نہیں ہے۔ یہ ختم ہوجائے تو ڈرامہ میں ہاتھ لگاؤں۔ اس کا پلاٹ تیار ہے۔ چار ہی ایکٹ میں ختم ہوجائے گا۔ مگر سین پندرہ، سولہ سے کم نہ ہوسکے گا۔ کامیاب ہوسکوں گا یا نہیں، ایشور ہی جانے۔"

اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنگرام انھیں دنوں لکھاگیا جن دنوں گوشۂ عافیت لکھا گیا تھا۔ دونوں کے موضوع میں مناسبت ہے۔ پریم چند کے مطابق یہ ڈرامہ اسٹیج پر بھی کھیلا جاسکتا ہے۔پریم چند قبول کرتے تھے کہ ڈرامہ یا تو قرأت کے لیے ہوتا ہے یا اسٹیج کے لیے۔ اگر ڈرامہ اسٹیج پر کھیلا جائے تو اس کی اہمیت ختم ہوجاتی ہے۔ پریم چند کو احساس تھا کہ ان کا تعلق نہ تو اسٹیج سے ہے اور نہ ڈرامہ کی تکنیک سے۔ اس لیے جو ڈرامے انھوں نے لکھے وہ صرف پڑھنے کے لیے تھے۔

پریم چند کا ایک اہم ڈرامہ تھا کربلا ۔ یہ بھی پہلے ہندی میں لکھا گیا۔ یہ ایک سیاسی اور تاریخی ڈرامہ ہے۔ ہندی ایڈیشن کے دیباچے میں پریم چند نے لکھا ہے کہ جیسے رامائن اور مہابھارت کی کہانی کو لے کر ہزاروں کتابیں لکھی جاچکی ہیں، ویسے ہی اسلام کی تاریخ میں اس حادثے پر اردو اور فارسی میں کتنی ہی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ہندی میں ابھی تک اس حادثے کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا۔ اس ڈرامے میں کچھ ہندو کردار بھی ہیں۔ اس پر قارئین کو حیرانی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ وہاں کے کچھ لوگوں نے کربلا کی لڑائی میں حضرت حسینؓ کے ساتھ شہادت دی تھی۔ یہ ہندو وہاں کیسے گئے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مہابھارت کے اشوتھاما کے جانشین وہاں تھے۔ بہرحال یہ تحقیق طلب بات ہے۔ کچھ اور مورخین کا خیال ہے کہ جب سکندر ہندستان سے واپس گیا تھا تو کچھ ہندوؤں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا انھیں کے جانشین اس علاقے میں رہتے تھے۔

کربلا ہندی میں شائع ہوا پھر اس کا ترجمہ اردو میں ہوا۔ پریم چند نے دیا نرائن نگم کو لکھا کہ جب انھوں نے حضرت حسینؓ کے حالات پڑھے تو ان کی شہادت نے انھیں مفتون

کرلیا، اور اس نتیجے میں کربلا کی تخلیق ہوئی۔ انھیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ خواجہ حسن نظامؔی نے ایک کتاب کرشن بیتی لکھی تھی اور نقاد نے اس کی اس لیے تعریف کی تھی کہ اس میں خواجہ صاحب نے کرشن کے لیے اپنی عقیدت کا اظہار کیا تھا۔ اور پریم چند کا منشا بھی ایسا ہی تھا کہ عام لوگوں کو حضرت حسینؓ کے لیے عقیدت ہو۔

ادھر دیا نرائن نگم نے کربلا کی ایک قسط پر اپنے مسلم دانش مندوں سے صلاح مشورہ کیا تو انھوں نے کچھ اعتراضات اُٹھائے تو نگم نے پریم چند کو لکھا اور پریم چند نے جواب میں لکھا "اگر مسلمانوں کو یہ بھی منظور نہیں کہ کسی ہندو کے زبان و قلم سے ان کے مذہبی پیشوا یا امام کی مدح سرائی ہو تو میں اس کے لیے مُصر نہیں ہوں۔ اگر مجھے وہ آزادی حاصل نہیں ہے جو خواجہ حسن نظامؔی کو ہے تو مجھے افسوس نہیں ہے۔ براہِ کرم مسودہ واپس کردیجیے۔" اسی خط میں اعتراضات کے بارے میں لکھا کہ تاریخ اور تاریخی ڈرامے میں فرق ہے۔ ڈرامہ تاریخ نہیں۔ اور یہ تو پولیٹیکل ڈرامہ ہے۔ صرف پڑھنے کے لیے ہے، اسٹیج کے لیے نہیں ہے۔" دیا نرائن نگم نے دوستوں سے مشورہ کیا اور کربلا کو زمانہ میں شائع کیا گیا، بعد میں اِسے کتاب کی شکل میں شائع کیا۔

ہندستانی اکاڈمی الہ آباد کے 1928 کے فیصلے کے مطابق گالزوردی کے تین ڈراموں کا ترجمہ کیا جانا تھا۔ ڈرامے تھے، سلور باکس، جسٹس اور سٹرائف۔ ہندی ترجمے کا کام منشی پریم چند کو سونپا گیا اور اردو ترجمے کا کام دیا نرائن نگم کو۔ پریم چند نے تینوں کا ترجمہ ہندستانی اکاڈمی کو سونپ دیا اور یہ ہندی ترجمے 1930 میں شائع ہوگئے۔ خط و کتابت کی بنا پر میرا قیاس ہے کہ دیا نرائن نگم زمانہ کے کام میں مصروف تھے، اردو ترجمے کا کام پریم چند کو سونپ دیا۔ تعلقات دوستانہ ہی نہیں برادرانہ بھی تھے۔ جو معاوضہ دیا نرائن نگم کو ملتا وہ پریم چند کو دے دیا جاتا۔ ان دنوں پریم چند کرم بھومی لکھ رہے تھے اور کایا کلپ کا ترجمہ پردۂ مجاز بھی کرتے تھے۔ پھر بھی انھوں نے جسٹس کا ترجمہ اردو میں شروع کیا۔ 28فروری 1929 کو لکھا "سولہ، سترہ صفحات کر بھی ڈالے۔ لیکن ابھی تک اس کا ہندی ترجمہ تو آیا نہیں۔ اس لیے وہ سب مشکلات جو پہلے حل کی تھیں پھر آرہی ہیں...... جسٹس تو میں کسی نہ کسی طرح کرہی ڈالوں گا۔ لیکن باقی دونوں (سلور باکس اور سٹرائف) کو میرا استعفا ہے۔ اتنے ہی وقت میں میں زیادہ فائدے کا کام کرسکتا ہوں۔ ڈھائی مہینے کے

بعد 17 اپریل 1929 کو پھر لکھا کہ "انصاف نصف سے زیادہ ہوگیا ہے۔ وسط مئی تک ختم ہوجائے گا۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ صحیح ہو اور اس کے ساتھ ہی محاورہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ آپ اسے دیکھیں۔" بعد میں نگم کو لکھا کہ "جسٹس کا ترجمہ تو کررہا ہوں مگر سلورباکس اور سٹرائف کا ترجمہ آپ خود کرلیں۔" دیا نرائن نگم بہت مصروف انسان تھے۔ انھوں نے دونوں ڈرامے کا ترجمہ نہیں کیا۔ ہاں پریم چند کی وفات کے بعد جسٹس کے ترجمہ کو ہندستانی اکاڈمی کو دے دیا اور اکاڈمی نے اسے 1939 میں دیانرائن نگم کے نام سے شائع کیا۔ پریم چند اور دیا نرائن نگم کے باہمی برادرانہ تعلقات مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ جو ترجمہ دیا نرائن نگم کے نام سے چھپا وہ ترجمہ پریم چند کا کیا ہوا تھا۔ اُسے اس مجموعے میں شائع کیا جا رہا ہے۔

وفات کے تین سال قبل پریم چند نے ایک اور ڈرامہ لکھا، روحانی شادی۔ اس کا ہندی میں نام دیا پریم کی بیدی اسے "عصمت" دہلی نے شائع کیا۔ اردو میں شائع ہوئے چار ڈرامے شب تار، کربلا، انصاف اور روحانی شادی اس جلد میں شامل ہیں۔ اگلی جلد میں ہندی میں شائع ہونے والے چار ڈرامے شائع کیے جارہے ہیں۔

مدن گوپال

شبِ تار

[ماٹرلنک بیلجیم کا زندہ جاوید ڈرامیسٹ، شاعراور مضمون نگار۔ نوبل پرائز کا افتخار حاصل کرچکا ہے۔ اس کے ڈراموں میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔ لیکن وہ تصوف نہیں جو شیشۂ و شراب، زندان وقفس اور ہجر و وصال کے تخیل میں مست رہتا ہے۔ بلکہ وہ تصوف جو روحانی مسئلے، عارفانہ نکات، حیات و ممات کے اسرار، وجود کی ماہیت کا مفسّر اور مبصّر ہے۔ وہ اکثر ایسی روحانی بلندیوں پر جا پہنچتا ہے جہاں عام شعرا کے طائرِ پرواز کے پَر جلتے ہیں۔ اور محض سماعی باتیں نہیں لکھتا، اُس کی نگاہِ باطن روشن ہے۔ اس نے روحانی مشاہدات کیے ہیں اور اِس رنگ میں یوروپ اُس کا ثانی نہیں رکھتا۔]

منظر۔ایک بہت پُرانا خطّہ شمالی کا جنگل جس سے قِدم کے آثار نمایاں ہیں۔ آسمان تاروں سے پُر۔ جنگل کے وسط میں، آدھی رات کے قریب، ایک بڈھا درویش سیاہ لبادہ اُوڑھے بیٹھا ہوا ہے۔ اُس کا سر اور جسم کا بالائی حصہ جو کسی قدر پیچھے کو جھکا ہوا اور بالکل بے حس و حرکت ہے، ایک شاہ بلوط کے درخت سے ٹِکا ہوا ہے۔ یہ درخت بڑا جھنکاڑ اور چھتنار ہے۔ اِس کا چہرہ بالکل زرد ہے۔ اُس پر خاک کی سی بے رنگی چھائی ہوئی ہے۔ اور اُس کے نیلے ہونٹ کھلے ہوئے ہیں۔ اُس کی جامد اور پتھرائی ہوئی آنکھیں ابر کے وجودِ ظاہر کی طرف نہیں دیکھتیں اور غمہاے دیرینہ سے خون فشاں معلوم ہورہی ہیں۔ اُس کے نورانی اور سفید بال اُس کے چہرے پر بکھرے ہوئے ہیں جو اِس صحرائے تاریک کی تمام چیزوں سے زیادہ مضمحل اور روشن ہے۔ اُس کے نہایت لاغر ہاتھ اُس کے سینے پر اکڑے ہوئے پڑے ہیں۔ اُس کے داہنے جانب چھ بڈھے اور اندھے آدمی چٹانوں، سُوکھی پتّیوں اور درختوں کے ٹھونٹھوں پر بیٹھے ہوئے

ہیں۔ بائیں طرف اُن کے مقابل چھ بوڑھی اندھی عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ درمیان میں ایک گرا ہوا درخت اور پتھر کے ٹکڑے حائل ہیں۔ تین اندھی عورتیں ایک غیر مؤثر انداز سے دعا کر رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔ ایک عورت نہایت کبرسِن ہے۔ پانچویں عورت گونگی اور پگلی ہے۔ اُس کی گود میں ایک چھوٹا سا لڑکا سو رہا ہے۔ چھٹویں عورت ابھی نوجوان ہے اور اُس کے لمبے لمبے بالوں سے اُس کا سارا جسم ڈھکا ہوا ہے۔ مرد اور عورتیں سب کے سب ایک ہی قسم کے سیاہ اور ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اُن میں سے اکثر کہنیاں گھٹنوں پر رکھے ہوئے اور چہروں کو ہاتھوں سے چھپائے ہوئے صورتِ انتظار بیٹھے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشارے اور انداز کی عادت کو بھول گئے ہیں۔ وہ اِس جزیرے کے پیہم شور و غل پر ذرا بھی سر نہیں ہلاتے۔ بڑے بڑے ماتمی درخت از قسم دیودار و بلوط و صنوبر اُنھیں اپنے تاریک اور وفادار سایے میں چھپائے ہوئے ہیں۔ سادھو سے تھوڑی دُور پر لمبے لمبے زرد نرگسوں کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ باوجودیکہ کہیں چاند کی کرنیں پتّوں سے چھن چھن کر زمین پر آتی ہیں اور تاریکی کو ہٹانے کی کوشش کرتی ہیں پھر بھی جنگل میں عمیق تاریکی چھائی ہوئے ہے۔

پہلا نابینا۔ کیا وہ ابھی نہیں آ رہے ہیں؟

دوسرا نابینا۔ تم نے مجھے جگا دیا۔

پہلا نابینا۔ میں بھی سُو گیا تھا۔

تیسرا نابینا۔ میں بھی سُوتا ہی تھا۔

پہلا نابینا۔ کیا وہ ابھی نہیں آ رہے ہیں؟

دوسرا نابینا۔ مجھے کسی کے آنے کی آہٹ نہیں ملتی۔

تیسرا نابینا۔ اب خانقاہ میں لوٹ جانے کا وقت قریب ہوگا۔

پہلا نابینا۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں؟

دوسرا نابینا۔ اُن کے جانے کے بعد سے سردی کچھ زیادہ ہوگئی ہے۔

پہلا نابینا۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں؟

سب سے بڈّھا نابینا۔ کوئی جانتا ہے کہ ہم کہاں ہیں؟

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ہم بہت دیر تک چلتے رہے تھے۔ ہم ضرور خانقاہ سے بہت فاصلے پر ہیں۔

پہلا اندھا آدمی۔اُوہو۔ کیا عورتیں ہمارے مقابل ہیں؟

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ ہاں ہم تمھارے سامنے بیٹھی ہوئی ہیں۔

پہلااندھا آدمی۔ ٹھہرو میں تمھارے پاس آرہا ہوں (وہ اُٹھکر اِدھراُدھر ٹٹولتا ہے) تم کہاں ہو؟ بولو۔ تاکہ مجھے آواز سے کچھ پتہ چلے۔

سب سے بُڈھی اندھی عورت۔ ہم یہاں پتھروں پر بیٹھی ہوئی ہیں۔

پہلا نابینا ۔(وہ آگے بڑھتا ہے اور گرے ہوئے درختوں اور چٹانوں سے ٹھوکر کھاتا ہے) ہمارے درمیان کچھ حائل ہے۔

دوسرا نابینا۔ جہاں بیٹھے ہو وہیں بیٹھے رہو۔ یہ بہتر ہے۔

تیسرا نابینا۔ تم کہاں بیٹھے ہو؟ کیا ہمارے پاس آنا چاہتے ہو؟

سب سے بُڈھی اندھی عورت۔ ہم کھڑی نہیں ہوسکتیں۔

تیسرا نابینا۔اِنہوں نے ہم لوگوں کو الگ الگ کیوں کردیا؟

پہلا نابینا۔ مجھے عورتوں کی طرف سے دعا کرنے کی آواز آرہی ہے۔

دوسرا نابینا۔ ہاں۔ تینوں بڈھی اندھی عورتیں دعا کررہی ہیں۔

پہلا نابینا۔ لیکن یہ تو دعا کرنے کا وقت نہیں ہے۔

دوسرا نابینا۔ تم لوگ باورچی خانے میں جاکر نماز پڑھنا۔

(تینوں عورتیں بدستور دعا کرتی رہتی ہیں)

تیسرا نابینا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں کس کے قریب تر بیٹھا ہوا ہوں۔

دوسرا نابینا۔ شاید میں تم سے قریب ہوں۔

تیسرا نابینا۔ ہم ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے۔

پہلا نابینا۔ لیکن ہمارے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہے (وہ اِدھراُدھر ہاتھوں سے ٹٹولتا ہے۔ اِس کی چھڑی سے پانچویں اندھے کو چوٹ لگ جاتی ہے۔ اور وہ کراہ اُٹھتا ہے)۔

بَہرا ہمارے قریب بیٹھا ہوا ہے۔

دوسرا نابینا۔ مجھے سب آدمیوں کی آوازیں نہیں سُنائی دیتیں۔ ہم کُل چھ آدمی تھے۔

پہلا نابینا۔ مجھے اَب کچھ کچھ حقیقت کھُلنے لگی ہے۔ عورتوں سے بھی پوچھ لینا چاہیے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم صورتِ حال سے واقف ہوجائیں۔ ابھی تک تینوں عورتوں کی دعاخوانی کی آواز میرے کان میں آرہی ہے۔ کیا وہ ایک ہی ساتھ بیٹھی ہوئی ہیں۔

سب سے بڈھی اندھی عورت۔وہ میری بغل میں ایک چٹان پر بیٹھی ہوئی ہیں۔

پہلا نابینا۔ میں مُردہ پتیوں پر بیٹھا ہوا ہوں۔

تیسرا نابینا۔ اور وہ حسینہ کہاں ہے؟

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ وہ میری بغل میں ایک چٹان پر بیٹھی ہوئی ہیں۔

پہلا نابینا۔ میں مُردہ پتیوں پر بیٹھا ہوا ہوں۔

تیسرا نابینا۔ اور وہ حسینہ کہاں ہے؟

سب سے بڈھی اندھی عورت۔وہ اُن دعا کرنے والی عورتوں کے قریب بیٹھی ہوئی ہے۔

دوسرا نابینا۔ وہ پگلی اور اُس کا بچہّ کہاں ہیں؟

نوجوان اندھی عورت۔ وہ سُو رہا ہے۔ اُسے نہ جگاؤ۔

پہلا نابینا۔ اُف! تم ہم لوگوں سے کتنی دور ہو؟ میں نے سمجھا تھا کہ تم میرے عین مقابل ہو۔

تیسرا اندھا۔ اب ہمیں بیشتر ضروری باتیں معلوم ہوگئی ہیں۔ اب آؤ کچھ بات چیت کریں۔ اُس وقت تک سادھو جی بھی لوٹ آئیں گے۔

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ اُنھوں نے ہم سے کہا تھا کہ خموشی کے ساتھ میرا انتظار کرنا۔

تیسرا نابینا۔ ہم عبادت خانے میں نہیں ہیں کہ خاموش بیٹھیں۔

بڈھی اندھی عورت۔ تم کیا جانتے ہو کہ ہم کہاں ہیں؟

تیسرا نابینا۔ مجھے بلا بات کیے خوف معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا نابینا۔ تمھیں معلوم ہے کہ سادھو جی کہاں گئے ہیں؟

تیسرا نابینا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنھیں ضرورت سے زیادہ دیر ہو رہی ہے۔

پہلا نابینا۔ اب وہ ضعیف ہوگئے ہیں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دنوں سے اُنھیں خود بھی کچھ نہیں سُوجھتا۔ وہ اس کا اظہار نہیں کرتے اِس خوف سے کہ اُن کی جگہ پر ہمارا

کوئی دوسرا نگراں کار آجائے گا۔ لیکن مجھے شبہ ہوتا ہے کہ اب اُن کی آنکھیں بیکار ہوگئی ہیں۔ اب ہمیں کسی دوسرے رہنما کی ضرورت ہے۔ وہ اب ہماری باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ ہماری تعداد بھی اب زیادہ ہوگئی ہے۔ یہاں اُن کے اور تینوں بیراگیوں کے سوا اور کوئی بینا نہیں۔ اور وہ لوگ ہم سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ مہاتماجی ہمیں لے کر کہیں بھول آئے ہیں اور اب راستہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ وہ کہاں گئے؟ اُنھیں کوئی مجاز نہیں ہے کہ ہم کو تنہا چھوڑ جائیں۔

سب سے بُڈھا اندھا آدمی۔ وہ بہت دُور گئے ہیں۔ شاید عورتوں سے اس کا ذکر کیا تھا۔

پہلا نابینا۔ تو اَب وہ عورتوں ہی سے بولتے ہیں؟ گویا ہم سب کے سب مَر گئے؟ بالآخر ہمیں اُن کی شکایت کرنی پڑے گی۔

سب سے بُڈھا اندھا آدمی۔کِس سے شکایت کروگے؟

پہلا نابینا۔ابھی یہ نہیں معلوم ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ لیکن وہ گئے کہاں؟ میں عورتوں سے پوچھ رہا ہوں۔

سب سے بُڈھی اندھی عورت۔ وہ اتنی دُور آتے آتے تھک گئے تھے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ وہ ذرا دیر تک ہمارے درمیان بیٹھے تھے۔ کئی دنوں سے وہ بہت دل گرفتہ اور علیل ہیں۔ جب سے ڈاکٹر کا انتقال ہوا اُن کی طبیعت پریشان ہے۔ وہ اُداس رہتے ہیں۔ شاذ ہی کسی سے بولتے ہیں۔ کچھ خبر نہیں کہ کیا سانحہ ہوگیا ہے۔ آج وہ سَیر کرنے پر مُصر ہوئے۔ وہ کہتے تھے کہ میں سرما شروع ہونے کے پہلے آخری بار دھوپ میں جزیرے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرما بہت سرد اور طولانی ہوگا۔ ابھی سے شمال کی جانب سے برف آنے لگی ہے۔ وہ کچھ متردد بھی تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پچھلے دنوں کے طوفان سے ندیوں میں سیلاب آگیا ہے اور پُشتے مُنہدم ہوتے جاتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ مجھے سمندر سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ وہ بلاوجہ متلاطم ہورہا ہے۔ اور جزیرے کی پہاڑیاں کافی طور پر اونچی نہیں ہیں۔ وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے لیکن اُنھوں نے ہم سے کچھ نہیں بتلایا کہ کیا دیکھا۔ مجھے خیال آتا ہے کہ وہ پگلی عورت کے لیے روٹی اور پانی لانے گئے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ شاید مجھے دور جانا پڑے۔ ہم کو مجبوراً انتظار کرنا پڑے گا۔

نوجوان اندھی عورت۔ جاتے وقت اُنھوں نے میرے ہاتھ پکڑے تھے۔ اُن کے ہاتھ کانپ رہے تھے گویا وہ ڈر رہے ہوں۔ تب اُنھوں نے میرا بوسہ لیا۔

پہلا نابینا۔ اچھا!

نوجوان اندھی عورت۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا بات ہوگئی ہے۔ اُنھوں نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہونے والا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ بڑھوں کی حکومت اب ختم ہونے والی ہے۔ غالبًا ......

پہلا نابینا۔ اِس سے اُن کی کیا منشا تھی؟

نوجوان اندھی عورت۔ میں نے بھی اُن کا مطلب نہ سمجھا۔ اُنھوں نے مجھ سے یہی بتلایا کہ میں اُس بڑے روشنی کے مینار کی طرف جارہا ہوں۔

پہلا نابینا۔ کیا یہاں کوئی روشنی کا مینار بھی ہے؟

نوجوان اندھی عورت۔ ہاں جزیرے کے شمال میں ہے۔ میرا خیال ہے ہم اُس سے بہت دُور نہیں ہیں۔ وہ مجھ سے کہتے تھے کہ مجھے مینار کی روشنی یہاں کی پتیوں پر پڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مجھے آج کے سے افسردہ خاطر وہ کبھی نہ معلوم ہوئے تھے۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ کئی دن سے رُویا کرتے تھے۔ معلوم نہیں کیوں۔ میں خود بھی رُوئی۔ میں نے اُنھیں جاتے ہوئے نہیں سُنا۔ اِس سے زیادہ میں اُن سے اور کچھ نہ پوچھ سکی۔ میں سُن رہی تھی کہ وہ بہت سنجیدگی سے مُسکرا رہے تھے۔ میں نے یہ بھی سُنا کہ وہ آنکھیں بند کررہے تھے اور سکون چاہتے تھے۔

پہلا نابینا۔ اُنھوں نے یہ سب باتیں ہم سے نہیں کہیں۔

نوجوان اندھی عورت۔ تم اُن کی باتیں کب سُنتے تھے۔

سب سے بُڑھی اندھی عورت۔ جب وہ بولتے ہیں تو تم سب کے سب کانا پھُسکی کرنے لگتے ہو۔

دوسرا نابینا۔ چلتے وقت اُنھوں نے صرف 'والسلام' کہا۔

تیسرا نابینا۔ رات زیادہ آگئی۔

پہلا نابینا۔ چلتے وقت اُنھوں نے دو تین بار والسلام کہا۔ گویا سُونے جارہے ہوں۔ جب وہ سلام کررہے تھے تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ میری طرف تاک رہے ہیں۔ جب

کوئی کسی چیز کی طرف غور سے دیکھتا ہے تو اُس کی آواز تبدیل ہوجاتی ہے۔
پانچواں نابینا۔ اُن لوگوں پر رحم کرو جن کے آنکھیں نہیں ہیں۔
پہلا نابینا۔ یہ کون واہیات باتیں کررہا ہے؟
دوسرا نابینا۔ شاید یہ وہ ہے جو سُن نہیں سکتا۔
پہلا نابینا۔ چُپ رہو۔ یہ رُونے کا وقت نہیں ہے۔
تیسرا نابینا۔ مہاتماجی رُوٹی اور پانی لینے کہاں چلے گئے؟
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ وہ سمندر کی طرف گئے۔
تیسرا نابینا۔ اِس سن و سال پر کوئی اِس طرح سمندر کی طرف نہیں جاتا۔
دوسرا نابینا۔ کیا ہم سمندر کے قریب ہیں؟
سب سے بُڈھی اندھی عورت۔ ہاں۔ ایک لحہ خاموش ہوجاؤ۔ تمھیں اس کی آواز سُنائی دے گی۔

(قریب سے سمندر کی دھیمی دھیمی صدا)

دوسرا نابینا۔ مجھے تو صرف تینوں عورتوں کے دعا کرنے کی آواز آرہی ہے۔
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ غور سے سُنو۔ ان کی دعاؤں کے بیچ بیچ میں تمھیں اُس کی آواز سُنائی دے گی۔
دوسرا نابینا۔ ہاں۔ مجھے کوئی ایسی آواز سُنائی دیتی ہے جو ہم سے دُور نہیں ہے۔
سب سے بُڈھی اندھی عورت۔ وہ سُوئی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب جاگ رہی ہے۔
پہلا نابینا۔ مہاتماجی کو ہمیں یہاں نہ لانا چاہیے تھا۔ مجھے اِس شور سے اندیشہ ہوتا ہے۔
سب سے بُڈھا اندھا آدمی۔ تم خوب جانتے ہوکہ جزیرہ بہت بڑا نہیں ہے۔ اور جوں ہی خانقاہ سے باہر نکلو یہ صدا آنے لگتی ہے۔
دوسرا نابینا۔ میں نے کبھی اِس کی طرف دھیان نہیں دیا۔
تیسرا نابینا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج یہ بہت قریب ہوگئی ہے۔ میں اسے اتنے پاس سے نہیں سُنتا چاہتا۔
دوسرا نابینا۔ مجھے بھی یہ پسند نہیں۔ پھر ہم نے خانقاہ سے باہر آنے کے لیے کبھی نہیں کہا۔

تیسرا نابینا۔ ہم اتنی دور کبھی یہاں نہیں آئے۔ ہمیں اتنی دُور لانے سے کیا فائدہ؟
سب سے بڑھی اندھی عورت۔ آج صبح موسم بہت سُہانا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم گرما کے آخری دنوں کا لطف اُٹھائیں۔ قبل اِس کے کہ جاڑے بھر کے لیے خانقاہ میں مقید ہوجائیں۔
پہلا نابینا۔ لیکن مجھے خانقاہ میں پڑے رہنا زیادہ پسند ہے۔
سب سے بڑھی اندھی عورت۔ وہ کہتے تھے کہ ہم جس جزیرے میں رہتے ہیں اُس کا کچھ حال ضرور جاننا چاہیے۔ اُنھوں نے خود بھی پورا جزیرہ نہیں دیکھا ہے۔ یہاں ایک ایسا پہاڑ ہے جس پر کوئی نہیں چڑھ سکا۔ ایسی وادیاں ہیں جہاں کوئی نہیں جانا پسند کرتا۔ اور ایسے غار ہیں جن میں آج تک کوئی داخل نہیں ہوسکا۔ الغرض اُن کا منشا تھا کہ ہم لوگوں کو آفتاب کے انتظار میں ہمیشہ خانقاہ کے زیرِسایہ بیٹھے رہنا مناسب نہیں۔ اِس لیئے وہ ہم کو ساحل تک لانا چاہتے تھے۔ وہ وہاں تنہا گئے ہیں۔
سب سے بڑھا اندھا آدمی۔ اُن کا کہنا صحیح ہے۔ ہم کو زندگی کا خیال رکھنا چاہیے۔
پہلا نابینا۔ لیکن یہاں میدان میں دیکھنے کے قابل کوئی چیز نہیں ہے۔
دوسرا نابینا۔ کیا ہم اِس وقت دُھوپ میں ہیں؟
تیسرا نابینا۔ میرا خیال ہے کہ اَب نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے رات زیادہ ہوگئی۔
دوسرا نابینا۔ کیا بجے ہیں۔
اور سب کے سب۔ کوئی نہیں جانتا۔
دوسرا نابینا۔ کیا ابھی تک روشنی ہے؟ (چھٹویں نابینا سے) تم کہاں ہو ہمیں تو کچھ کچھ سُوجھائی دیتا ہے۔ یہاں آؤ۔
چھٹواں نابینا۔ میرے خیال میں اِس وقت خوب اندھیرا ہے۔ جب دُھوپ ہوتی ہے تو مجھے پلکوں کے نیچے ایک نیلی لکیر سی نظر آتی ہے۔ بہت عرصہ گذرا میں نے ایسی لکیر دیکھی تھی۔ لیکن اَب مجھے مطلق دکھائی نہیں دیتا۔
پہلا نابینا۔ اور مجھے تو دیر ہونے کی خبر اُس وقت ہوتی ہے جب مجھے بھوک لگتی ہے۔ اور اِس وقت میں بھوکا ہوں۔
تیسرا نابینا۔ لیکن آسمان کی طرف تو دیکھو۔ شاید کچھ نظر آئے۔

(سب کے سب آسمان کی طرف سر اُٹھاتے ہیں۔ اُن تینوں کو چھوڑ کر جو
مادرزاد اندھے تھے۔ جو زمین کی طرف تاکتے رہتے ہیں)۔

چھٹواں نابینا۔ مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ ہم لوگ بالکل آسمان کے نیچے ہیں۔

پہلا نابینا۔ ہماری آوازیں اِس طرح گونج رہی ہیں گویا وہ کسی غار میں ہوں۔

سب سے بُڈھا نابینا۔ میرا تو خیال ہے کہ اُن کے گونجنے کا سبب شام کا وقت ہے۔

نوجوان اندھی عورت۔ مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ میرے ہاتھوں پر چاندنی پھیلی ہوئی
ہے۔

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ میرا خیال ہے کہ ستارے نکلے ہیں۔ میں اُنھیں سُن رہی
ہوں۔

نوجوان اندھی عورت۔ میں بھی سُن رہی ہوں۔

پہلا نابینا۔ مجھے تو کوئی آواز نہیں سُنائی دیتی۔

دوسرا نابینا۔ مجھے تو اپنے سانس لینے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

سب سے بڈھا نابینا۔ میرا خیال ہے کہ عورتیں صحیح کہتی ہیں۔

پہلا نابینا۔ میں نے کبھی ستاروں کی آواز نہیں سُنی۔

دوسرے اور تیسرے اندھے آدمی۔ ہم نے بھی نہیں سُنی۔

(طائرانِ شب کا ایک غول دفعتاً پتیوں پر اُترتا ہے)

دوسرا نابینا۔ سُنو سُنو! یہ اوپر کیا ہے؟ سُن رہے ہو؟

سب سے بُڈھا نابینا۔ ہمارے اور آسمان کے بیچ سے کوئی چیز گذر گئی۔

چھٹواں نابینا۔ ہمارے بالائے سر کوئی چیز حرکت کررہی ہے لیکن ہم اُسے پا نہیں سکتے۔

پہلا نابینا۔ اِس آواز کی حقیقت میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میں خانقاہ کی طرف لوٹنا چاہتا
ہوں۔

دوسرا نابینا۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں؟

چھٹواں نابینا۔ میں نے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ ہمارے چاروں طرف کانٹے ہی کانٹے
ہیں۔ اور کچھ نہیں۔ اَب میں اپنے ہاتھ پھیلانے کی جراَت نہیں کرسکتا۔

تیسرا نابینا۔ معلوم نہیں ہم کہاں ہیں؟

سب سے بڈھا نابینا۔ ہم اسے نہیں جان سکتے۔

چھٹواں نابینا۔ ہم خانقاہ سے بہت دُور ہیں۔ مجھے وہاں کی کوئی آواز نہیں سُنائی دیتی۔

تیسرا نابینا۔ بہت عرصے سے مجھے سُوکھی پتّیوں کی بو آرہی ہے۔

چھٹواں نابینا۔ ہم میں سے کسی نے اِس جزیرے کو زمانۂ گذشتہ میں دیکھا ہے اور وہ بتلا سکتا ہے کہ ہم کہاں ہیں؟

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ جب یہاں آئے تو ہم سب کے سب اندھے تھے۔

پہلا نابینا۔ ہمیں کبھی کچھ دکھائی ہی نہیں دیا۔

دوسرا نابینا۔ ہمیں خواہ مخواہ پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ جلد واپس آئیں گے۔ ذرا دیر اور اُن کا انتظار کرو۔ لیکن آئندہ سے ہم پھر اُن کے ساتھ نہ آئیں گے۔

سب سے بڈھا نابینا۔ ہم اکیلے گھومنے نہیں نکل سکتے۔

پہلا نابینا۔ ہم نکلیں ہی گے نہ۔ مجھے گھومنا پسند نہیں۔

دوسرا نابینا۔ ہماری باہر آنے کی خواہش نہیں تھی۔ کسی نے اُن سے یہ درخواست نہیں کی۔

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ جزیرے میں یہ تعطیل کا دن ہے۔ تعطیلوں میں ہم سب سَیر کرنے نکلتے ہیں۔

تیسری اندھی عورت۔ میں سُوہی رہی تھی کہ اُنھوں نے آکر میرے کندھے کو ہلایا اور کہا اُٹھو اُٹھو وقت آگیا۔ دُھوپ نکلی ہوئی ہے۔ کیا دُھوپ نکلی ہوئی تھی؟ مجھے اس کی خبر نہیں۔ میں نے کبھی دُھوپ نہیں دیکھی۔

سب سے بڈھا نابینا۔ میں بہت چھوٹا تھا تب میں نے دھوپ دیکھی تھی۔

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ میں نے بھی بہت دن ہوئے۔ تب میں بہت چھوٹی تھی۔ لیکن اب بالکل یاد نہیں۔

تیسرا نابینا۔ ہربار جب دُھوپ نکلتی ہے تو وہ کیوں ہمیں باہر لاتے ہیں؟ کیا ہم اِس سے کچھ زیادہ عقل مند ہوجاتے ہیں؟ مجھے تو بالکل معلوم نہیں ہوتا کہ رات ہے یا دن؟

چھٹواں نابینا۔ مجھے دوپہر کے وقت گھومنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اُس وقت بہت چمک محسوس ہوتی ہے اور میری آنکھیں کھُلنے کی کوشش کرتی ہیں۔

تیسرا نابینا۔ مجھے تو اپنی خواب گاہ میں کوئلے کے سامنے بیٹھنا زیادہ پسند ہے۔ آج صبح خوب

آگ روشن تھی۔

دوسرا نابینا۔ وہ ہمیں دُھوپ کھلانے کے لیے صحن میں لاسکتے تھے۔ وہاں دیواروں کی حفاظت میں تو رہتے۔ جب دروازہ بند رہتا ہے تو کوئی خوف نہیں معلوم ہوتا۔ میں ہمیشہ دروازہ بند کردیا کرتا ہوں۔ تم نے میری کہنی کیوں چھوئی؟

پہلا نابینا۔ میں نے نہیں چھوئی۔ میں تم سے بہت دُور ہوں۔

دوسرا نابینا۔ میں سچ کہتا ہوں کسی نے میری کہنی چھوئی ہے۔

پہلا نابینا۔ ہم میں سے کسی نے نہیں چھوئی۔

دوسرا نابینا۔ میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ یاخدا! خدا۔ ہم کہاں ہیں؟

پہلا نابینا۔ ہم یہاں ہمیشہ نہیں بیٹھے رہ سکتے۔

(کسی دُور کی گھڑی میں آہستہ آہستہ بارہ بجتے ہیں)

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ اُف! ہم لوگ خانقاہ سے کتنی دُور نکل آئے ہیں۔

سب سے بڈھا نابینا۔ آدھی رات ہوگئی۔

دوسرا نابینا۔ دوپہر ہے۔ کوئی جانتا ہے۔ بولو۔

چھٹواں نابینا۔ مجھے معلوم نہیں۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ ہم لوگ سایہ میں ہیں۔

پہلا نابینا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ میں بہت دیر تک سُوگیا۔

دوسرا نابینا۔ مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔

اور سب کے سب۔ ہم بھی بُھوکے اور پیاسے ہیں۔

دوسرا نابینا۔ کیا ہمیں یہاں آئے ہوئے دیر ہوئی؟

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں یہاں صدیوں سے ہوں۔

چھٹواں نابینا۔ مجھے کچھ کچھ معلوم ہورہا ہے کہ ہم کہاں ہیں؟

تیسرا نابینا۔ ہمیں اُس طرف جانا چاہیے جدھر سے بارہ بجنے کی آواز آئی ہے۔

(طائرانِ شب یکایک تاریکی میں شور کرنے لگتے ہیں)

پہلا نابینا۔ تم لوگ سُنتے ہو۔ سُنتے ہو؟

دوسرا نابینا۔ یہاں ہمارے سوائے کوئی اور بھی ہے؟

تیسرا نابینا۔ مجھے بہت دیر سے اِس کا شبہ ہے۔ کوئی ہماری باتیں سُن رہا ہے۔ کیا وہ لوٹ آئے؟

پہلا نابینا۔ معلوم نہیں کیا ہے۔ یہ ہمارے اوپر ہے۔

دوسرا نابینا۔ کیا دوسروں نے کچھ نہیں سُنا؟ تم لوگ ہمیشہ خاموش رہتے ہو۔

سب سے بڑھا نابینا۔ ہم تو ابھی تک سُن رہے ہیں۔

نوجوان اندھی عورت۔ مجھے اپنے اِردگرد ہرنوں کی آواز آرہی ہے۔

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ اے خدا اے خدا! ہم کہاں ہیں؟

چھٹواں نابینا۔ مجھے کچھ کچھ معلوم ہورہا ہے کہ ہم کہاں ہیں۔ خانقاہ اِس بڑی ندی کے اُس پار ہے۔ ہم پُرانے پُل پر سے ہوکر آئے ہیں۔ مہاتما جی ہم کو جزیرے کے شمال میں لائے ہیں۔ ہم ندی سے دُور نہیں ہیں۔ اگر ہم ایک لمحہ غور سے سُنیں تو اُس کی آواز بھی شاید سُنائی دے۔ اگر مہاتما جی نہ لوٹیں گے تو ہم کو پانی کے کنارے تک جانا پڑے گا۔ وہاں شب و روز بڑے بڑے جہاز آتے جاتے رہتے ہیں۔ جہازوں کے ملاح ہمیں کنارے پر کھڑے دیکھ لیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم اُس جنگل میں ہوں جو روشنی کے مینار کو گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن مجھے باہر نکلنے کا راستہ نہیں معلوم ہے۔ کوئی میرے ساتھ چلنے پر تیار ہے؟

پہلا نابینا۔ چُپ چاپ بیٹھے رہو۔ اُن کا انتظار کیے جاؤ۔ ہمیں بڑی ندی کا راستہ نہیں معلوم ہے۔ اور خانقاہ کے چاروں طرف دلدل ہیں بس اُن کا انتظار کرنا چاہیے۔ وہ آئیں گے۔ ضرور آئیں گے۔

چھٹواں نابینا۔ کوئی جانتا ہے کہ ہم کِس راستہ سے آئے ہیں! جب ہم آرہے تھے تو اُنھوں نے ہمیں سمجھایا تھا۔

پہلا نابینا۔ میں نے بالکل دھیان نہیں دیا۔

چھٹواں نابینا۔ کیا اور کسی نے دھیان سے سُنا تھا؟

تیسرا نابینا۔ آئندہ ہم کو اُن کی باتوں کو غور سے سُننا چاہیے۔

چھٹواں نابینا۔ کیا ہم میں سے کسی کی پیدائش اِس جزیرے میں ہوئی ہے؟

(۲)

سب سے بڈھا آدمی۔ تمھیں خوب معلوم ہے کہ ہم سب یہاں دوسری جگہ سے آئے ہیں۔

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ ہم سمندر کے اُس پار سے آئے ہیں۔

پہلا نابینا۔ مجھے اندیشہ ہوتا تھا کہ سمندر طے کرتے کرتے مر نہ جاؤں۔

دوسرا نابینا۔ مجھے بھی۔ ہم ساتھ ساتھ آئے تھے۔

تیسرا نابینا۔ ہم تینوں ایک ہی محال سے آئے۔

پہلا نابینا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا گاؤں شمال کی طرف یہاں سے نظر آتا ہے۔ بشرطیکہ آسمان صاف ہو۔ اُس میں کوئی مینار نہیں ہے۔

تیسرا نابینا۔ ہم اتفاق سے یہاں اُتر پڑے۔

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ میں دوسری طرف سے آئی ہوں۔

دوسرا نابینا۔ تم کہاں سے آئی ہو؟

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ مجھے اب اس کا خیال کرتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اب اُس کی یاد نہیں رہی بہت دن گزرگئے۔ وہاں یہاں سے زیادہ سردی پڑتی تھی۔

نوجوان اندھی عورت۔ میں بھی بہت دور سے آئی ہوں۔

پہلا نابینا۔ آخر تم کہاں سے آئی ہو؟

نوجوان اندھی عورت۔ یہ بتلانا بہت مشکل ہے۔ میں اُسے کیوں کر بیان کرسکتی ہوں؟ وہ یہاں سے نہایت دُور ہے۔ سمندروں کے اُس پار۔ وہ بہت بڑا ملک ہے۔ میں صرف اشاروں سے اس کا حال بتاسکتی ہوں لیکن آنکھیں تو ہیں ہی نہیں۔ میں بہت دنوں تک بھٹکتی پھری ہوں لیکن میں نے سورج اور آگ اور پانی اور پہاڑ اور لوگوں کے چہرے اور عجیب قسم کے پھول سب دیکھے ہیں۔ ویسے پھول اس جزیرہ میں نہیں ہیں۔ یہ تو بالکل ویران سُنسان اور ٹھنڈا ہے جب سے میری نگاہ جاتی رہی ہے مجھے پھر بُو کا احساس نہیں ہوا۔ لیکن میں نے اپنے والدین اور بہنوں کو دیکھا ہے میں اس وقت بہت چھوٹی تھی اور بالکل نہ جانتی تھی کہ کہاں ہوں۔ میں اُس وقت تک

سمندر کے کنارے کھیلا کرتی تھی ...... تاہم آنکھوں سے دیکھنے کی یاد اب بھی خوب ہے ...... ایک دن میں نے پہاڑ کی چوٹی پر سے برف کی طرف دیکھا ...... انھیں دنوں مجھے اُن لوگوں کی پہچان ہونے لگی تھی جو غم نصیب ہونے والے ہیں۔

پہلا نابینا۔ تمھارا مطلب کیا ہے؟

نوجوان اندھی عورت۔ میں اب بھی کبھی کبھی ایسے آدمیوں کو اُن کی آواز سے پہچان سکتی ہوں ...... میرے دل میں ایسی یادیں ہیں جو زیادہ روشن ہوجاتی ہیں اگر مجھے اُن کا دھیان نہ ہو۔

پہلا نابینا۔ مجھے کچھ یاد نہیں ...... میں ......

(بڑی بڑی چڑیوں کا ایک غول شور مچاتا ہوا پتیوں کے اوپر سے گزرتا ہے)

سب سے بڈھا نابینا۔ پھر آسمان کے نیچے سے کوئی چیز گزر رہی ہے۔

دوسرا نابینا۔ تم یہاں کیوں آئیں۔

سب سے بڈھا نابینا۔ کس سے پوچھ رہے ہو؟

دوسرا نابینا۔ اپنی نوجوان ساتھن سے۔

نوجوان اندھی عورت۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ مہاتما جی مجھے اچھا کرسکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میری آنکھیں ضرور کھلیں گی۔ تب میں اس جزیرہ سے چلی جاؤں گی۔

پہلا نابینا۔ اس جزیرہ کو تو ہم سب ترک کرنا چاہتے ہیں۔

دوسرا نابینا۔ کیا ہم یہاں ہمیشہ پڑے رہیں گے؟

تیسرا نابینا۔ مہاتما جی بہت بڈھے ہوگئے ہیں۔ اُنھیں ہم لوگوں کو اچھا کرنے کے لیے اب وقت نہیں ہے۔

نوجوان اندھی عورت۔ میری پلکیں بند ہیں لیکن مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میری آنکھوں میں بینائی ہے۔

پہلا نابینا۔ میری آنکھیں تو کھلی ہوئی ہیں ......

دوسرا نابینا۔ میں سوتا ہوں تب بھی آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔

تیسرا نابینا۔ آنکھوں کا ذکر چھوڑو۔

سب سے بڈھا نابینا۔ ایک روز شام کو دعا کرتے وقت مجھے عورتوں کی طرف سے ایک ایسی

آواز سُنائی دی جسے میں پہچان نہ سکا۔ تمھاری آواز سے معلوم ہوجاتا ہے کہ تم نوجوان ہو میں تمھاری آواز سُن کر تمھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔

پہلا نابینا۔ مجھے کبھی اس کا علم نہیں ہوا۔

دوسرا نابینا۔ وہ ہمیں کچھ بتلاتے ہیں نہیں۔

چھٹواں نابینا۔ لوگ کہتے ہیں کہ تم خوبصورت ہو جیسے کوئی عورت جو بہت دُور سے آئی ہو۔

نوجوان اندھی عورت۔ میں نے اپنے تئیں خود کبھی نہیں دیکھا۔

سب سے بڑھا اندھا آدمی۔ ہم نے کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔ ہم تو آپس میں سوال کرتے ہیں۔ جواب دیتے ہیں ساتھ رہتے ہیں۔ ساتھ چلتے پھرتے ہیں۔ لیکن بالکل نہیں جانتے کہ ہم کیا ہیں۔ ایک دوسرے کو دونوں ہاتھوں سے چھولینے سے کیا ہوتا ہے! آنکھیں ہاتھوں سے زیادہ باخبر ہوتی ہیں ......

چھٹواں نابینا۔ جب تم لوگ دُھوپ میں نکلتے ہو تو کبھی کبھی مجھے تمھارا سایہ دکھائی دیتا ہے۔

سب سے بڑھا نابینا۔ ہم نے اُس گھر کو نہیں دیکھا جس میں رہتے ہیں۔ دیواروں اور کھڑکیوں کو ہاتھوں سے چھونے سے کیا ہوتا ہے ہم بالکل نہیں جانتے کہ ہم کہاں رہتے ہیں ......

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک بالکل تاریک، شکستہ، پُرانا قلعہ ہے۔ اس بُرج کے سوا جس میں سادھو جی رہتے ہیں وہاں کبھی روشنی نظر نہیں آتی۔

پہلا نابینا ۔ جن کے آنکھیں نہیں ہیں اُنھیں روشنی کی کیا ضرورت ہے؟

چھٹواں نابینا۔ جب میں خانقاہ کے آس پاس بھیڑیں چراتا ہوں تو شام کے وقت وہ بُرج کی روشنی دیکھ کر آپ ہی آپ گھر پہنچ جاتی ہیں۔ اُنھوں نے مجھے کبھی نہیں بھٹکایا۔

سب سے بڑھا نابینا۔ ہمیں ساتھ رہتے مدتیں گزر گئیں۔ لیکن ہم نے ایک دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا۔ گویا ہم ہمیشہ تنہا رہتے ہیں۔ بلا دیکھے محبت نہیں پیدا ہوتی......

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ مجھے کبھی کبھی خواب میں معلوم ہوتا ہے کہ میں دیکھ سکتی ہوں۔

سب سے بڑھا نابینا۔ مجھے صرف سپنے ہی میں دکھائی دیتا ہے۔

پہلا نابینا۔ میں اکثر آدھی رات کو خواب دیکھتا ہوں۔
دوسرا نابینا۔ جب ہاتھوں میں حرکت ہی نہیں ہوتی تو انسان کس چیز کا خواب دیکھ سکتا ہے؟
(ایک طوفان جنگل کو ہلا دیتا ہے اور پتیاں جھڑنے لگتی ہیں)
پانچواں نابینا۔ کس نے میرے ہاتھ چھوئے؟
پہلا نابینا۔ ہمارے چاروں طرف کوئی چیز گر رہی ہے۔
سب سے بڈھا نابینا۔ اوپر سے آرہی ہے۔ معلوم نہیں کیا ہے ......
پانچواں نابینا۔ کس نے میرے ہاتھ چھوئے؟ میں سو رہا تھا۔ مجھے خوب سونے دو۔
سب سے بڈھا نابینا۔ کسی نے تمھارے ہاتھ نہیں چھوئے۔
پانچواں نابینا۔ کس نے میرے ہاتھ پکڑے تھے؟ زور سے بولو۔ میں ذرا اونچا سُنتا ہوں۔
سب سے بڈھا نابینا۔ ہم کو خود نہیں معلوم۔
پانچواں نابینا۔ کیا کوئی ہمیں خبردار کرنے آیا ہے؟
پہلا نابینا۔ اِس کو جواب دینا فضول ہے۔ اُسے کچھ نہیں سُنائی دیتا۔
تیسرا نابینا۔ یہ ماننا پڑے گا کہ بہرے بڑے بدنصیب ہوتے ہیں۔
سب سے بڈھا نابینا۔ میں بیٹھے بیٹھے تھک گیا۔
چھٹواں نابینا۔ میں یہاں رہتے رہتے تھک گیا۔
دوسرا نابینا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ بہت دُور بیٹھے ہوئے ہیں۔ آؤ ذرا اور قریب آجائیں ...... ٹھنڈ پڑنے لگی۔
تیسرا نابینا۔ مجھے کھڑے ہوتے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ جہاں بیٹھے ہو وہیں بیٹھے رہو۔
سب سے بڈھا نابینا۔ معلوم نہیں ہم لوگوں کے بیچ میں کیا کیا ہو۔
چھٹواں نابینا۔ میرے دونوں ہاتھوں سے خون نکلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میں کھڑا ہونا چاہتا تھا۔
تیسرا نابینا۔ آواز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم میری طرف جھکے ہوئے ہو۔
(اندھی پگلی عورت زور سے اپنی آنکھیں ملتی ہے۔ اور کراہتے ہوئے بار بار بے جان سادھو کی طرف سر پھیرتی ہے)
پانچواں نابینا۔ مجھے اب دوسرا شور سُنائی دیتا ہے۔

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ میرے خیال میں ہماری پگلی بہن آنکھیں مل رہی ہے۔
دوسرا نابینا۔ بس وہ بھی کیا کرتی ہے۔ میں روز رات کو سُنا کرتا ہوں۔
تیسرا نابینا۔ وہ پگلی سے کچھ نہیں بولتی۔
سب سے بڑھی اندھی عورت۔ جب سے بچّہ پیدا ہوا ہے وہ ایک بار بھی نہیں بولی۔ معلوم ہوتا ہے وہ ڈرتی ہے......
سب سے بڈھا نابینا۔ تو کیا تم لوگوں کو یہاں ڈر نہیں لگتا؟
پہلا نابینا۔ کس کو؟
سب سے بڈھا نابینا۔ باقی، ہم سب لوگوں کو۔
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ ہاں ہم سب یہاں ڈرتے ہیں۔
نوجوان اندھی عورت۔ ہم بہت دنوں سے ڈر رہے ہیں۔
پہلا نابینا۔ تم یہ کیوں پوچھتے ہو؟
سب سے بڈھا نابینا۔ میں خود نہیں جانتا کہ کیوں پوچھتا ہوں ...... کوئی بات ایسی ہے جو میرے ذہن میں نہیں آتی...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے کانوں میں یکایک کسی کے رونے کی آواز آئی......
پہلا نابینا۔ ڈرنے سے کیا ہوتا ہے۔ شاید پگلی عورت روتی ہے۔
سب سے بڈھا نابینا۔ نہیں اس کے علاوہ کچھ اور ہے...... یقیناً کچھ اور ہے ...... صرف اس کے رونے سے مجھے خوف نہیں معلوم ہوتا۔
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ وہ جب اپنے بچّے کو دودھ پلانے لگتی ہے تو ہمیشہ روتی ہے۔
پہلا نابینا۔ صرف وہی اس طرح روتی ہے۔
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب بھی کبھی کبھی اُسے دکھائی دیتا ہے......
پہلا نابینا۔ ہم کسی کا رونا نہیں سُنتے۔
سب سے بڈھا نابینا۔ رونے کے لیے دیکھنا ضروری ہے ......
نوجوان اندھی عورت۔ مجھے یہاں کہیں سے پھولوں کی مہک آئی ہے۔
پہلا نابینا۔ مجھے تو صرف مٹی کی بو آتی ہے۔
نوجوان اندھی عورت۔ ہمارے قریب پھول ہیں۔ پھول ہیں۔

دوسرا نابینا۔ مجھے تو صرف مٹی کی بو آتی ہے۔

نوجوان اندھی عورت ۔ مجھے ابھی ہوا میں پھولوں کی خوشبو آئی۔

تیسرا نابینا۔ مجھے تو صرف مٹی کی بو آرہی ہے۔

سب سے بڈھا نابینا۔ میرا خیال ہے کہ عورتیں صحیح کہتی ہیں۔

چھٹواں نابینا۔ پھول کہاں ہیں؟ میں جاکر چنوں گا۔

نوجوان اندھی عورت۔ کھڑے ہوجاؤ۔ تمھارے دائیں طرف ہیں۔

(چھٹواں نابینا آہستہ آہستہ کھڑا ہوتا ہے اور درختوں اور جھاڑیوں میں اُلجھتا ہوا، نرگسوں کی طرف جاتا ہے جنھیں وہ پیروں سے کچل ڈالتا ہے)

نوجوان اندھی عورت۔ مجھے سُنائی دیتا ہے کہ تم ہری ڈالیوں کو توڑے ڈالتے ہو۔ ٹھہرو۔ ٹھہرو۔

پہلا نابینا۔ پھولوں کی فکر مت کرو۔ سوچو کہ کیوں کر لوٹوگے۔

چھٹواں نابینا۔ اب میں اپنے قدموں کو پھیرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

نوجوان اندھی عورت۔ ہرگز مت آنا۔ ٹھہرو۔ (وہ اُٹھتی ہے) آہ! زمین کتنی سرد ہے! شاید برف گری ہے۔(وہ بے دھڑک زرد نرگسوں کی طرف جاتی ہے لیکن گرے ہوئے درخت اور چٹان راستے میں حائل ہوجاتے ہیں) وہ یہاں ہیں۔ لیکن میں اُنھیں نہیں پاسکتی وہ تمھاری طرف ہیں۔

چھٹواں نابینا۔ میں سمجھتا ہوں کہ پھولوں کو چُن رہا ہوں۔

(اِدھر اُدھر ٹٹول کر وہ بچے ہوئے پھولوں کو توڑ لیتا ہے اور نوجوان اندھی عورت کو دے دیتا ہے۔ طائرانِ شب اُڑ جاتے ہیں)

نوجوان اندھی عورت۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کبھی ان پھولوں کو دیکھا ہے ...... میں ان کا نام بھول گئی ہوں ...... لیکن یہ کتنے بدنما ہیں اور اُن کی ڈنٹھل کتنی کمزور! میں اُنھیں بہ مشکل پہچان سکتی ہوں...... میرا خیال ہے کہ یہ مزار کے پھول ہیں ......

(وہ نرگسوں کو اپنے بالوں میں گوندھ لیتی ہے)

سب سے بڈھا نابینا۔ مجھے تمھارے بالوں کی آواز سُنائی دیتی ہے۔

نوجوان اندھی عورت۔ یہ پھولوں کی آواز ہے۔

سب سے بڈھا نابینا۔ ہم تمھیں نہ دیکھیں گے!
نوجوان اندھی عورت۔ میں خود اپنے تئیں نہ دیکھوں گی...... مجھے سردی لگ رہی ہے!
(اُسی وقت ہوا جنگل میں زور سے چلنے لگتی ہے اور سمندر یکایک متصل
پہاڑوں سے ٹکراکر مہیب آواز سے گرجتا ہے)
پہلا نابینا۔ بادل گرج رہا ہے!
دوسرا نابینا۔ میرا خیال ہے کہ طوفان آرہا ہے۔
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ شاید سمندر کی آواز ہے۔
تیسرا نابینا۔ کیا سمندر؟ یہ سمندر کی آواز ہے؟ لیکن یہ تو ہم سے دو ہی قدم کے فاصلہ پر
معلوم ہوتی ہے! بالکل ہمارے پاس! چاروں طرف یہی آواز آرہی ہے! یہ کچھ اور
ہوگا!
نوجوان اندھی عورت۔ میں لہروں کی آواز اپنے پیروں کے پاس سُن رہی ہوں۔
پہلا نابینا۔ میرے خیال میں ہوا سوکھی پتیوں کو کھڑکھڑا رہی ہے۔
سب سے بڈھا نابینا۔ میں سمجھتا ہوں کہ عورتیں صحیح کہتی ہیں۔
تیسرا نابینا۔ تب تو وہ یہاں آتا ہوگا۔
پہلا نابینا۔ ہوا کہاں سے آتی ہے۔
دوسرا نابینا۔ سمندر سے۔
سب سے بڈھا نابینا۔ ہوا ہمیشہ سمندر کی طرف سے آتی ہے۔ سمندر ہمیں چاروں طرف
سے گھیرے ہوئے ہے وہ کسی دوسری طرف سے نہیں آسکتی۔
پہلا نابینا۔ بھئی سمندر کا خیال مت کرو۔
دوسرا نابینا ۔ یہ کیونکر ممکن ہے وہ تو ذرا دیر میں ہمارے پاس آجائے گا!
پہلا نابینا۔ تمھیں کیا معلوم کہ یہ سمندر کی ہی آواز ہے۔
دوسرا نابینا۔ مجھے اس کی لہریں ایسی قریب معلوم ہوتی ہیں کہ میں اس میں اپنے ہاتھ ڈباسکتا
ہوں۔ ہم یہاں نہیں ٹھہرسکتے۔ کہیں وہ ہمیں چاروں طرف سے گھیر نہ لے۔
سب سے بڈھا نابینا۔ تم کہاں جانا چاہتے ہو؟
دوسرا نابینا۔ اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ میں اب پانی کی یہ گرج نہیں

سُن سکتا۔ یہاں سے بھاگ چلو۔ چلو!

تیسرا نابینا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور آواز بھی ہے۔ کان لگاؤ۔

(تیز اور دُور کے قدموں کی آواز سُوکھی پتیوں میں سنائی دیتی ہے)

پہلا نابینا۔ کوئی چیز ہماری طرف آ رہی ہے!

دوسرا نابینا۔ سادھو جی ہیں! سادھو جی ہیں! وہ واپس آ رہے ہیں!!

تیسرا نابینا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھ رہے ہیں بالکل ایک چھوٹے بچے کی طرح ......

دوسرا نابینا۔ آج اُنھیں کچھ بُرا بھلا مت کہنا!

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ میرے خیال میں یہ آدمی کے قدم نہیں ہیں!

(ایک بڑا کتا جنگل میں آتا ہے اور اُن کے سامنے سے گزرتا ہے سناٹا ہے)

پہلا نابینا۔ یہ کون ہے؟ اَرے تم کون ہو؟ ہمارے اوپر رحم کرو، ہم بہت دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں...... (کُتا رُک جاتا ہے اور لوٹ کر اپنے اگلے پنجے پہلے نابینا کی گھٹنیوں پر رکھ دیتا ہے) ارے! آہ! تم نے میرے گھٹنیوں پر کیا رکھ دیا یہ کیا ہے؟ ارے یہ تو کوئی جانور ہے؟ کُتا معلوم ہوتا ہے ...... ہاں ہاں کُتا ہی ہے۔ یہ ہماری خانقاہ کا کُتا ہے۔ اِدھر آؤ اِدھر آؤ۔ ہمیں راستہ دکھانے آیا ہے۔ اِدھر آ۔ اِدھر آ!

پہلا نابینا۔ یہ ہمیں راستہ دکھانے آیا ہے۔ ہمارے پیروں کے نشان دیکھتا چلا آیا ہے۔ یہ میرے ہاتھ چاٹ رہا ہے گویا مجھے صدیوں کے بعد دیکھا ہے۔ خوشی کے مارے غُرا رہا ہے خوشی کے مارے مر نہ جائے! سُنو۔ کان لگاؤ۔

اور سب کے سب۔ اِدھر آ! اِدھر آ!

سب سے بڈھا نابینا۔ شاید وہ کسی آدمی کے آگے آگے آیا ہے ......

پہلا نابینا۔ نہیں نہیں بالکل اکیلا آیا ہے۔ مجھے اور کسی کے آنے کی آہٹ نہی ملتی۔ اب ہمیں کسی دوسرے سالک کی ضرورت نہیں۔ اس سے اچھا اور کون ہوگا۔ ہم جہاں جائیں گے وہیں لے جائے گا۔ ہمارا حکم مانے گا......

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ میں اس کے ساتھ نہیں جاسکتی۔

نوجوان اندھی عورت۔ میں بھی نہیں جاسکتی۔

پہلا نابینا۔ کیوں؟ ہماری نگاہ سے اس کی نگاہ بہتر ہے۔

دوسرا نابینا۔ ان عورتوں کو بکنے دو۔

تیسرا نابینا۔ میرا خیال ہے کہ آسمان میں کچھ تغیر ہوگیا ہے۔ ہوا اب صاف ہے ...... میں خوب سانس لے سکتا ہوں۔

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ سمندری ہوا ہمارے چاروں طرف چل رہی ہے۔

چھٹواں نابینا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشنی آرہی ہے۔ شاید آفتاب نکل رہا ہے۔

سب سے بڈھا نابینا۔ میرا خیال ہے کہ سردی پڑنے والی ہے۔

پہلا نابینا۔ اب ہمیں راستہ مل جائے گا۔ کتا مجھے کھینچ رہا ہے۔ وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔ میں اب اُسے روک نہیں سکتا۔ چلو ہمارے ساتھ چلو۔ ہم لوگ گھر جا رہے ہیں۔

(کتا اُسے کھینچ کر بے جان سادھو کے پاس لے جاتا ہے اور وہاں رُک جاتا ہے۔)

اور سب کے سب۔ تم کہاں ہو؟...... کہاں جا رہے ہو؟...... ہوشیار رہنا۔

پہلا نابینا۔ ٹھہرو ٹھہرو ابھی میرے ساتھ مت آؤ۔ میں لوٹا آتا ہوں ...... سادھو جی خاموش کھڑے ہیں...... اَرے یہ کیا ہے ...... مجھے کوئی بہت ٹھنڈی چیز محسوس ہوئی ......!

دوسرا نابینا۔ تم کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے اب تمھاری آوازیں نہیں سُنائی دیتی۔

پہلا نابینا۔ میں نے ...... شاید میرا ہاتھ کسی کے چہرہ پر پڑا ہے ......

تیسرا نابینا۔ تم کیا کہہ رہے ہو! تمھاری باتیں اب مشکل سے سمجھ میں آتی ہیں۔ تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ تم کہاں ہو؟ کیا اتنی جلد تم ہم سے اتنی دُور نکل گئے۔

پہلا نابینا۔ اَرے اَرے ...... کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہے ...... ہمارے پاس ایک مُردہ آدمی پڑا ہوا ہے!

اور سب کے سب۔ کیا مُردہ آدمی؟ تم کہاں ہو۔ تم کہاں ہو؟

پہلا نابینا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ ہمارے بیچ میں ایک مُردہ آدمی ہے ...... اَرے ...... میں نے ایک مُردہ چہرہ چھولیا ...... تم سب ایک مُردہ کے پاس بیٹھے ہو ...... ہم میں سے کوئی یکایک مرگیا ہے ...... لیکن بولو...... سب کے سب بولو تاکہ معلوم ہوکہ ہم میں کون کون سے آدمی زندہ ہیں!

(پگلی عورت اور بہرے مرد کے سوا اور سب باری باری سے جواب دیتے ہیں تینوں بڈھی عورتوں نے دعا کرنا بند کردیا ہے)

پہلا نابینا۔ میں اب تمھاری آوازوں کو نہیں پہچان سکتا۔ تمھاری آواز ایک ہی سی ہے...... سب کے سب کانپ رہے ہو۔

تیسرا نابینا۔ دو آدمیوں نے جواب نہیں دیا۔ وہ کہاں گئے (وہ اپنی چھڑی سے پانچویں اندھے کو چھوتا ہے)

پانچواں نابینا۔ اَرے اَرے! میں سو رہا تھا۔ مجھے سونے دو۔

چھٹواں نابینا۔ بہرا تو نہیں مرا۔ کیا پگلی تو نہیں مر گئی۔

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ وہ میرے قریب بیٹھی ہوئی ہے۔ میں اس کا سانس لینا سُن رہی ہوں۔

پہلا نابینا۔ میرا خیال ہے ...... میرا خیال ہے کہ یہ سادھوجی ہیں وہ کھڑے ہیں آؤ۔ آؤ۔

دوسرا نابینا۔ کیا وہ کھڑے ہیں؟

تیسرا نابینا۔ تب وہ مرے نہیں ہیں۔

سب سے بڑھا نابینا۔ کہاں ہیں؟

چھٹواں نابینا۔ آکر دیکھو۔

(پگلی عورت اور بہرے اندھے کے سِوا اور سب اُٹھتے ہیں اور ٹٹولتے ہوئے مُردہ کی طرف جاتے ہیں)

دوسرا نابینا۔ کیا یہی ہیں؟ یہی؟

تیسرا نابینا۔ ہاں ہاں۔ میں اُنھیں پہچانتا ہوں۔

پہلا نابینا۔ یاخدا۔ یا خدا، ہمارا کیا حال ہوگا۔

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ سوامی جی! کیا یہ تمھیں ہو؟ تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ ہماری باتوں کا کچھ جواب دو۔ ہم سب تمھارے پاس جمع ہیں۔ ہائے ہائے!

سب سے بڑھا نابینا۔ تھوڑا سا پانی لاؤ شاید ابھی کچھ جان ہے۔

چھٹواں نابینا۔ ہاں اُنھیں بچانا چاہیے ...... غالبًا وہ ہمیں خانقاہ تک پہنچانے کے قابل ہوجائیں گے۔

تیسرا نابینا۔ بالکل بیکار ...... مجھے اُن کے دل کی آواز نہیں سُنائی دیتی...... بالکل ٹھنڈے ہوگئے۔

پہلا نابینا۔ ایک لفظ بھی نہ بولے ......
تیسرا نابینا۔ اُنھیں لازم تھا کہ ہمیں جتا دیتے۔
دوسرا نابینا۔ ہائے وہ کتنے بڈھے ہوگئے تھے۔ میں نے اَب کی پہلی بار اُن کا چہرہ چھوا ہے......
تیسرا نابینا۔ (لاش کو ٹٹول کر) ہم لوگوں سے لمبے ہیں!......
دوسرا نابینا۔ اِن کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ ہاتھ باندھے ہوے مرے ہیں۔
پہلا نابینا۔ اُن کے اس طرح مَرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی......
دوسرا نابینا۔ وہ کھڑے نہیں ہیں۔ ایک پتھر پر بیٹھے ہیں......
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ یا خدا !...... مجھے یہ سب نہ معلوم تھا...... نہ معلوم تھا...... وہ اتنے دنوں سے بیمار تھے...... آج اُنھیں بہت تکلیف ہوئی ہوگی...... ہائے ہائے! وہ کبھی شکایت کا ایک حرف زبان پر نہیں لائے...... صرف ہمارے ہاتھوں کو دباکراپنا دردِ دل ظاہر کیا...... انسان ہمیشہ ان باتوں کو نہیں سمجھتا...... کبھی نہیں سمجھتا...... آؤ مل کر اُن کے لیے دعاے خیر کریں۔
(عورتیں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کراہتی ہیں)
پہلا نابینا۔ مجھے جُھکتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے......
دوسرا نابینا۔ کیا معلوم کس چیز پر گھٹنے پڑیں......
تیسرا نابینا۔ کیا وہ بیمار تھے! ہم سے کبھی نہیں بتلایا؟
دوسرا نابینا۔ جاتے وقت وہ کچھ آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔ شاید ہماری نوجوان بہن سے کچھ کہہ رہے تھے؟ کیوں انھوں نے کیا کہا؟
پہلا نابینا۔ وہ جواب نہ دے گی۔
دوسرا نابینا۔ کیا اب تم ہماری باتوں کا جواب نہ دوگی؟ تم کہاں ہو۔ بولو۔
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ تم لوگوں نے اُنھیں بہت پریشان کیا۔ تمھیں نے اِنھیں مارا ہے۔ تم آگے نہیں بڑھتے تھے۔ تم سڑک کے کنارے پتھروں پر بیٹھ کر کھانا چاہتے تھے، تم سارے دن ٹھنھنایا کرتے تھے۔ میں نے اُنھیں آہیں کھینچتے ہوئے سُنا ہے...... آخر وہ مایوس ہوگئے......
پہلا نابینا۔ کیا وہ بیمار تھے؟ تمھیں معلوم تھا؟

سب سے بڑھا نابینا۔ ہمیں کچھ نہیں معلوم تھا۔ ہم نے اُن کی صورت کبھی نہیں دیکھی...... ہم ان پھُوٹی آنکھوں سے کیا دیکھ سکتے ہیں! اُنھوں نے کبھی کسی کا گلہ نہیں کیا......

اب موقع نکل گیا۔ میں نے تین آدمیوں کو مرتے دیکھا...... لیکن اس طرح کوئی نہیں مرا...... اب ہماری باری ہے......

پہلا نابینا۔ میں نے اُنھیں ہرگز نہیں پریشان کیا...... میں نے کبھی کچھ نہیں کہا۔

دوسرا نابینا۔ نہ میں نے ہی۔ ہم بے عذر ان کا حکم مانتے تھے۔

تیسرا نابینا۔ وہ پگلی کے واسطے پانی لانے جارہے تھے۔ وہیں مَر گئے۔

پہلا نابینا۔ اب ہم کیا کریں! کہاں جائیں؟

تیسرا نابینا۔ کتا کہاں گیا؟

پہلا نابینا۔ یہ بیٹھا ہے۔ وہ لاش کے پاس سے ہٹتا ہی نہیں۔

تیسرا نابینا۔ اُسے ہٹادو۔ بھگادو۔ بھگادو۔

پہلا نابینا۔ وہ اِس لاش کو نہیں چھوڑتا۔

دوسرا نابینا۔ ہم ایک مُردہ آدمی کے پاس نہیں بیٹھ سکتے...... ہم اس طرح تاریکی میں نہیں مرنا چاہتے!

تیسرا نابینا۔ آؤ ہم لوگ مل کر بیٹھیں۔ اِدھراُدھر نہ کھسکیں ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑلیں۔ سب اسی پتھر پر بیٹھیں۔ اور لوگ کہاں ہیں؟ یہاں آجاؤ۔ سب یہاں آجاؤ۔

سب سے بڑھا نابینا۔ تم کہاں ہو؟

تیسرا نابینا۔ میں یہاں ہوں۔ ہم سب ایک ساتھ ہیں نہ؟ ذرا اور میرے قریب آجاؤ تم لوگوں کے ہاتھ کہاں ہیں؟ سخت سردی ہے۔

نوجوان اندھی عورت۔ اُوف! تم لوگوں کے ہاتھ کتنے سرد ہیں!

تیسرا نابینا۔ تم کیا کررہی ہو؟

نوجوان اندھی عورت۔ میں آنکھوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری آنکھیں کُھلا ہی چاہتی ہیں۔

پہلا نابینا۔ یہ رو کون رہا ہے۔

سب سے بڑھی اندھی عورت۔وہی پگلی سسک رہی ہے۔

پہلا نابینا۔ اور ابھی تک اُسے حقیقت معلوم ہی نہیں۔
سب سے بڈھا نابینا۔ میرا خیال ہے کہ ہم سب یہیں مریں گے......
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ غالبًا کوئی آئے گا......
سب سے بڈھا نابینا۔ اور کون آنے والا ہے؟......
سب سے بڈھی اندھی عورت ۔یہ نہیں معلوم۔
پہلا نابینا۔ میں سمجھتا ہوں کہ بیراگنیں خانقاہ سے آئیں گی......
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ وہ شام کو باہر نہیں نکلتیں۔
نوجوان اندھی عورت۔ وہ کبھی باہر نہیں نکلتیں۔
دوسرا نابینا۔ میرا خیال ہے بڑی روشنی کے مینار سے لوگ ہمیں دیکھ لیں گے......
سب سے بڈھا نابینا۔ وہ اپنے مینار سے نیچے نہیں آتے۔
تیسرا نابینا۔ ممکن ہے ہمیں دیکھ لیں۔
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ ان کی نگاہ ہمیشہ سمندر کی طرف رہتی ہے۔
تیسرا نابینا۔ بڑی سردی ہے۔
سب سے بڈھا نابینا۔ سُوکھی پتیوں کی طرف لگاؤ۔ میرا خیال ہے کہ برف گر رہی ہے۔
نوجوان اندھی عورت۔ اُف زمین کتنی سخت ہے!
تیسرا نابینا۔ میں اپنے بائیں طرف ایک ایسا شور سُن رہا ہوں جو میری سمجھ میں نہیں آتا......

سب سے بڈھا نابینا۔ سمندر لہروں سے ٹکرا رہا ہے۔
تیسرا نابینا۔ میرا خیال تھا کہ عورتیں رو رہی ہوں گی۔
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ مجھے برف کے لہروں سے ٹوٹنے کی آواز سُنائی دے رہی ہے۔
پہلا نابینا۔ یہ کون اتنی زور سے کانپ رہا ہے؟ اس کے مارے ہم سب ہل رہے ہیں۔
دوسرا نابینا۔ اب میں اپنے ہاتھوں کو نہیں کھول سکتا۔
سب سے بڈھا نابینا۔ مجھے ایک اور غیرمانوس آواز سُنائی دے رہی ہے......
پہلا نابینا۔ یہ ہم میں سے کون اس طرح کانپ رہا ہے؟ پتھر ہلا جاتا ہے!

سب سے بڈھا نابینا۔ شاید کوئی عورت ہے۔
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ وہی پگلی سب سے زیادہ تھر تھرا رہی ہے۔
تیسرا نابینا۔ مجھے لڑکے کی آواز نہیں سُنائی دیتی۔
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ شاید وہ ابھی تک دودھ پی رہا ہے۔
سب سے بڈھا نابینا۔ ایک وہی ہے جو دیکھ سکتا ہے کہ ہم کہاں ہیں۔
پہلا نابینا۔ مجھے شمالی ہوا کی آواز آرہی ہے۔
چھٹواں نابینا۔ میرا خیال ہے کہ ستارے چھپ گئے۔ اب برف گرے گی۔
دوسرا نابینا۔ تب تو ہمارا کام ہی تمام ہوا۔
تیسرا نابینا۔ اگر ہم میں سے کوئی سوجائے تو اُسے فوراً جگا دینا چاہیے۔
سب سے بڈھا نابینا۔ مجھے زور سے نیند آرہی ہے۔
(ایک آندھی پتیوں کو اُڑا دیتی ہے)
نوجوان اندھی عورت۔ تم لوگ سُوکھی پتیوں کی آواز سُن رہے ہو؟ میرا خیال ہے کہ کوئی ہماری طرف آرہا ہے۔
دوسرا نابینا۔ ہوا ہے کان لگا کر سنو!
تیسرا نابینا۔ اب کوئی نہ آئے گا!
سب سے بڈھا نابینا۔ شاید کالی سردی آرہی ہے۔
نوجوان اندھی عورت۔ مجھے کسی آدمی کے دوری پر چلنے کی آواز سنائی دیتی ہے!
پہلا نابینا۔ مجھے صرف سُوکھی پتیوں کی آواز سُنائی دیتی ہے۔
نوجوان اندھی عورت۔ مجھے کسی کے قدموں کی آہٹ مل رہی ہے!
دوسرا نابینا۔ مجھے صرف شمالی ہوا کی آواز سنائی دیتی ہے۔
نوجوان اندھی عورت۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں کوئی ہماری طرف آرہا ہے!
سب سے بڈھی اندھی عورت۔ مجھے بھی کسی کے بہت دھیمی چال کی آواز سُنائی دیتی ہے۔
سب سے بڈھا نابینا۔ میرا خیال ہے کہ عورتیں ٹھیک کہتی ہیں۔
(برف کے ٹکڑے گرنے لگتے ہیں)
پہلا نابینا۔ اُف اُف! یہ میرے ہاتھوں پر اتنی ٹھنڈی کون سی چیز گر رہی ہے؟

چھٹواں نابینا۔ برف ہے۔

پہلا نابینا۔ آؤ اور سمٹ کر بیٹھیں۔

نوجوان اندھی عورت۔ لیکن قدموں کی آواز کی طرف کان لگاؤ۔

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ خدا کے لیے۔ ایک لمحہ چُپ ہو جاؤ۔

نوجوان اندھی عورت۔ قریب ہوتی جاتی ہے۔ ہاں قریب ہوتی جاتی ہے۔ سنو!

(دفعتاً پگلی عورت کا بچہ اندھیرے میں زور سے رونے لگتا ہے)

سب سے بڈھا نابینا۔ بچہ رو رہا ہے۔

نوجوان اندھی عورت۔ وہ دیکھ رہا ہے! تب ہی اتنی زور سے روتا ہے۔

(وہ بچے کو اپنی گود میں لے لیتی ہے اور اُس طرف چلتی ہے جدھر سے قدموں کی آواز آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ دوسری عورتیں متفکر انداز سے اُس کے ساتھ چلتی ہیں اور اُسے گھیر لیتی ہیں) میں اس آواز کی طرف جاتی ہوں۔

سب سے بڈھا نابینا۔ ہوشیار رہنا۔

نوجوان اندھی عورت ۔ اُف! کتنی زور سے روتا ہے۔ کیا ہے! مت رو بیٹے! ڈرو مت! ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم سب تمھارے پاس ہیں۔ تم کیا دیکھ رہے ہو؟ ڈرو مت! اس طرح مت روؤ! تم کیا دیکھتے ہو؟ ہم سے بتلاؤ آخر یہ کیا چیز ہے؟

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ قدموں کی آواز قریب آتی جاتی ہے۔ سنو۔ غور سے سنو!

سب سے بڈھا نابینا۔ مجھے سوکھی پتیوں میں کسی کے کپڑوں کی سرسراہٹ سُنائی دیتی ہے۔

چھٹواں نابینا۔ کیا کوئی عورت ہے!

سب سے بڈھا نابینا۔ صرف قدموں کی آواز ہے۔

پہلا نابینا۔ شاید سمندر سوکھی پتیوں پر بہہ رہا ہے؟

نوجوان اندھی عورت۔ نہیں نہیں۔ قدموں کی آواز ہے۔ قدموں کی آواز ہے!!

سب سے بڈھی اندھی عورت۔ ہمیں ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ سوکھی پتیوں کی طرف کان لگائے رہو۔

نوجوان اندھی عورت۔ سُن رہی ہوں! سُن رہی ہوں، بالکل پاس! سنو۔سنو! بچے تم کیا دیکھ

رہے ہو؟ تم کیا دیکھ رہے ہو؟

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ وہ کس طرف تاک رہا ہے!

نوجوان اندھی عورت۔ وہ قدموں کی آواز کی طرف مُنہ کیے ہوئے ہے، دیکھو دیکھو۔ جب میں اُس کا مُنہ پھیر دیتی ہوں وہ پھر اُسی طرف تاکنے لگتا ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے۔ ہاں دیکھ رہا ہے! وہ کوئی عجیب و غریب چیز دیکھ رہا ہے۔

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ (آگے بڑھ کر) اُسے ہم سے اوپر اُٹھا دو تاکہ خوب دیکھ سکے۔

نوجوان اندھی عورت۔ ہٹ جاؤ (وہ بچے کو اندھوں کی جماعت سے اوپر اُٹھاتی ہے) قدموں کی آواز بالکل ہمارے سامنے آکر رُک رگئی ہے ......!

سب سے بڑھا نابینا۔ ہاں وہ بالکل ہمارے سامنے آگئی۔ ٹھیک سامنے۔

نوجوان اندھی عورت۔ تم کون ہو؟

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ ہمارے اوپر رحم کرو! (خموش)

(سناٹا ہے، بچہ گلا پھاڑ پھاڑکر رونے لگتا ہے)

کربلا

پہلا ایکٹ

پہلا سین

(رات کے نو بجے ہیں۔ یزید، ضحاک، شمس اور کئی اہل دربار بیٹھے ہوئے ہیں۔ شراب کی صراحی اور پیالہ رکھا ہوا ہے)

یزید۔ شہر میں میری خلافت کی منادی کردی گئی؟

ضحاک ۔ کوئی گلی، کوچہ، ناکہ، سڑک، مسجد، بازار اور خانقاہ ایسی نہیں ہے، جہاں اس منادی کی آواز نہ پہنچی ہو۔ یہ آواز فضائے ہوا کو طے کرتی ہوئی تمام حجاز، یمن، عراق، مکہ اور مدینہ میں پہنچ گئی ہے اور اِسے سُن کر دُشمنوں کے دِل ہِل گئے ہیں۔

یزید۔ نقارچی کو خلعت دیا جائے۔

ضحاک ۔ بہت خوب امیر!

یزید۔ میری بیعت لینے کے لیے سب کو حکم دے دِیا گیا؟

ضحاک ۔ امیر کے حکم دینے کی ضرورت نہ تھی۔ کل قبلِ طلوعِ آفتاب تمام شام بیعت کے لیے حاضر ہوجائے گا۔

یزید۔ (شراب کا پیالہ پی کر) نبیؑ نے شراب کو حرام کہا۔ یہ اس آبِ حیات کے ساتھ کتنا بڑا ظلم ہے۔ یہ اس وقت کے لیے بلا شبہ مناسب تھا۔ کیونکہ اُن دنوں کسی کو اِس نعمت سے بہرور ہونے کا موقع ہی نہ تھا لیکن اب وہ حالت نہیں ہے۔ تخت پر بیٹھنے والے خلیفہ کے لیے ایسی نعمت کو حرام کردینے سے تو یہی اچھا ہے کہ وہ خلیفہ ہی نہ رہے۔ کیوں ضحاک کوئی قاصد مدینہ بھیجا گیا؟

ضحاک ۔ امیر کے حکم کا انتظار تھا۔

یزید۔ ضحاک، قسم خدا کی میں اِس تساہلی کو کبھی معاف نہیں کرسکتا۔ فوراً قاصد بھیجو اور

ولید کو سخت تاکید لکھو کہ وہ حسینؑ سے میرے نام پر بیعت لے۔ اگر وہ انکار کریں تو انھیں قتل کر دے۔ اس میں ذرا بھی توقف نہ ہونا چاہیے

ضحاک۔ یا مولا۔ میں تو یہی عرض کروں گا کہ اگر حسینؑ بیعت قبول بھی کرلیں تو بھی اُن کا زندہ رہنا خاندانِ ابوسفیان کے لیے ہمیشہ مُضر ہی ثابت ہوگا۔ حسینؑ ایک نہ ایک روز ضرور دغا کریں گے۔

یزید۔ ضحاک کیا تم خیال کرتے ہو کہ حسینؑ میری بیعت قبول کرلیں گے۔ یہ محال ہے۔ حسینؑ کبھی میری بیعت نہ کریں گے۔ چاہے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا دیئے جائیں اور نعش کو گھوڑوں سے پامال کیا جائے۔ اگر تقدیر پلٹ سکتی ہے، دریا کی روانی تھم سکتی ہے، زمانے کی رفتار رُک سکتی ہے تو حسینؑ بھی میری بیعت کرسکتے ہیں۔ لیکن بیعت کرنے کے بعد پھر چاہے تقدیر پلٹ جائے، دریا کی روانی تھم جائے، زمانے کی رفتار رُک جائے، مگر حسینؑ دغا نہیں کرسکتے۔ اُن سے بیعت لینے کا مطلب ہی یہ ہے، کہ اُنھیں اِس دُنیا سے رُخصت کر دیا جائے۔ حسینؑ ہی میرے دُشمن ہیں۔ مجھے اور کسی کا خوف نہیں ہے۔ میں تمام دُنیا کی فوجوں سے نہیں ڈرتا۔ میں ڈرتا ہوں تو اِسی نہتّے حسینؑ سے (پیالہ بھرکر پی جاتا ہے)۔ حسینؑ نے میرا خواب و خور حرام کر رکھا ہے۔ ابوسفیان کی اولاد بنی ہاشم کے سامنے سر نہ جھُکائے گی۔ خلافت کو اُن کے ہاتھ میں پھر نہ جانے دے گی۔ انھوں نے ادنٰی و اعلٰی کی تمیز اُٹھا دی۔ ہر ایک فاقہ کش سمجھتا ہے کہ میں مسندِ خلافت کے لائق ہوں اور امیروں کے دسترخوان پر کھانے کا مجھ کو حق ہے۔ میرے والد مرحوم نے اِس خلش کو بہت کچھ مٹایا۔ آج شان و شوکت میں دُنیا کے کِسی تاجدار سے شرمندہ نہیں ہوسکتا۔ جُوتا ٹانکنے والے اور سُوکھی روٹی کھاکر خدا کا شکر ادا کرنے والے خلیفوں کے دن گئے۔

ضحاک۔ خدا نہ کرے کہ وہ دن پھر آئیں۔

عبدالشّمس۔ اِن ہاشمیوں سے ہمیں عثمان کے خُون کا بدلہ لینا ہے۔

یزید۔ خزانہ کھول دو، اور رعایا کے دِلوں کو اپنی مٹھی میں کرلو۔ روپیہ خدا کے خوف کو دِل سے دُور کر دیتا ہے۔ تمام شہر کی دعوت کرو۔ اگر خزانہ خالی ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر ہر ایک سپاہی کو نہال کر دو۔ لیکن اگر ان رعایتوں کے باوجود تم سے کوئی منحرف ہو تو اُسے قتل کرڈالو۔ مجھے اس وقت زر کی طاقت سے مذہب، اعتقاد،

وفاداری پر فتح حاصل کرنی ہے۔

(ہندہ آتی ہے)

یزید۔ ہندہ تم نے اس وقت کیسے تکلیف کی؟

ہندہ۔ یا اُمیر میں آپ کی خدمت میں صرف اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ آپ کو اِس ارادہ سے باز رکھوں۔ آپ کو امیر معاویہؓ کی قسم، اپنے دین و ایمان کو اور اپنی نجات کو یوں خراب نہ کیجیے۔ جس نبیؐ سے آپ نے اسلام کی روشنی پائی، جس کی ذات سے آپ کو رُتبہ ملا، جس نے آپ کی رُوحانیت کو اپنے پند و نصائح سے بیدار کیا، جس نے آپ کو جہالت کے تاریک گڑھے سے نِکال کر آفتاب کے پہلو میں بٹھایا، اُس خدا کے بھیجے ہوئے بزرگ کے نواسے کا خون بہانے کے لیے آپ آمادہ ہیں؟

یزید۔ ہندہ خاموش رہ؟

ہندہ۔ کیسے خاموش رہوں۔ آپ کی اپنی آنکھوں سے جہنم کی غار میں گرتے دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتی۔ آپ کو معلوم نہیں کہ روحِ رسولؐ بہشت میں بیٹھی ہوئی آپ کی اِس نا اِنصافی کو دیکھ کر آپ کے اُوپر کتنی لعنت کرتی ہوگی۔ آپ قیامت کے دن اپنا مُنھ اُنھیں نہ دِکھاسکیں گے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ اپنی نجات کا دروازہ بند کر رہے ہیں!

یزید۔ ہندہ، یہ مذہب کی باتیں مذہب کے لیے ہیں، دُنیا کے لیے نہیں ہیں۔ میرے دادا نے اسلام اِس لیے قبول کیا تھا کہ انھیں اس سے دولت و عزت نصیب ہو۔ نجات کے لیے وہ اسلام پر ایمان نہیں لائے تھے، اور نہ آج میں اسلام کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

ہندہ۔ امیر، خدا کے واسطے ایسے مکروہ الفاظ منھ سے نہ نکالیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسلام نے عرب کی لامذہبیت کو کتنی آسانی سے دور کردیا، صرف ایک ذاتِ واحد نے کُفر کا نشان تک مٹا دیا۔ کیا خدا کی مرضی کے بغیر یہ امر ممکن تھا؟ کبھی نہیں، آپ کو معلوم ہے کہ رسولؐ حسینؑ کو کتنا پیار کرتے تھے؟ حسینؑ کو کندھوں پر بٹھاتے تھے اور اپنی زلفوں کو ان کے دستِ نازک کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ جس پیشانی کو آپ اپنے پیروں پر جھکانا چاہتے ہیں، وہ رسولؐ کی بوسہ گاہ تھی۔ حسینؑ سے دشمنی کرکے

آپ اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہیں، خلافت اُس کی ہے۔ جسے اکابرِ قوم قبول کریں۔ یہ کسی کی میراث نہیں ہے۔ آپ خود مدینہ جائیے اور دیکھیے قوم کس پر خلافت کا بار رکھتی ہے۔ اُس کے ہاتھ پر بیعت کیجیے۔ اگر قوم آپ کو اس رُتبہ پر بٹھا دے تو مدینہ میں رہ کر شوق سے اسلام کی خدمت کیجیے۔ مگر خدا کے واسطے یہ ہنگامہ برپا نہ کیجیے۔

(جاتی ہے)

یزید۔ سرجون رُومی کو بُلاؤ۔

(سرجون آکر آداب بجا لاتا ہے)

یزید۔ جس وفاداری کے ساتھ آپ نے والد مرحوم کی خدمت کی ہے، اس کے لیے میں آپ کا شکرگذار ہوں۔ مگر اس وقت مجھے آپ کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ بصرہ کی صوبہ داری کے لیے آپ کسے تجویز کرتے ہیں؟

رُومی۔ خدا امیر کو سلامت رکھے۔ میرے خیال میں عبداللہ بن زِیاد سے زیادہ لائق آدمی آپ کو مشکل سے ملے گا۔ زیاؔد نے امیر معاویہ کی جو خدمت کی، اُس کی یاد تازہ رہے گی۔ عبد اللہ اُسی باپ کا بیٹا ہے۔ اِس خاندان کا وہ اِتنا ہی سچّا غلام ہے۔ اُس کے پاس فوراً قاصد بھیج دیجیے۔

یزید۔ مجھے زیاؔد کے بیٹے سے شکایت ہے کہ اُس نے بصرے والوں کی مجھے اِطلاع نہیں دی۔ مجھے خوف ہے کہ بصرے والے مجھ سے بغاوت کرجائیں گے۔

رُومی۔ زیاؔد پر آپ کا شک بیجا ہے۔ آپ کے مددگار آپ کے پاس خودبخود نہ آئیں گے۔ وہ تلاش کرنے سے منّت و سماجت کرنے سے آئیں گے۔ آپ ہی آپ وہ لوگ آئیں گے، جو آپ کی ذات سے خود فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں۔ اِس منصب کے لیے زیاؔد سے بہتر آدمی آپ کو نہ ملے گا۔

یزید۔ سوچوں گا۔ (شراب کا پیالہ اُٹھاکر پیتا ہوا) ضحاک کوئی نغمۂ دل نواز سُناؤ۔ جس کا مزہ اس فکر کو مٹا دے۔ جو اس وقت میرے دل و جگر پر سنگِ گراں کی طرح بار ہو رہی ہے۔

ضحاک۔ جیسا ارشاد (دف بجا کر گاتا ہے)۔

(پردہ گرتا ہے)

دُوسرا سین

(رات کا وقت ہے۔ مدینہ کا گورنر ولید اپنے دربار میں بیٹھا ہوا ہے)

ولید۔ (خودبخود) مروان کتنا خودغرض آدمی ہے۔ میرا ماتحت ہوکر بھی مجھ پر رُعب جماتا ہے۔ اُس کی مرضی پر چلتا تو آج سارا مدینہ میرا دُشمن ہوجاتا۔ اُس نے رسولؐ کے خاندان سے ہمیشہ دشمنی کی ہے۔

(قاصد آتا ہے)

قاصد۔ یا امیر یہ خلیفہ یزید کا خط ہے۔

ولید۔ (گھبراکر) خلیفہ یزید! امیر معاویہ کو کیا ہوا؟

قاصد۔ آپ کو پوری کیفیت اس خط سے معلوم ہوگی۔

(خط ولید کے ہاتھ میں دیتا ہے)

ولید۔ (خط پڑھ کر) امیر معاویہ کی رُوح کو خدا جنت نصیب کرے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یزید کیوں کر خلیفہ ہوگیا۔ امنا قوم کی کوئی مجلس نہیں ہوئی۔ اور کسی نے اُن کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ مدینہ میں یہ خبر پھیلے گی، تو غضب ہو جائے گا۔ حسینؑ یزید کو کبھی خلیفہ نہ مانیں گے۔

قاصد۔ (دوسرا خط دے کر) حضور اِسے بھی دیکھ لیں۔ (ولید خط کھول کر پڑھتا ہے) "حاکم مدینہ کو تاکید کی جاتی ہے کہ اِس خط کو دیکھتے ہی حسین (علیہ السلام) سے میرے نام پر بیعت لے۔ انکار کرنے پر انھیں قتل کرکے اُن کا سر میرے پاس بھیج دے۔

(ولید آہِ سرد بھرکر سر جھکا لیتا ہے)

قاصد۔ مجھے کیا حکم ہوتا ہے؟

ولید۔ تم جاکر باہر ٹھہرو (دل میں) خدا وہ دن نہ لائے کہ مجھے رسولؐ کے نواسہ کے ساتھ یہ نفرت انگیز عمل کرنا پڑے۔ ولید اِتنا لامذہب نہیں ہے۔ خدا و رسولؐ کو اتنا نہیں بھولا ہے۔ یا خدا اِس سے پہلے کہ میری تلوار حسینؑ کی گردن پر چلے میرے ہاتھ ہی ٹوٹ جائیں۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ امیر معاویہ کی موت اِتنی نزدیک ہے اور اُن

کی آنکھیں بند ہوتے ہی مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا، تو پہلے ہی سے استعفا دے کر چلا جاتا۔ مروان کی صُورت دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ مگر اس وقت اُس کی مرضی کے خلاف کام کرنا اپنی موت کو بُلانا ہے۔ وہ ذرا ذرا سی خبریں یزید کے پاس بھیجے گا۔ اس کے سامنے میری کچھ بھی ساعت نہ ہوگی۔ ایسا افسر جو ماتحتوں سے ڈرے، ماتحت سے بھی بدتر ہے۔ جس وزیر کا غلام بادشاہ کا معتمد ہو اُس کے لیے مسندِ وزارت پر بیٹھنے کی بہ نسبت جنگل میں اُونٹ چرانا ہزار درجہ بہتر ہے۔

(غلام کو بُلاتا ہے)

غلام۔ امیر کیا حکم فرماتے ہیں؟

ولید۔ جاکر مروان کو بُلا لا۔

غلام۔ جو حکم۔ (جاتا ہے)

ولید۔ (دِل میں) حسینؑ کیسے نیک آدمی ہیں۔ اُن کی زبان سے کبھی کسی کی بُرائی نہیں سُنی۔ اُنھوں نے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ اُن سے میں کیوں کر یزید فاسق کی بیعت لے سکوں گا۔

(مروان آتا ہے)

مروان۔ اتنی رات گئے مجھے آپ نہ بلایا کریں۔ میری جان اتنی ارزاں نہیں ہے کہ میں باغیوں کو چھپ کر حملہ کرنے کا موقع دُوں۔

ولید۔ تمھارا برتاؤ ہی کیوں ایسا ہو کہ تمھارے اُوپر کسی قاتل کی تلوار اُٹھے ابھی ابھی قاصد معاویہ کی موت کی خبر لایا ہے۔ اور یزید کا ایک خط بھی آیا ہے۔ مجھے تم سے اُس کی بابت مشورہ کرنا ہے۔

(مروان کو خط دیتا ہے)

مروان۔ (خط پڑھ کر) آہ! معاویہ یہ تم نے بے وقت وفات پائی تمھارا نام تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ تمھارے طرزِ عمل کو یاد کرکے لوگ بہت دن تک روئیں گے۔ یزید نے خلافت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہ بہت مناسب ہوا۔ میرے خیال میں حسینؑ کو اِسی وقت بُلانا چاہیے۔

ولید۔ تمھارے خیال میں حسینؑ بیعت کرلیں گے؟

مروان۔ غیر ممکن۔ اُن سے بیعت لینا اُنھیں قتل کرنے کو کہنا ہے۔ مگر ابھی معاویہ کے مرنے کی خبر مشہور نہ ہونی چاہیے۔

ولید۔ اِس معاملہ پر غور کرو۔

مروان۔ غور کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کی جگہ ہوتا تو بیعت کا ذکر ہی نہ کرتا۔ فوراً قتل کرڈالتا۔ حسین (علیہ السلام) کے زندہ رہتے ہوئے یزید کو کبھی اطمینان نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ امیر معاویہ کے مرنے کی خبر پھیل گئی، تو ہماری جان سلامت نہ رہے گی، نہ آپ کی ،حسینؓ سے آپ کا کتنا ہی دوستانہ ہو لیکن حسینؓ آپ کے جانی دُشمن ہوجائیں گے۔

ولید۔ تمھیں اُمید ہے کہ وہ اس وقت یہاں چلے آئیں گے؟ اُنھیں شبہ ہوجائے گا۔

مروان۔ اگر حسینؓ کو آپ کے اُوپر بھروسہ ہے تو وہ اس وقت بھی چلے آئیں گے۔ مگر آپ کی تلوار تیز اور خون گرم رہنا چاہیے۔ یہی کارگزاری کا موقع ہے۔ اگر ہم لوگوں نے اِس موقع پر یزید کی مدد کی تو کوئی شک نہیں کہ ہمارے اقبال کا ستارہ روشن ہوجائے گا۔

ولید۔ مروان میں یزید کا غلام نہیں، خلیفہ کا نوکر ہوں اور خلیفہ وہی ہے جسے قوم چُن کر مسندِ خلافت پر بٹھا دے۔ میں اپنے دین و ایمان کا خون کرنے سے یہ کہیں بہتر سمجھتا ہوں کہ قرآنِ پاک کی کتابت سے زندگی بسر کروں۔

مروان۔ یا امیر میں آپ کو یزید کے غصہ سے ہوشیار کیے دیتا ہوں۔ میری اور آپ کی بھلائی اِسی میں ہے کہ یزید کا حکم بجا لائیں۔ ہمارا کام اُن کی اطاعت کرنا ہے۔ آپ تذبذب میں نہ پڑیں۔ اِسی وقت حسینؓ کو بُلا بھیجیں۔

(غلام کو پُکارتا ہے)

غلام۔ یا امیر کیا حکم ہے۔

مروان۔ جاکر حسینؓ ابن علیؓ کو بُلا لا۔ دوڑتے جائیو۔ کہیو کہ امیر آپ کے اِنتظار میں بیٹھے ہیں۔

(غلام چلا جاتا ہے)

تیسرا سین

(رات کا وقت حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؓ مسجد میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔ ایک چراغ جل رہا ہے۔)

حسینؑ۔ میں جب خیال کرتا ہوں کہ نانا مرحوم نے تنہا ایسے ایسے سرکش بادشاہوں کو پست کر دیا اور خدا کی وحدانیت دُنیا سے منوالی، تو مجھے یقین ہوجاتا ہے کہ اُن پر خدا کا سایہ تھا۔ بے شک اِمدادِ غیبی اُن کے ساتھ تھی۔ خدا کی مدد بغیر کوئی اِنسان یہ کام نہیں کرسکتا۔ سکندر کی بادشاہت تھوڑے دنوں تک قائم رہی۔ اُن پر خدا کا سایہ نہ تھا۔ وہ اپنی ہَوس کی دُھن میں قوموں کو فتح کرتے تھے۔ نانا نے توحید کا نعرہ بلند کیا تو اُسی سے دُنیا گونج اُٹھی، اور ہر طرف سے صدائے بازگشت کی طرح اَشھد اَن لا الہ الا اللہ کی صدا سُنائی دینے لگی۔

عباسؓ۔ اِس میں کِس کو شک ہوسکتا ہے کہ وہ پیغمبرِ خدا تھے۔ خدا کی پناہ! جس وقت حضرتؐ نے اسلام کی صدا بلند کی تھی، اِس مُلک میں جہالت کی کتنی سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ خدا ہی کی آواز تھی۔ جو آپ کے دل سے بلند ہوتی تھی۔ جو کانوں میں پڑتے ہی دِلوں میں اُتر جاتی تھی۔ دُوسرے مذہب والے کہتے ہیں کہ اسلام نے تلوار کے زور سے اپنا سِکہّ جمایا۔ کاش انھوں نے حضرتؐ کی آواز سُنی ہوتی! میرا دعویٰ ہے کہ قرآن پاک میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس کا منشا تلوار سے اِسلام پھیلانا ہو۔

حسینؑ۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ ابھی سے قوم نے اُن کی نصیحتوں کو فراموش کرنا شروع کردیا اور وہ ناپاک وجود جو حضورؐ کی مسند پر بیٹھا ہوا ہے، آج کھلے بندوں شراب پیتا ہے۔

(غلام آتا ہے)

غلام۔ آلِ نبی پر خدا کی رحمت ہو۔ امیر نے آپ کو کسی ضروری کام کے لیے بُلایا ہے۔

عباسؓ۔ یہ وقت ولید کے دربار کا نہیں ہے۔

غلام۔ حضور کوئی خاص کام ہے۔
حسینؑ۔ تو جا ہم گھر جاتے وقت اُدھر سے ہوتے جائیں گے۔

(غلام چلا جاتا ہے)

عباسؓ۔ بھائی جان؟ مجھے تو اس بے وقت کی طلبی سے کچھ اندیشہ ہورہا ہے۔ یہ وقت دربار کا نہیں۔ مجھے دال میں کچھ کالا سا نظر آتا ہے۔ کیا آپ کچھ قیاس فرما سکتے ہیں کہ کِس لیے بلایا ہے؟
حسینؑ۔ میرا دل تو گواہی دیتا ہے کہ معاویہ نے وفات پائی۔
عباسؓ۔ تو ولید نے آپ کو اِس لیے بُلایا ہوگا کہ آپ سے یزید کی بیعت لے۔
حسینؑ۔ میں یزید کی بیعت کیوں کر کرنے لگا۔ معاویہ نے بھائی امام حسنؑ سے شرط کی تھی کہ وہ اپنے مرنے کے بعد اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ نہ بنائے گا۔ امام حسنؑ کے بعد خلافت پر میرا حق ہے۔ اگر معاویہ مرگیا ہے اور یزید کو خلیفہ بنایا گیا ہے تو اُس نے میرے ساتھ اور اسلام کے ساتھ دغا کی ہے۔ یزید شرابی ہے، بدکار ہے، جھوٹا اور لامذہب ہے، کتوں کو گود لے کر بیٹھتا ہے۔ مجھے جان سے ہاتھ دھونا پڑے لیکن میں اس کی بیعت نہ کروں گا۔
عباسؓ۔ معاملہ نازک ہے۔ یزید کی ذات سے کوئی بات بعید نہیں۔ کاش ہمیں معاویہ کی بیماری اور موت کی خبر پہلے ہی مِل گئی ہوتی۔

(غلام پھر آتا ہے)

غلام۔ حضور تشریف نہیں لائے۔ امیر آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔
حسینؑ۔ تُف ہے تجھ پر، تو وہاں گیا بھی کہ راستہ ہی سے لوٹ آیا؟ چل میں ابھی آتا ہوں۔ آپ پھر نہ آنا۔
غلام۔ حضور! امیر سے جب میں نے جاکر کہا کہ وہ ابھی آتے ہیں تو وہ چُپ ہوگئے، مگر مروان نے کہا کہ وہ کبھی نہ آئیں گے۔ آپ سے دغا کریں گے۔ اِس پر امیر اُن سے بہت ناراض ہوئے اور کہا۔ حسینؑ صادق القول ہیں جو کہتے ہیں اُسے پورا کرتے ہیں۔
حسینؑ۔ ولید نہایت شریف آدمی ہے۔ تم جاؤ۔ ہم ابھی آتے ہیں۔

(غلام چلا جاتا ہے)

عباسؑ۔ آپ جائیں گے؟
حسینؑ۔ جب تک کوئی سبب نہ ہو کسی کی نیّت پر شک کرنا مناسب نہیں۔
عباسؑ۔ بھیا۔ میری جان آپ پر فدا ہو، مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ آپ کو قید نہ کرے۔
حسینؑ۔ ولید پر مجھے اعتبار ہے۔ ابوسفیان کی اولاد ہونے پر بھی وہ شریف اور نیک خیال ہے۔
عباسؑ۔ آپ اس پر اعتبار کریں مگر میں تو آپ کو وہاں جانے کی ہرگز صلاح نہ دوں گا۔ اِس سناٹے میں اگر اس نے کوئی دغا کی تو کوئی فریاد سُننے والا بھی نہ ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے کہ مروان کتنا دغا باز اور حرام کار ہے۔ میں اُس کے سایہ سے بھی دُور رہتا ہوں۔ جب تک آپ مجھے یہ اطمینان نہ دِلا دیجیے گا کہ دشمن آپ کا بال تک بیکا نہ کرسکیں گے۔ میں آپ کا دامن نہ چھوڑوں گا۔
حسینؑ۔ عباسؑ میری طرف سے بے فکر رہو۔ مجھے حق پر اتنا یقین ہے اور حق کی اتنی طاقت مجھ میں ہے کہ مروان اور ولید تو کیا، یزید کی ساری فوج بھی مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچاسکتی۔ مجھے یقین ہے کہ میری ایک آواز پر ہزاروں بندگان خدا و جانثارانِ رسولؐ دوڑ پڑیں گے اور اگر کوئی میری آواز بھی نہ سُنے تو بھی میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے، کہ میں تنِ تنہا ان میں سے سینکڑوں کو زمین پر سُلا سکتا ہوں۔ حیدرؑ کا شیر ایسے گیدڑوں سے نہیں ڈرتا۔ آؤ ذرا نانا کی قبر کی زیارت کرلیں۔ (دونوں حضرت رسولؐ خدا کی قبر کے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ہاتھ اُٹھاکر دُعا پڑھتے ہیں اور مسجد سے نکل کر گھر کی طرف چلتے ہیں)۔

چوتھا سین

(ولید کا دربار۔ ولید اور مروان بیٹھے ہوئے ہیں۔ رات کا وقت ہے)

مروان۔ دیکھیے اب تک نہیں آئے۔ میں نے آپ سے کہا تھا وہ ہرگز نہ آئیں گے۔

ولید۔ آئیں گے اور ضرور آئیں گے۔ مجھے اُن کے قول پر پورا اعتماد ہے۔

مروان۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ انھیں امیر کی وفات کی خبر ہوگئی ہو اور وہ اپنے ساتھیوں کو جمع کرکے ہم سے جنگ کرنے آرہے ہیں۔

(حسینؑ آتے ہیں ولید تعظیماً کھڑا ہوجاتا ہے اور دروازے پر آکر مصافحہ کرتا ہے۔ مروان اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے)

حسینؑ۔ خدا کی تم پر رحمت ہو (مروان کو بیٹھے دیکھ کر) اتحاد عناد سے اور محبت عداوت سے بہتر ہے۔ امیر نے مجھے کیوں یاد کیا ہے۔

ولید۔ اِس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ کو یہ سُن کر افسوس ہوگا کہ امیر معاویہ نے وفات پائی۔

مروان۔ اور خلیفہ یزید نے حکم دیا ہے کہ آپ سے ان کے نام کی بیعت لی جائے۔

حسینؑ۔ یہ مناسب نہیں کہ مجھ جیسا آدمی پوشیدہ بیعت کرلے۔ یہ نہ میرے لیے مناسب ہے اور نہ یزید کے شایانِ شان۔ بہتر ہے کہ ایک جلسۂ عام منعقد ہو، اور شہر کے رؤسا و علماء کو بُلاکر یزید کی بیعت کا سوال پیش کیا جائے۔ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ رہوں گا۔ اور اس وقت سب سے پہلے میں ہی جواب دُوں گا۔

ولید۔ مجھے آپ کی یہ صلاح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ بیشک آپ کے بیعت کرنے سے وہ نتیجہ نہ نکلے گا جو یزید کا منشا ہے۔ کوئی کہے گا آپ نے بیعت کی اور کوئی کہے گا، نہیں کی۔ اس کی تصدیق کرنے میں بہت وقت صرف ہوگا۔ اِس سے یہی بہتر ہے کہ جلسۂ عام طلب کرلیا جائے۔

مروان۔ امیر، میں آپ کو خبردار کیے دیتا ہوں کہ اِن باتوں میں نہ آیئے۔ بغیر بیعت لیے اِن کو یہاں سے جانے نہ دیجیے۔ ورنہ آپ اِن سے اُس وقت تک بیعت نہ لے

سکیں گے، جب تک خون کی ندیاں نہ بہہ جائیں۔ یہ چنگاری کی طرح اُڑکر ساری
خلافت میں آگ لگا دیں گے۔
ولید۔ مروان خدا کے واسطے چپ رہو۔
مروان۔ حسینؑ میں خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں آپ کا دُشمن نہیں ہوں۔ میری
دوستانہ صلاح یہ ہے کہ آپ یزید کی بیعت منظور کرلیجیے تاکہ آپ کو کوئی نقصان نہ
پہنچے۔ آپس کا فساد مِٹ جائے اور خدا کے ہزاروں بندوں کی جانیں بچ جائیں۔ خلیفہ
آپ کی بیعت کی خبر سُن کر بہت خوش ہوں گے اور آپ کے ساتھ ایسے سُلوک
کریں گے کہ خلافت میں کوئی آدمی آپ کی ہمسری نہ کرسکے گا۔ میں آپ کو یقین
دلاتا ہوں کہ آپ کی جاگیر اور وظیفے دوچند کرا دوں گا۔ اور آپ مدینے میں عزّت و
احترام سے رسولؐ کے قدموں سے لگے دین و دُنیا میں سرخ رُو رہ کر زندگی
بسر کرسکیں گے۔
حسینؑ۔ بس خاموش رہو مروان! میں تمھاری دوستانہ صلاح سُننے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ تم
نے کبھی اپنی دوستی کا ثبوت نہیں دیا اور اگر اس موقع پر میں تمھاری صلاح کو
دوستانہ سمجھوں، تو میرا دل اور میرا خدا مجھ سے ناخوش ہوگا۔ کیا آج اِسلام اِتنا
کمزور ہوگیا ہے، کہ رسولؐ کا نواسہ یزید کی بیعت کرنے کے لیے مجبور کیا جائے؟
مروان۔ اُن کی بیعت سے آپ کو کیوں اعتراض ہے۔
حسینؑ۔ اِس لیے کہ وہ شرابی، جھوٹا، دغاباز، حرام کار اور ظالم ہے۔ وہ علماء مشائخ کی توہین
کرتا ہے۔ جہاں جاتا ہے، وہاں ایک گدھے پر ایک بندر کو عالموں کا کپڑا پہناکر
ساتھ لے جاتا ہے۔ میں ایسے آدمی کی بیعت اختیار نہیں کرسکتا۔
مروان۔ یا امیر، آپ ان سے بیعت لیں گے یا نہیں؟
حُسینؑ۔ میری بیعت کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔
مروان۔ قسم خدا کی آپ بیعت قبول کیے بغیر نہیں جاسکتے۔ میں آپ کو یہیں قتل
کرڈالوں گا۔

(تلوار کھینچ کر بڑھتا ہے)

حسینؑ۔ (ڈپٹ کر) ظالم! تو اور مجھے قتل کرے گا! تجھ میں اِتنی ہمت نہیں ہے۔ دُور رہ، ایک

قدم بھی آگے رکھا تو تیرا ناپاک سر زمین پر ہوگا۔

(حضرت عباسؑ تیس مسلح آدمیوں کے ساتھ تلوار کھینچے ہوئے گھس آتے ہیں)

عباسؑ۔ (مروان کی طرف جھپٹ کر) ملعون تیرے لیے دوزخ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

حسینؑ۔ (مروان کے سامنے کھڑے ہوکر) عباسؑ تلوار نیام میں رکھو۔ میری لڑائی مروان سے نہیں ہے۔ یزید سے ہے۔ مجھے اعتراض نہیں اگر یہ اپنے آقا کا وفادار خادم ہے۔

عباسؑ۔ اِس ملعون کی اِتنی ہمت کہ آپ کے جسم مبارک پر ہاتھ اُٹھائے۔ کیا اپنی ناپاک اصل کو بھول گیا!

حسینؑ۔ بھیا! غصہ نہ ہو ہم کبھی ابتدا نہیں کرتے۔

ولید۔ (حسینؑ سے) میں سخت نادم ہوں کہ میرے سامنے آپ کی یہ توہین ہوئی۔ خدا اُس کا عذاب مجھے دے۔

حسینؑ۔ ولید میری تقدیر میں ابھی بڑی بڑی سختیاں جھیلنی لکھی ہیں۔ یہ اُس معرکہ کی تمہید ہے، جو پیش آنے والا ہے۔ ہم اور تم شاید پھر نہ ملیں۔ اِس لیے رخصت میں تمھاری مروّت و اخلاق کو کبھی نہ بھولوں گا۔ تم سے میری صرف یہ التجا ہے کہ میرے یہاں سے جانے میں معترض نہ ہونا۔

(دونوں گلے مِل کر رُخصت ہوتے ہیں۔ عباسؑ اور تینوں آدمی باہر چلے جاتے ہیں)

مروان۔ ولید تمھاری بدولت مجھے یہ ذلّت ہوئی۔

ولید۔ تم ناشکرے ہو۔ میری بدولت تمھاری جان بچ گئی۔ ورنہ تمھاری لاش فرش پر تڑپتی نظر آتی۔

مروان۔ تم نے یزید کی خلافت یزید سے چھین کر حسینؑ کو دے دی۔ تم نے ابوسفیان کی اولاد ہوکر اُسی خاندان سے دُشمنی کی تم خدا کی درگاہ میں اس قتل و خونریزی کے ذمّہ دار ہوگے۔ جو آج کی غفلت کی وجہ سے ہوئی۔

(مروان چلا جاتا ہے)

پانچواں سین

(آدھی رات کا وقت ہے۔ حسینؑ اور عباسؓ مسجد کے صحن میں بیٹھے ہیں۔)

عباسؓ۔ بڑی خیریت ہوئی ورنہ ملعون نے دشمنوں کا کام ہی تمام کردیا تھا۔

حسینؑ۔ تم لوگوں کی دُور اندیشی بڑے موقع پر کام آئی۔ مجھے گمان نہ تھا کہ یہ سب میرے ساتھ اِتنی دغا کریں گے۔ مگر یہ جو کچھ ہوا آگے چل کر اس سے بھی زیادہ ہوگا۔ مجھے ایسا معلوم ہورہا ہے کہ ہمیں اَب چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوگا۔ میرا ابھی وہی حال ہونے والا ہے جو بھائی امام حسنؓ کا ہوا۔

عباسؓ۔ خدا نہ کرے! خدا نہ کرے!!

حسینؑ۔ اَب مدینہ میں ہم لوگوں کا رہنا کانٹوں کے بستر پر سونا ہے۔ بھیا شاید نبیؐ کی اولاد شہید ہونے ہی کے لیے دنیا میں آتی ہے۔ شاید نبیوں سے بھی آنے والے واقعات کا انسداد نہیں ہوتا، نہیں تو کیا نانا کی مسند پر وہ لوگ بیٹھتے جو اسلام کے دُشمن ہیں اور جنھوں نے صرف اپنی خودغرضی کے لیے نام و نہاد کو اسلام اختیار کیا ہے۔ دیکھو میں رسولؐ ہی سے پوچھتا ہوں کہ وہ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ مدینہ میں رہوں یا کہیں اور چلا جاؤں؟ (حضرت محمدؐ رسول اللہ کی قبر پر جاکر) اے خدا یہ تیرے رسول محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے اور میں ان کا نواسہ ہوں۔ تو میرے دل کا حال جانتا ہے۔ میں نے ہمیشہ تیری اور تیرے رسولؐ کی مرضی پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ مجھ پر رحم کر اور اس پاک نبیؐ کے وسیلہ و رشتہ سے جو اِس قبر میں محوِ خواب ہیں، مجھے ہدایت کر کہ اس وقت میں کیا کروں۔

(روتے ہیں اور قبر پر سر رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں پھر چونک کر اُٹھ بیٹھتے ہیں)۔

عباس۔ بھیا اب یہاں سے چلیے گھر کے لوگ گھبرا رہے ہوں گے۔

حسینؑ۔ نہیں عباسؓ اب میں لوٹ کر گھر نہ جاؤں گا ابھی میں نے خواب دیکھا ہے کہ نانا آئے ہیں اور مجھے چھاتی سے لگاکر کہتے ہیں۔"بہت تھوڑے عرصہ میں تو ایسے آدمیوں کے ہاتھوں شہید ہوگا، جو اپنے کو مسلمان کہیں گے اور مسلمان نہ ہوں گے۔

میں نے تیری شہادت کے لیے کربلا کا میدان چُنا ہے۔ اُس وقت تو پیاسا ہوگا۔ لیکن تیرے دُشمن تجھے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیں گے۔ تیرے لیے جنت میں بہت اونچا درجہ مخصوص کیاگیا ہے۔ مگر وہ درجہ شہادت کے بغیر حاصل نہ ہوگا۔ یہ فرماکر نانا تشریف لے گئے۔

عباسؓ۔ (روکر) بھائی۔ ہائے بھائی یہ خواب ہے یا پیشن گوئی۔

(محمد حنفیہ آتے ہیں)

محمدحنفیہ۔ حسینؑ آپ نے کیا فیصلہ کیا؟

حسینؑ۔ خدا کی مرضی ہے کہ میں قتل کیا جاؤں۔

حنفیہ۔ خدا کی مرضی خدا ہی جانتا ہے۔ میری صلاح تو یہ ہے کہ آپ دوسرے شہر میں چلے جائیں۔ اور وہاں سے اَپنے قاصدوں کو اِس جوار میں بھیجیے۔ اگر لوگ آپ کی بیعت منظور کرلیں تو خدا کا شکر کیجیے گا۔ ورنہ یوں بھی آپ کی آبرو قائم رہے گی۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ ایسی جگہ نہ جا پھنسیں جہاں آپ کے دوست کم اور دشمن زیادہ ہوں۔ بغلی گھونسوں کی طرح زیادہ کوئی چوٹ کاری نہیں ہوتی۔ کوئی سانپ مارِ آستین سے زیادہ قاتل نہیں ہوتا۔ کوئی کان گوشِ دیوار سے زیادہ تیز نہیں ہوتا۔ کوئی دغاباز سے زیادہ خطرناک نہیں۔ اِس سے ہمیشہ بچتے رہنا۔

حسینؑ۔ آپ مجھے کہاں جانے کی صلاح دیتے ہیں؟

حنفیہ۔ میرے خیال میں مکّہ سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگر قوم نے آپ کی بیعت منظور کرلی۔ تو پھر پوچھنا ہی کیا ہے۔ ورنہ پہاڑوں کی گھاٹیاں آپ کے لیے قلعہ کا کام دیں گی اور تھوڑے مددگاروں کے ساتھ آپ آزادی سے زندگی بسر کرسکیں گے۔ خدا چاہے گا تو لوگ بہت جلد یزید سے بیزار ہوکر آپ کی پناہ میں آجائیں گے۔

حسینؑ۔ عزیزوں کو یہاں چھوڑ دُوں؟

محمدحنفیہ۔ ہرگز نہیں۔ سب کو اپنے ساتھ لے جائیے۔

حسینؑ۔ یہاں کے حالات سے مجھے جلد جلد اطلاع دیتے رہیے گا۔

محمدحنفیہ۔ اس کا اطمینان رکھیے (محمدحنفیہ حسینؑ سے بغل گیر ہوکر چلے جاتے ہیں)۔

حسینؑ۔ بھیّا اَب تو گھر چلیے کیا تمام شب جاگتے ہی رہیے گا؟

حسینؑ۔ عباسؓ میں پہلے ہی کہہ چکا کہ لوٹ کر گھر نہ جاؤں گا۔
عباسؓ۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بھی کچھ عرض کروں۔ آپ مجھے اپنا سچّا وفادار خادم سمجھتے ہیں یا نہیں؟
حسینؑ۔ خدائے پاک کی قسم تم سے زیادہ وفادار دوست اور عزیز دُنیا میں نہیں ہے۔
عباسؓ۔ اگر یزید کی بیعت رفع شر کے واسطے کرلی جائے تو کیا ہرج ہے۔ خدا کارساز ہے۔ ممکن ہے، تھوڑے دنوں میں یزید خود ہی مرجائے تو آپ کو خلافت آپ ہی آپ مل جائے گی۔ جس طرح آپ نے امیر معاویہ کے زمانے میں صبر کیا اسی طرح یزید کے زمانے کو بھی صبر کے ساتھ کاٹ دیجیے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑے دِنوں میں یزید کے ظلم سے تنگ آکر لوگ بغاوت کر بیٹھیں اور آپ کے لیے موقع نکل آئے۔ صبر ساری مشکلوں کو آسان کر دیتا ہے۔
حسینؑ۔ عباسؓ یہ کیا کہتے ہو۔ اگر میں خوف سے یزید کی بیعت قبول کرلوں تو اسلام کا مجھ سے زیادہ اور کوئی دشمن نہ ہوگا۔ میں خدا اور رسولؐ کو۔ والد کو۔ بھائی حسنؑ کو کیا مُنھ دکھاؤں گا۔ والد بزرگوار نے شہادت قبول کرلی مگر معاویہ کی بیعت کو حرام سمجھا۔ میں کیوں خاندانی چلن چھوڑ دُوں۔ عزّت کی موت بے عزّتی کی زندگی سے بہتر ہے۔
عباسؓ۔ (متحیر ہوکر) خدا کی قسم یہ حسینؑ کی آواز نہیں رسولؐ کی آواز ہے اور یہ باتیں حسینؑ کی نہیں علیؑ کی ہیں۔ بھیا آپ کو خدا نے عقل دی ہے۔ میں تو آپ کا خادم ہوں۔ میری باتیں آپ کو ناگوار گزری ہوں تو معاف فرمائیے۔
حسینؑ۔ (عباسؓ کو چھاتی سے لگاکر) میرا خدا مجھ سے ناراض ہوجائے اگر میں تم سے ذرا بھی ملال رکھوں۔ تم نے مجھے جو صلاح دی وہ میری بھلائی کے لیے دی، اس میں مجھے ذرا بھی شک نہیں، مگر تم اِس مغالطہ میں ہوکہ یزید کے دل کی آگ میری بیعت ہی سے ٹھنڈی ہوجائے گی۔ درحقیقت یزید نے میرے قتل کرنے کا یہی حیلہ نکالا ہے۔ اگر وہ جانتا کہ میں بیعت کرلوں گا تو وہ کوئی اور تدبیر سوچتا۔
عباسؓ۔ اگر اُس کی یہ نیت ہے تو کلام پاک کی قسم میں آپ کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہاؤں گا۔ اور آپ سے آگے بڑھ کر اتنی تلواریں چلاؤں گا چاہے میرے دونوں ہاتھ کٹ جائیں۔

(زینبؓ شہر بانو اور گھر کے دیگر لوگ آتے ہیں)

زینبؓ۔ عباسؓ ایسی مایوسانہ باتیں نہ کرو۔ (حسینؓ سے) بھیا میں آپ کے قدموں پر گرتی ہوں آپ یہ ارادہ ترک کردیجیے۔ مدینہ میں رسولؐ کی قبر سے وابستہ رہ کر زندگی بسر کیجیے اور اپنی گردن پر اسلام کی تباہی کا الزام نہ لیجیے۔

حسینؓ۔ زینبؓ، جب تک زمین و آسمان قائم ہیں، میں یزید کی بیعت منظور نہیں کرسکتا۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں غلطی پر ہوں؟

زینبؓ۔ نہیں بھیا، آپ غلطی پر نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے رسولؐ کے بیٹے کو غلط راستہ پر نہیں لے جاسکتا۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ زمانے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ کے خلاف ہوجائیں۔

حسینؓ۔ بہن! اِنسان ساری دُنیا کے طعنے برداشت کرسکتا ہے مگر اپنے ایمان کا نہیں۔ اگر تمھارا یہ خیال ہے کہ میرے بیعت نہ کرنے سے اسلام میں تفرقہ پڑجائے گا، تو یہ سمجھ لو کہ اتفاق کتنی ہی اچھی چیز ہو مگر راستی اس سے کہیں اچھی ہے۔ راستی کو چھوڑکر اتفاق کو قائم رکھنا ویسا ہی ہے، جیسے جان نکل جانے کے بعد جسم کو قائم رکھنا۔ راستی قوم کی جان ہے۔ اسے چھوڑکر کوئی قوم بہت دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ اِس بارے میں مَیں اپنی رائے قائم کرچکا ہوں۔ اَب تم لوگ مجھے رخصت کرو۔ جس طرح میری بیعت سے اسلام کا وقار قائم رہے گا۔ میں اسلام کی حُرمت پر نثار ہوجاؤں گا۔

شہر بانو۔ (روکر) کیا آپ ہمیں اپنے قدموں سے جدا کردیں گے؟

علی اکبر۔ ابّا جان۔ اگر شہید ہی ہونا ہے تو ہم بھی وہ درجہ کیوں نہ حاصل کریں۔

مُسلم۔ یا امیر! ہم آپ کے قدموں پر نثار ہونا ہی اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ ایسی موت زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ کیا آپ ہم کو اکیلا چھوڑ جائیں گے۔

علی اکبر۔ ابّا میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوکر نماز پڑھتا تھا۔ آپ یہاں چھوڑ دیں گے تو میں نماز کیسے پڑھوں گا۔

زینبؓ۔ بھیا! کیا کوئی اُمید نہیں ہے؟ کیا مدینہ میں رسولؐ کے بیٹے پر کوئی ہاتھ رکھنے والا نہیں ہے؟ اِس شہر سے وہ نُور پھیلا جس سے سارا عالم روشن ہوگیا۔ کیا حق کی وہ

روشنی اس قدر جلد غائب ہوگئی؟ آپ یہیں سے حجاز اور یمن کی طرف قاصدوں کو کیوں نہیں روانہ کرتے؟

حسینؑ۔ زینبؓ افسوس کہ خدا کو کچھ اور ہی منظور ہے۔ اب مدینہ میں میرے لیے راحت نہیں۔ یہ ولید کی شرافت ہے، جو ہم آزادی سے کھڑے ہیں۔ ورنہ یزید کی فوج نے ہمیں گھیر لیا ہوتا۔ آج مجھے صبح ہوتے ہوتے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ یزید کو میرے عزیزوں سے دُشمنی نہیں۔ اُسے خوف صرف میرا ہے۔ تم لوگ مجھے یہاں سے رُخصت کرو۔ مجھے یقین ہے کہ یزید تم لوگوں کو تنگ نہ کرے گا۔ اُس کے دل میں چاہے نہ ہو مگر مسلمانوں کے دل میں غیرت باقی ہے۔ وہ رسولؐ کی بہو بیٹیوں کی آبرو لٹتے دیکھیں گے تو اُن کا خون ضرور گرم ہوجائے گا۔

زینبؓ۔ بھیا! یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہم آپ کے ہمراہ چلیں گے اگر اسلام کا بیٹا اپنی دلیری سے اسلام کا وقار قائم رکھے تو ہم صبر سے، برداشت سے اُس کی شان کو بڑھائیں گے۔ گو ہم پر جہاد حرام ہے مگر موقع پڑنے پر ہم صبر کرنا اور گھٹ کر مرجانا جانتے ہیں۔ رسولؐ پاک کی قسم آپ ہماری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھیں گے۔ ہمارے لبوں سے فریاد نہ سُنیں گے اور ہمارے دلوں سے آہ نہ نکلے گی۔ آپ حق پر جان دے کر اسلام کی آبرو رکھنا چاہتے ہیں۔ تو میں بھی ایک لامذہب اور بدکار کی حمایت میں رہ کر اسلام کے نام پر داغ لگانا نہیں چاہتی۔

(سپاہیوں کا ایک دستہ سڑک پر آتا ہوا دِکھائی دیتا ہے)

حسینؑ۔ عباسؓ یزید کی سپاہ آرہی ہے۔ ولید نے بھی دغا کی۔ آہ ہمارے ہاتھوں میں تلوار بھی نہیں ہے۔ خیر خدا ہمارا مددگار ہے۔

عباسؓ۔ کلام پاک کی قسم یہ مردود آپ کے قریب نہ آنے پائیں گے۔

زینبؓ۔ بھیا۔ آپ سامنے سے ہٹ جائیے۔

حسینؑ۔ زینبؓ، گھبراؤ نہیں، آج میں دِکھا دُوں گا کہ علیؓ کا بیٹا کتنی بہادری سے جان دیتا ہے۔

(عباسؓ باہر نکل کر فوج کے سردار سے)

اَے سردار کس کی بدنصیبی ہے کہ تو اُس کی طرف جا رہا ہے۔

سردار۔ یا حضرت ہمیں شہر میں گشت لگانے کا حکم ہوا ہے کہ دیکھیں کہیں باغی تو جمع نہیں

ہو رہے ہیں۔

حسینؑ۔ دیر کرنے کا موقع نہیں ہے، چلو اماں جان سے رُخصت ہولوں۔ (فاطمہؓ کی قبر پر جاکر) اے مادرِ جہاں تمھارا بدنصیب بیٹا جسے تم نے گود میں پیار سے کھلایا تھا، جسے تم نے اپنے سینے سے دُودھ پلایا تھا۔ آج تُم سے رُخصت ہو رہا ہے اور پھر شاید اُسے تمھاری قبر کی زیارت نصیب نہ ہو۔ (روتے ہیں)۔

(اہلِ مدینہ کی آمد)

سب۔ اَے مولا، آپ ہمیں اپنے قدموں سے کیوں جُدا کرتے ہیں۔ ہم آپ کا دامن نہ چھوڑیں گے۔ آپ کے قدموں کے نیچے رہ کر غربت کی خاک چھاننا اِس سے کہیں اچھا ہے کہ ایک بدکار اور ظالم خلیفہ کی سختیاں جھیلیں۔ آپ خاندانِ رسالت کے آفتاب ہیں۔ اُس کی روشنی سے دُور رہ کر اس اندھیرے میں خوفناک جانوروں سے کیوں کر جان بچا سکیں گے۔ کون ہمیں حق و باطل سے آگاہ کرے گا۔ کون ہمیں اپنی نصیحتوں کا آبِ حیات پلائے گا۔ ہمیں اَپنے قدموں سے جُدا نہ کیجیے۔

حسینؑ۔ میرے پیارے دوستوں! میں یہاں سے خود نہیں جا رہا ہوں۔ مجھے تقدیر لیے جا رہی ہے۔ مجھے وہ دردناک نظارہ دیکھنے کی تاب نہیں ہے کہ مدینہ کی گلیاں اِسلام اور رسولؐ کے دوستوں کے خون سے رنگی جائیں۔ میں پیارے مدینہ کو اُس تباہی اور خون سے بچانا چاہتا ہوں۔ تم سے میری یہی آخری تمنا ہے کہ اسلام کی حُرمت قائم رکھنا۔ مال اور زر کے لیے اپنی قوم اور ملّت سے بے وفائی نہ کرنا۔ خدا کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی اور گناہ نہیں۔ شاید ہمیں پھر مدینہ کی زیارت نصیب نہ ہو۔ شاید پھر ہم اِن صورتوں کو نہ دیکھ سکیں۔ شاید پھر ہمیں اِن بزرگوں کی صورتیں دیکھنی نہ میسّر ہوں۔ جو نانا کے شریک و ہمدرد رہے، جن میں سے بہتوں نے مجھے کھلایا ہے۔ بھائیو! میری زبان میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اِس رنج و غم کو ظاہر کرسکوں، جو میرے سینے میں دریا کی لہروں کی طرح اُٹھ رہا ہے۔ مدینے کی خاک سے جدا ہوتے ہوئے جگر کے ٹکڑے ہوجاتے ہیں۔ آپ سے جُدا ہوتے آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔ مگر مجبور ہوں، خدا اور رسولؐ کی یہی منشا ہے کہ اِسلام کا پودا میرے خون سے سینچا جائے۔ رسولؐ کی کھیتی، رسولؐ کی اولاد کے خون سے ہری

ہو اور مجھے اُن کے سامنے سر جُھکانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اہل شہر۔ یا مولا، ہمیں اپنے قدموں سے جُدا نہ کیجیے، اَے امیر، افسوس، اَے رسولؐ کے بیٹے، افسوس ہم کِس کا مُنہ دیکھ کر زندہ رہیں گے؟ ہم کیوں کر صبر کریں۔ اگر آج نہ روئیں تو پھر کس دن کے لیے آنسوؤں کو اُٹھا رکھیں۔ آج سے زیادہ ماتم کا دِن اور کون ہوگا؟

حُسینؑ۔ (رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے مزارِ مقدس پر جاکر) اَے رسولؐ خدا رخصت، آپ کا نواسہ مصیبت میں گرفتار ہے۔ اِس کا بیڑا پار کیجیے۔

سب لوگ مجھے چھوڑکر پہلے ہی سدھارے — مِلتا نہیں آرام نواسے کو تمھارے
خادم کو کوئی امن کی اَب جا نہیں ملتی — راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
دُکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی — ہیں آپ جہاں راہ وہ اَصلاً نہیں ملتی
دُنیا میں مجھے کوئی نہیں اور ٹھکانا — آج آخری رُخصت کو غُلام آیا ہے نانا
بچ جاؤں جو پاس اپنے بُلا لیجیے نانا — تُربت میں نواسے کو چُھپا لیجیے نانا

(بھائی کی قبر پر جاکر)

سُن لیجیے شبیر کی رُخصت ہے برادر — حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسّر
قبریں بھی جُدا ہوں گی یہاں اب تو ہماری — دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ ایک چیونٹی کی بھی جان خطرے میں پڑے۔ اَپنے عزیزوں، عورتوں اور دوستوں سے یہی سوال ہے کہ میرے لیے ذرا بھی غم نہ کرو۔ وہیں جاتا ہوں، جہاں خدا کی مرضی لے جاتی ہے۔

عبّاس۔ یا حضرت، خدا کے واسطے ہمارے اُوپر یہ جبر نہ کیجیے۔ ہم جیتے جی کبھی آپ سے جُدا نہ ہوں گے۔

زینبؓ۔ بھیّا، میری جان تم پر فِدا ہو۔ اگر تم نے چھوڑ دیا۔ تو لوٹ کر اِنھیں جیتا نہ پاؤ گے۔

تمھاری تینوں پھول سی بیٹیاں غم سے گھلا رہی ہیں۔ شہربانو کی کیفیت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ تمھارے بغیر مدینہ اُداس ہوجائے گا۔ اور گھر کی دیواریں ہمیں کاٹ کھائیں گی۔ ہمارے اُوپر اِس بدنامی کا داغ نہ لگایئے، کہ مصیبت میں رسولؐ زادیوں نے اپنے سردار سے بے وفائی کی۔ تمھارے ساتھ کے فاقے یہاں کے میٹھے نوالوں سے بھی زیادہ مزیدار معلوم ہوں گے۔ جسم کو تکلیف ہوگی مگر دِل کو تو اطمینان رہے گا۔

علی اکبر۔ ابّا میں اس مصیبت کا تمام مزہ آپ کو تنہا نہ اُٹھانے دوں گا۔ اِس میں میرا بھی حصہ ہے۔ کون ہمارے نیزوں کی چمک دیکھے گا؟ کیسے ہم اپنی دلیری اور شجاعت کے جوہر دِکھائیں گے؟ نہیں۔ ہم یہ غم کی دعوت آپ کو تنہا نہ کھانے دیں گے۔

عبداللہ ابنِ حسنؓ۔ عمّو مجھے اپنے آگے گھوڑے پر بٹھاکر لگام میرے ہاتھوں میں دے دیجیے گا۔ میں اُسے ایسا دوڑاؤں گا کہ ہوا بھی ہماری گرد کو نہ پہنچے گی۔

حسینؑ۔ آہ، اگر میری تقدیر کا منشا یوں ہی ہے کہ میرے لختِ دل میری آنکھوں کے سامنے تڑپیں تو میرا کیا اختیار ہے۔ اگر خدا کو یہی منظور ہے کہ میرا باغ میری نظروں کے سامنے برباد ہوجائے تو کیا چارہ ہے۔ خداوند گواہ رہیو کہ رسولؐ کی اولاد اِسلام کی عزّت و حُرمت پر کس قدر ظُلم کے ساتھ قربان کی جارہی ہے۔

چھٹا سین

(شام کا وقت، شہر کوفہ کا ایک مکان، عبداللہ، قمر، وہب باتیں کررہے ہیں)

عبداللہ۔ بڑا غضب ہو رہا ہے۔ شامی فوج کے سپاہی اہل شہر کو پکڑ پکڑ کر زیاد کے پاس لے جا رہے ہیں۔ اور وہاں جبراً اِن سے بیعت لی جا رہی ہے۔

قمر۔ تم لوگ کیوں اُس کی بیعت قبول کرتے ہو؟

عبداللہ۔ نہ کریں تو کیاکریں۔ امیروں اور رئیسوں کو تو جاگیر اور منصب کی ہوس نے دامِ تزویر میں لے لیا۔ بے چارے غریب کیا کریں۔ نہیں بیعت کرتے تو مارے جاتے ہیں، شہر بدر کیے جاتے ہیں۔ جن معدودے چند رؤسا نے بیعت نہیں کی ہے۔ اُن پر بھی سختیاں کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں، مگر زیاد چاہتا ہے کہ اہل کوفہ آپس ہی میں لڑ مریں۔ اِس لیے اُس نے اَب تک کوئی سختی نہیں کی ہے۔

قمر۔ یزید کو خلافت کا کوئی حق تو ہے نہیں۔ محض تلوار کا زور ہے۔ شرع کے موافق ہمارے خلیفہ حسینؑ ہیں۔

عبداللہ۔ وہ تو ظاہر ہی ہے۔ مگر یہاں کے لوگوں کو تو جانتے ہو نہ۔ پہلے تو اس قدر شور و غل مچائیں گے، گویا جان دینے پر آمادہ ہیں۔ لیکن ذرا کسی نے لالچ دیا اور پھر سارا شور ٹھنڈا ہوا۔ گنتی کے آدمیوں کو چھوڑکر سبھی بیعت کر رہے ہیں۔

قمر۔ تو پھر ہمارے اُوپر بھی تو وہی مصیبت آنی ہے؟

عبداللہ۔ اسی فکر میں تو پڑا ہوں، کچھ سُوجھتا ہی نہیں۔

قمر۔ سُوجھنا ہی کیا ہے۔ یزید کی بیعت ہرگز نہ قبول کرو۔

عبداللہ۔ اپنی خوشی کی بات نہیں ہے۔

قمر۔ کیا ہوگا؟

عبداللہ۔ وظیفہ بند ہوجائے گا۔

قمر۔ ایمان کے سامنے وظیفہ کی کوئی ہستی نہیں۔

عبداللہ۔ جاگیر سے زیادہ نہیں، پرورش تو ہو ہی جاتی ہے۔ مگر وہ فوراً ضبط ہوجائے گی۔ کتنی

محنت سے ہم نے میووں کا باغ لگایا ہے۔ یہ کب گوارا ہوگا کہ ہماری محنت کا پھل دُوسرے کھائیں۔ قسم کلام پاک کی میرے باغ پر بڑے بڑوں کو رشک ہے۔

قمر۔ باغ کے لیے ایمان بیچنا پڑے تو باغ کی طرف آنکھ اُٹھاکر دیکھنا بھی گناہ ہے۔

عبداللہ۔ قمر معاملہ اِس قدر آسان نہیں ہے، جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔ جائداد کے لیے اِنسان اپنی جان دیتا ہے۔ بھائی بھائی دُشمن ہوجاتے ہیں۔ باپ بیٹوں میں، زن و شوہر میں نِفاق پڑجاتا ہے۔ اگر اُسے لوگ اِتنی آسانی سے چھوڑسکتے تو دُنیا جنت بن جاتی۔

قمر۔ یہ صحیح ہے۔ مگر ایمان کے مقابلہ میں جائداد ہی کی نہیں زندگی کی بھی کوئی ہستی نہیں۔ دُنیا کی چیزیں ایک دن چھوٹ جائیں گی۔ مگر ایمان تو ہمیشہ ساتھ رہے گا۔

عبداللہ۔ شہربدر ہونا پڑا تو یہ مکان ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ابھی پچھلے سال بن کر تیار ہوا ہے۔ دیہاتوں، جنگلوں میں بدوؤں کی طرح مارے مارے گھومنا پڑے گا۔ کیا جِلاوطنی کوئی معمولی چیز ہے۔

قمر۔ دین و ایمان کے لیے لوگوں نے سلطنتیں ترک کردی ہیں، سر کٹائے ہیں اور ہنستے ہوئے دار پر چڑھ گئے ہیں۔ دین و ایمان کی دُنیا میں ہمیشہ فتح رہی ہے اور رہے گی۔

عبداللہ۔ وہب، اپنی اماں جان کی باتیں سُن رہے ہو۔

وہب۔ جی ہاں، سُن رہا ہوں اور دل میں فخر کررہا ہوں کہ میں ایسی دین پَرور ماں کا بیٹا ہوں۔ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ قیس، حجر، حر، اشعث ایسے رئیسوں کو بیعت قبول کرتے دیکھ کر میں بھی راضی ہوگیا تھا۔ لیکن اماں کی باتوں نے ہمت مضبوط کر دی۔ اَب میں سب کچھ جھیلنے کے لیے تیار ہوں۔

عبداللہ۔ وہب، مذہب ہم ضعیفوں کے لیے ہے۔ جنھوں نے دنیا کے مزے اُٹھا لیے۔ جوانوں کے لیے دُنیا ہے۔ تم ابھی شادی کرکے لوٹے ہو۔ بہو کی چوڑیاں بھی میلی نہیں ہوئیں۔ جانتے ہو، وہ ایک رئیس کی لڑکی ہے۔ کیا ابھی سے اُسے خانہ ویرانی کی مصیبت میں ڈالنا چاہتے ہو۔ ہم اور قمر تو حج کرنے چلے جائیں گے، تم میری جائداد کے وارث ہو، مجھے بھی تسکین رہے گی کہ میری محنت رایگاں نہیں گئی۔ تم نے ماں کی نصیحت پر عمل کیا تو مجھے بے حد صدمہ ہوگا۔ پہلے جاکر نسیمہ سے پوچھو تو۔

چھٹا سین

(شام کا وقت، شہر کوفہ کا ایک مکان، عبداللہ، قمر، وہب باتیں کررہے ہیں)

عبداللہ۔ بڑا غضب ہو رہا ہے۔ شامی فوج کے سپاہی اہل شہر کو پکڑ پکڑ کر زیاد کے پاس لے جا رہے ہیں۔ اور وہاں جبراً اِن سے بیعت لی جا رہی ہے۔

قمر۔ تم لوگ کیوں اُس کی بیعت قبول کرتے ہو؟

عبداللہ۔ نہ کریں تو کیا کریں۔ امیروں اور رئیسوں کو تو جاگیر اور منصب کی ہوس نے دامِ تزویر میں لے لیا۔ بے چارے غریب کیا کریں۔ نہیں بیعت کرتے تو مارے جاتے ہیں، شہر بدر کیے جاتے ہیں۔ جن معدودے چند رؤسا نے بیعت نہیں کی ہے۔ اُن پر بھی سختیاں کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں، مگر زیاد چاہتا ہے کہ اہل کوفہ آپس ہی میں لڑ مریں۔ اِس لیے اُس نے اَب تک کوئی سختی نہیں کی ہے۔

قمر۔ یزید کو خلافت کا کوئی حق تو ہے نہیں۔ محض تلوار کا زور ہے۔ شرع کے موافق ہمارے خلیفہ حسینؓ ہیں۔

عبداللہ۔ وہ تو ظاہر ہی ہے۔ مگر یہاں کے لوگوں کو تو جانتے ہو نہ۔ پہلے تو اس قدر شور و غُل مچائیں گے، گویا جان دینے پر آمادہ ہیں۔ لیکن ذرا کسی نے لالچ دیا اور پھر سارا شور ٹھنڈا ہوا۔ گنتی کے آدمیوں کو چھوڑکر سبھی بیعت کر رہے ہیں۔

قمر۔ تو پھر ہمارے اُوپر بھی تو وہی مصیبت آنی ہے؟

عبداللہ۔ اِسی فکر میں تو پڑا ہوں، کچھ سُوجھتا ہی نہیں۔

قمر۔ سُوجھنا ہی کیا ہے۔ یزید کی بیعت ہرگز نہ قبول کرو۔

عبداللہ۔ اپنی خوشی کی بات نہیں ہے۔

قمر۔ کیا ہوگا؟

عبداللہ۔ وظیفہ بند ہوجائے گا۔

قمر۔ ایمان کے سامنے وظیفہ کی کوئی ہستی نہیں۔

عبداللہ۔ جاگیر سے زیادہ نہیں، پرورش تو ہو ہی جاتی ہے۔ مگر وہ فوراً ضبط ہوجائے گی۔ کتنی

محنت سے ہم نے میوؤں کا باغ لگایا ہے۔ یہ کب گوارا ہوگا کہ ہماری محنت کا پھل دُوسرے کھائیں۔ قسم کلام پاک کی میرے باغ پر بڑے بڑوں کو رشک ہے۔

قمر۔ باغ کے لیے ایمان بیچنا پڑے تو باغ کی طرف آنکھ اُٹھاکر دیکھنا بھی گُناہ ہے۔

عبداللہ۔ قمر معاملہ اِس قدر آسان نہیں ہے، جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔ جائداد کے لیے اِنسان اپنی جان دیتا ہے۔ بھائی بھائی دُشمن ہوجاتے ہیں۔ باپ بیٹوں میں، زن و شوہر میں نِفاق پڑجاتا ہے۔ اگر اُسے لوگ اِتنی آسانی سے چھوڑسکتے تو دُنیا جنت بن جاتی۔

قمر۔ یہ صحیح ہے۔ مگر ایمان کے مقابلہ میں جائداد ہی کی نہیں زندگی کی بھی کوئی ہستی نہیں۔ دُنیا کی چیزیں ایک دن چھوٹ جائیں گی۔ مگر ایمان تو ہمیشہ ساتھ رہے گا۔

عبداللہ۔ شہربدر ہونا پڑا تو یہ مکان ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ابھی پچھلے سال بن کر تیار ہوا ہے۔ دیہاتوں، جنگلوں میں بدوؤں کی طرح مارے مارے گھومنا پڑے گا۔ کیا جِلاوطنی کوئی معمولی چیز ہے۔

قمر۔ دین و ایمان کے لیے لوگوں نے سلطنتیں ترک کردی ہیں، سر کٹائے ہیں اور ہنستے ہوئے دار پر چڑھ گئے ہیں۔ دین و ایمان کی دُنیا میں ہمیشہ فتح رہی ہے اور رہے گی۔

عبداللہ۔ وہب، اپنی اماں جان کی باتیں سُن رہے ہو۔

وہب۔ جی ہاں، سُن رہا ہوں اور دل میں فخر کررہا ہوں کہ میں ایسی دین پَرور ماں کا بیٹا ہوں۔ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ قیس، حجر، حر، اشعث ایسے رئیسوں کو بیعت قبول کرتے دیکھ کر میں بھی راضی ہوگیا تھا۔ لیکن اماں کی باتوں نے ہمت مضبوط کر دی۔ اَب میں سب کچھ جھیلنے کے لیے تیار ہوں۔

عبداللہ۔ وہب، مذہب ہم ضعیفوں کے لیے ہے۔ جنھوں نے دنیا کے مزے اُٹھا لیے۔ جوانوں کے لیے دُنیا ہے۔ تم ابھی شادی کرکے لوٹے ہو۔ بہو کی چوڑیاں بھی میلی نہیں ہوئیں۔ جانتے ہو، وہ ایک رئیس کی لڑکی ہے۔ کیا ابھی سے اُسے خانہ ویرانی کی مصیبت میں ڈالنا چاہتے ہو۔ ہم اور قمر تو حج کرنے چلے جائیں گے، تم میری جائداد کے وارث ہو، مجھے بھی تسکین رہے گی کہ میری محنت رایگاں نہیں گئی۔ تم نے ماں کی نصیحت پر عمل کیا تو مجھے بے حد صدمہ ہوگا۔ پہلے جاکر نسیمہ سے پوچھو تو۔

وہب۔ مجھے اپنے ایمان کے معاملہ میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خلافت کے حقدار حضرت حسینؓ ابنِ علی ہیں۔ زیاد کی بیعت کبھی نہ قبول کروں گا۔ جائداد رہے یا نہ رہے۔ جان رہے یا جائے۔

قمر۔ بیٹا تیری ماں تجھ پر صدقہ۔ تیری باتوں نے دل خوش کردیا۔ آج مجھ جیسی خوش نصیب ماں دُنیا میں نہ ہوگی۔ مگر بیٹا تمھارے ابا جان ٹھیک کہتے ہیں۔ نسیمہ سے پوچھ تو لو۔ دیکھو وہ کیا کہتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ ہم لوگوں کی دین پروری کے باعث اُسے تکلیف ہو، اور جنگلوں کی خاک چھاننی پڑے، اِس کی دِل جوئی کرنا تمھارا فرض ہے۔

وہب۔ آپ فرماتی ہیں تو میں اُس سے پوچھے لیتا ہوں۔ مگر میں صاف کہے دیتا ہوں کہ میں اُس کی مرضی کا غلام نہ بنوں گا۔ اگر اُسے دین کے مقابلہ میں عیش و آرام زیادہ پسند ہے تو شوق سے رہے۔ لیکن میں بیعت کی ذلّت نہ اُٹھاؤں گا۔

(دروازہ کھول کر باہر چلا جاتا ہے)

ساتواں سین

عرب کا ایک گاؤں ہے۔ ایک عالیشان مندر بنا ہوا ہے۔ جس کے پختہ گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ دلفریب باغ ہے۔ مور، ہرن، گائے وغیرہ اُدھر تالاب ہے۔ اُدھر سَیر کررہے ہیں۔ ساہس رائے اور اُن کے اعزّہ تالاب کے پاس سَندھیا اور ہون میں مصروف ہیں۔

(ساہس رائے دُعا پڑھتے ہیں)

بھگوان ہمیں طاقت عطا کیجیے کہ ہم ہمیشہ اپنے مذہبی عقائد کے پابند رہیں۔ اور ہماری اُولاد ہمیشہ اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلے۔ ہم اپنا خون غریبوں کی حفاظت میں نثار کرتے ہیں۔ ہمارے سر ہمیشہ صداقت اور انصاف پر فِدا ہوتے ہیں۔ پرماتما وہ دن جلد آئے کہ ہم بُرائیوں سے توبہ کرکے ہندستان چلیں اور رِشیوں کی خدمت و طاعت میں بخوشی مصروف ہوکر اپنی زندگی کو مفید بنائیں۔ دیانند ہمیں ایسی مناسب عقل پردان کیجیے کہ ہمیشہ راہِ عمل پر ثابت قدم رہیں، اور اِس بدنما داغ کو جو ہمارے بزرگوں نے ہمارے چہروں پر لگا دیا ہے، اپنے عملِ نیک سے مٹاکر سُرخرو ہوجائیں۔ جب ہم وطن پہنچیں تو ہمارے چہروں سے رُوحانیت کی ضو ٹپکے۔ ہمارے ہم وطن خوشی کے ساتھ ہمارا استقبال کریں اور ہم وہاں ذلیل بن کر نہیں، قوم کے ذی عزّت افراد بن کر زندگی بسر کریں۔

(غلام آتا ہے)

غلام۔ غریب پرور۔ خبر آئی ہے کہ حضرت امیر معاویہ کے بیٹے یزید نے خلافت پر قبضہ کرلیا۔

ساہس رائے۔ یزید نے خلافت پر قبضہ کرلیا! یہ کیسے؟ اس کا خلافت پر کیا حق تھا، خلافت تو حضرت علیؓ کے بیٹے حضرت حسینؓ کو مِلنی چاہیے تھی۔

ہرجس رائے۔ ہاں، حق تو حضرت حسینؓ ہی کا ہے۔ امیرمعاویہ سے پہلے اِسی شرط پر صلح ہوئی تھی۔

سنگھ دت۔ یزید کی شرارت ہے۔ مجھے معلوم ہے، وہ مغرور غصہ ور اور عیاش آدمی ہمیشہ عیش و عشرت میں مُنہمک رہتاہے۔ ہم ایسے بدکاروں کی خلافت ہرگز قبول نہیں کرسکتے۔

پن رائے۔ (غلام سے) کچھ معلوم ہوا حضرت حسینؓ کیا کر رہے ہیں؟
غلام۔ وہ مدینہ سے نکل کر مکہ چلے گئے ہیں۔
سنگھ دت۔ یہ مناسب وقت نہ تھا۔ فوراً اہل مدینہ کو بک جاکر کے یزید کے عامل کو قتل
کردینا چاہیے تھا ۔ بعدازاں اپنی خلافت کا اعلان کردینا چاہیے تھا۔ مدینہ کو چھوڑکر
اُنھوں نے اپنی کمزوری کو قبول کرلیا۔
رام سنگھ۔ حضرت حسینؓ دین پرور ہیں۔ اپنے بھائیوں کا خون نہیں بہانا چاہتے۔
دھرودت۔ ایذارسانی سخت گناہ ہے۔ دین پرور آدمی کتنی ہی تکلیف میں ہو مگر کسی کے
۔ درپے آزار نہیں ہوتا۔
بھیرو دت۔ انصاف کی حمایت کے لیے تیغ آزمائی گناہ نہیں ہے۔ مردم کشی انصاف کشی سے
بہتر ہے۔
ساہس رائے۔ اگر واقعی یزید نے خلافت غصب کرلی ہے تو ہمیں اپنے مذہبی اُصول کے
موافق اِنصاف کی حمایت کرنی پڑے گی۔ یزید کی سطوت و شوکت میں شک نہیں،
لیکن ہم مذہبی قوانین کو توڑ نہیں سکتے۔ ہمیں اُس کے پاس قاصد بھیج کر جانچ لینا
چاہیے کہ ہمیں کس راستہ پر چلنا مناسب ہے۔
سنگھ دت۔ جب یہ اَمر مسلّمہ ہے کہ اُس نے اِنصاف کا خون کیا تو اُس کے پاس قاصد بھیج
کر تاخیر کیوں کی جائے۔ ہمیں فوراً اُس سے جنگ کرنی چاہیے۔ ناانصافی کو بھی اپنی
حمایت کے لیے دلیلوں کی کمی نہیں ہوتی۔
ہرجس رائے۔ میں کہتا ہوں کہ ابھی جنگ کی ابتدا ہی کیوں کی جائے۔ آئینِ سلطنت کے
اُصولِ سہ گانہ کی جانچ کے بعد تلوار اُٹھانی چاہیے۔ خصوصاً اس وقت ہماری مالی حالت
اَیسی نہیں ہے کہ ہم حقانیت و رُوحانیت کا ڈنکا بجاتے ہوئے میدانِ جنگ میں کود
پڑیں۔ تلوار کھینچنا ہمیشہ آخری تدبیر ہونی چاہیے۔
سنگھ دت۔ دولت کا منشا دین کی حفاظت ہے۔
ہرجس رائے۔ دین بہت ہی جامع لفظ ہے۔ دولت صرف حق کی حمایت کے واسطے ہے۔
رام سنگھ۔ حق کی حفاظت خون سے نہیں ہوتی۔ مروّت، عاجزی، ہمدردی، اخلاق، خدمت یہ
سب اُس کی آزمودہ تدبیریں ہیں۔ اور ہمیں اِن تدبیروں کی کامیابی کا تجربہ ہوچکا ہے۔

سنگھ دَت۔ آئینِ سلطنت کے وسیع میدان میں یہ تدبیریں اُسی وقت کامیاب ہوتی ہیں۔ جب
تلوار اُس کی حامی ہو۔ ورنہ اُن کا اثر نالۂ صحرا سے زیادہ نہیں ہوتا۔

ساہس رائے۔ ہمارا منشا اپنی بہادری کا اظہار یا انتظامِ سلطنت کی قابلیتوں کا اعلان نہیں ہے۔
ہمارا مطلب آئینِ مصالحت کی پیروی کرنا ہے۔ ہم حمایتِ حق کے مدعی ہیں۔ چاہے
اس کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرنا پڑے۔ اس لیے سب سے پہلے ہمیں قاصدوں
کے ذریعہ سے یزید کی دِلی خواہش معلوم کرنی چاہیے۔ اِس کے بعد ہمیں فیصلہ کرنا
پڑے گا۔ کہ ہمارا فرض کیا ہے۔
میں، رام سنگھ اور بھیرو دَت سے استدعا کرتا ہوں کہ یہ لوگ آج ہی شام کو وہاں
جانے کے لیے تیار ہوجائیں۔

(سب جاتے ہیں)

دوسرا ایکٹ

پہلا سین

(حضرت حسینؑ کا قافلہ مکہ کے قریب پہنچتا ہے۔ مکہ کی پہاڑیاں نظر آرہی ہیں۔

لوگ دروازۂ کعبہ پر حضرت حسینؑ کے استقبال کے لیے کھڑے ہیں۔)

حسینؑ۔ یہ لو مکہ معظمہ آگیا۔ یہی وہ پاک مقام ہے، جہاں رسولؐ نے دُنیا میں قدم رکھا۔ یہ پہاڑیاں رسولؐ کے سجدوں سے پاک اور اُن کے آنسوؤں سے روشن ہوگئی ہیں۔ عباسؓ، کعبہ کو دیکھ کر میرے دل میں عجیب طرح کی دھڑکن ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غریب مسافر ایک مدتِ مدید کے بعد اپنے وطن میں داخل ہو رہا ہے۔

(سب لوگ گھوڑوں سے اُتر پڑتے ہیں)

زُبیر۔ آیئے حضرت حسینؑ ہمارے شہر کو اپنے قدموں سے روشن کیجیے۔

(حسینؑ سب سے بغل گیر ہوتے ہیں)

حسینؑ۔ میں اِس مہمان نوازی کے لیے آپ کا مشکور ہوں۔

زبیر۔ ہماری جانیں آپ پر نثار ہوں۔ آپ کو دیکھ کر ہماری آنکھیں روشن اور ہمارے دل ٹھنڈے ہوگئے ہیں۔ خدا گواہ ہے، آپ نے رسول پاکؐ کا حلیہ پایا ہے۔ آیئے کعبہ ہاتھ پھیلائے آپ کا انتظار کررہا ہے۔

(سب لوگ مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔ مستورات حرم میں جاتی ہیں۔)

عبداللہ۔ عمّو، ان پہاڑوں پر سے تو ہمارا گھر دِکھائی دیتا ہوگا۔

حسینؑ۔ نہیں بیٹا ہم لوگ گھر سے بہت دُور آگئے ہیں۔ تم نے کچھ ناشتہ نہیں کیا۔

عبداللہ۔ مجھے بھوک نہیں ہے، پہلے معلوم ہوتی تھی۔ مگر اب غائب ہوگئی ہے۔

حسینؑ۔ تو تم یہیں رہو کہ تمھیں بھوک ہی نہ لگے۔

حبیبؓ۔ یا حضرت! آپ بھی ذرا آرام فرمالیں۔ ہماری بہت دِنوں سے تمنا ہے کہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھیں۔

(زُبیر اور عباسؓ کو چھوڑکر سب لوگ وضو کرنے چلے جاتے ہیں)

حسینؑ۔ کیوں زبیر یہاں کے لوگوں کے کیا خیالات ہیں؟

زُبیر۔ کچھ نہ پوچھیے۔ مجھے یہاں کی کیفیت بیان کرتے شرم آتی ہے۔ یوں ظاہراً تو سب کے سب آپ پر نثار ہونے کے لیے قسم کھائیں گے۔ بیعت کرنے کو بھی تیار نظر آئیں گے۔ مگر دل کسی کا بھی صاف نہیں ہے۔

حسینؑ۔ کیا دغا کا اندیشہ ہے؟

زُبیر۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ کوئی ایسی بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ لیکن اِدھراُدھر باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی نیّت صاف نہیں ہے۔ عجب نہیں کہ یزیؔد دولت اور جاگیر کا لالچ دے کر اُنھیں مِلا لے۔ اُس وقت یہ ضرور آپ کے ساتھ دغا کرجائیں گے۔ میں تو آپ کو بھی صلاح دوں گا کہ آپ مدینہ لوٹ جائیں۔

حسینؑ۔ مجھے تو اُن کی طرف سے دغا کا گمان نہیں ہوتا۔ دغا میں ایک جھجک ہوتی ہے جو یہاں کسی کے چہرہ پر نظر نہیں آتی دغا اِسی طرح شک پیدا کردیتی ہے۔ جیسے ہمدردی اعتبار پیدا کرتی ہے۔

زُبیر۔ مگر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ دغا گرگٹ کی طرح کبھی اپنے اصلی رنگ میں نہیں دِکھائی دیتی۔ وہ ہاتھوں کا بوسہ لیتی ہے۔ پیروں تلے آنکھیں بچھاتی ہے۔ اور باتوں سے حلاوت ٹپکتی ہے۔

عباسؓ۔ دوست بن کر صلاح دیتی ہے، خود کنارے پر رہتی ہے، مگر دُوسروں کو دَریا میں ڈبو دیتی ہے۔ آپ ہنستی ہے مگر دوسروں کو رُلاتی دیتی ہے اور اپنی صورت کو ہمیشہ زاہدوں کے لباس میں چھپائے رہتی ہے۔

زُبیر۔ خدائے پاک کی قسم آپ میری طرف اشارہ کررہے ہیں۔ اگر آپ جانتے کہ میں حضرت حسینؑ کی کس قدر عزّت کرتا ہوں تو مجھ پر دغا کا شک نہ کرتے۔ اگر میں یزید کا دوست ہوتا تو اَب تک مالامال ہو جاتا۔ اگر خود بیعت کی نیّت رکھتا تو اب تک خاموش نہ بیٹھتا۔ آپ مجھ پر شُبہ کرکے بڑا ستم کر رہے ہیں۔

حسینؑ۔ عباسؓ، مجھے تمھاری باتیں سُن کر بڑی شرم آتی ہے زُبیر سب سے الگ رہتے ہیں۔ کسی کے درمیان میں نہیں پڑتے۔ تنہائی میں بیٹھنے والے آدمیوں پر اکثر لوگ شبہ کرنے لگتے ہیں۔ تمھیں شاید یہ نہیں معلوم کہ دغا گوشہ سے صحبت کو زیادہ پسند کرتی ہیں۔

(حبیب آتے ہیں)

حبیبؓ۔ یا حضرت، مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے یہاں تشریف لانے کی خبر یزید کے پاس بھیج دی گئی ہے اور مروان یہاں کا ناظم بناکر بھیجا جارہا ہے۔

حسینؑ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مروان ہماری جان لے کر چھوڑے گا۔ شاید ہم تحت الثریٰ میں پناہ گزیں ہوں تو وہاں بھی ہمیں آرام نہ لینے دے گا۔

عباسؓ۔ یہاں اُسے اُس کی شامت لا رہی ہے۔ کلام پاک کی قسم وہ یہاں سے جان سلامت نہ لے جائے گا۔ کعبہ میں قتل حرام سہی مگر اُس کے باہر ایسے رُوسیاہ کا خون بہانا حلال ہی نہیں بلکہ ثواب ہے۔

حبیب۔ ولید معزول کر دیاگیا۔ یہاں کا عامل مدینہ جا رہا ہے۔

حسینؑ۔ ولید کی معزولی کا مجھے سخت افسوس ہے۔ وہ اسلام کا خیراندیش تھا۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ ایسے نیک اور دیندار آدمی کے لیے یزید کے دربار میں جگہ نہیں ہے۔ عباسؓ ، ولید کی معزولی میری شہادت کی دلیل ہے۔

حبیبؓ۔ یہ بھی سُناگیا ہے کہ یزید نے اپنے بیٹے کو جو آپ کا خیرخواہ ہے، نظربند کردیا ہے۔ اُس نے اعلانیہ یزید کی بے انصافی پر اعتراض کیا تھا۔ یہاں تک کہا تھا کہ خلافت پر تمھارا کوئی حق نہیں ہے۔ یزید یہ سُن کر آگ بگولا ہوگیا۔ اُسے قتل کرنا چاہا تھا مگر رومی نے بچالیا۔

عباسؓ۔ ایسے ظالم کو قتل کر دینا عین ثواب ہے۔

حسینؑ۔ عباسؓ، یہ خدا کی مشیت کی دوسری دلیل ہے۔ یہ یزید کی بدنصیبی ہے کہ تقدیر نے اُسے میری شہادت کا وسیلہ بنایا ہے۔ اپنے بیٹے کو قید کرنے سے کسی کو خوشی نہیں ہوسکتی۔ جو آدمی اپنے بیٹے کی زبان سے اپنی توہین سُنے۔ اُس سے زیادہ بدنصیب دُنیا میں اور کون ہوگا۔

زُبیر۔ میرے خیال میں اگر آپ کوفے کی طرف جائیں تو وہاں آپ کو مددگاروں کی کمی نہ رہے گی۔

حبیبؓ۔ یا حضرت، میں کوفہ کے قریب کا رہنے والا ہوں اور کوفیوں کی عادت سے واقف ہوں۔ دغا اُن کے خمیر میں مِلی ہوئی ہے۔ آپ اُن سے بچے رہیے گا۔ وہ آپ کے پاس اپنی بیعت کے پیغام بھیجیں گے۔ اُن کے قاصد پر قاصد آئیں گے۔ اُن کے خطوں سے ایسا معلوم ہوگا کہ تمام ملک آپ پر جان نثار کرنے کو تیار ہے۔ لیکن آپ اُن کی باتوں میں ہرگز نہ آئیے گا۔ بھول کر بھی کوفہ کا رُخ نہ کیجیے گا۔ میری آپ سے یہی عرض ہے کہ کعبہ سے باہر قدم نہ رکھیے گا۔ جب تک آپ یہاں رہیں گے۔ تمام وبالوں سے بچے رہیں گے۔ اہلِ کوفہ وفاداری سے ویسے ہی محروم ہیں۔ جیسے پرندے دُودھ سے۔

حسینؑ۔ میں اہلِ کوفہ سے خوب واقف ہوں۔ تم نے اور بھی خبردار کر دیا۔ اِس کے لیے میں تمھارا مشکور ہوں۔

حبیبؓ۔ میں یہی عرض کرنے کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اگر وہ لوگ اپنے سر آپ کے قدموں پر رکھ کر مِنّت و سماجت کریں تو بھی آپ اُنھیں جھڑک دیں۔ اِس میں شک نہیں کہ وہ دلیر ہیں، دیندار ہیں، مہمان نواز ہیں۔ مگر دولت کے غلام ہیں۔ اِس عیب نے اُن کی ساری خوبیوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ وظیفے اور جاگیر کی طمع اور اُس کی ضبطی کا خوف اُن سے ایسا قول و فعل کرا سکتا ہے جس کی کسی انسان سے اُمید نہیں کی جاسکتی۔

حسینؑ۔ حبیبؓ! میں تمھاری صلاح کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

زُبیر۔ حبیب، تم نے کوفیوں کے متعلق جو کچھ کہا وہ بہت کچھ دُرست ہے۔ لیکن تم حضرت کے دوست ہو، تم سے کہنے میں کوئی خوف نہیں کہ اہلِ مکہ بھی اِن معاملوں میں اہلِ کوفہ ہی کے بھائی بند ہیں۔ اُن کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں۔ کوفہ کی آبادی زیادہ ہے۔ وہ اگر کسی بات پر آجائیں گے تو یزید کے دانت کھٹے کر دیں گے۔ مکّہ کی تھوڑی آبادی اگر وفادار بھی رہی تو اس سے کسی بھلائی کی اُمید نہیں ہوسکتی۔ شام کی دوہزار فوج انھیں گھیر لینے کو کافی ہے۔ بھلائی یا برائی کسی خاص ملک کا حصہ

نہیں ہوتی۔ وہی سپاہ جو ایک بار میدان میں دلیری کے جوہر دکھاتی ہے۔ دوسری بار دُشمنوں کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔ اِس میں سپاہ کی خطا نہیں۔ اس کے فعل کی ذمہ داری اُس کے سردار پر ہے۔ وہ اگر دلیر ہے تو سپاہ میں دلیری کی رُوح پھونک سکتا ہے۔ پست ہمّت ہے تو سپاہ کی ہمّت کو بھی پست کردے گا۔ آپ رسولؐ کے بیٹے ہیں۔ آپ کو بھی خدا نے وہی عقل و کمال عطا کیا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی صحبت کا اُن پر اثر نہ پڑے۔ کوفہ کیا آپ دُنیا کو بھی حق کے راستے پر لاسکتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کو کسی سے بد ظن ہونے کی ضرورت نہیں۔

عباسؓ۔ زبیر کوئی صلاح کتنی ہی معقول ہو، لیکن جب اس میں غرض کی بو آتی ہے تو اُس کی منشا فوت ہوجاتی ہے۔

حُسینؑ اگر تمھارا اِرادہ یہاں لوگوں سے بیعت لینے کا ہو تو شوق سے لو، میں ذرا بھی دخل نہ دوں گا۔

زُبیر۔ یا حضرت میرا خدا گواہ ہے کہ میں آپ کے مقابلہ میں اپنے کو خلافت کے لائق نہیں سمجھتا۔ میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ خدا مجھے نجات نہ دے اگر میرے دل میں آپ کے مقابلہ کرنے کا خیال بھی آیا ہو۔

حبیبؓ۔ یا حضرت، اگر تکلیف نہ ہو تو صحن میں تشریف لائیے، اذان ہوچکی۔ لوگ آپ کی راہ دیکھتے ہیں۔

(سب لوگ نماز پڑھنے جاتے ہیں)

دُوسرا سین

(یزید کا دربار: یزید۔ ضحاک۔ معاویہ۔ رُومی۔ حُر اور دیگر اراکینِ مجلس بیٹھے ہوئے ہیں)

(دو طوائفیں شراب پلا رہی ہیں)

یزید۔ تم میں سے کوئی بتاسکتا ہے کہ جنّت کہاں ہے؟

حُر۔ رسولؐ نے تو چوتھے آسمان پر فرمایا ہے۔

شمس۔ میں چوتھے اور پانچویں آسمان کا قائل نہیں۔ خدا کا فضل و کرم ہی جنّت ہے۔

رومی۔ جنت وہیں ہوگی جہاں مُردے دفن کیے جاتے ہوں گے۔

یزید۔ اُستاد تم بھی چوک گئے۔ پھر زور لگانا۔ اَب ضحاک کی باری ہے۔ کہیے شیخ جی جنت کہاں ہے۔

ضحاک۔ بتلاؤں؟ اِس شراب کے پیالے میں۔

یزید۔ پتے پر پہنچے۔ مگر ابھی کچھ کسر ہے۔ ذرا اور زور لگاؤ۔

ضحاک۔ اُس پیالہ میں جو کسی نازنین کے ہاتھ سے ملے۔

یزید۔ لانا ہاتھ۔ بس وہی جنت ہے، مئے گلفام ہو اور کسی نازنین کا پنجۂ مرجان۔ اِس ایک جنت پر ہزاروں جنتیں قربان ہیں۔ اچھا اَب بتاؤ دوزخ کہاں ہے؟

حُر۔ یا خلیفہ، آپ کو دینِ حق کی توہین مناسب نہیں۔

یزید۔ حُر تم نے سارا مزا کرکرا کر دیا۔ آنکھوں کی قسم تم میری مجلس میں بیٹھنے کے قابل نہیں ہو۔ سارا مزا خاک میں مِلا دیا۔ یزید کے سامنے دین کا نام لینا منع ہے۔ دِین اُن ملاؤں کے لیے ہے، جو مسجدوں میں پڑے ہوئے گوشت کی ہڈیوں کو ترستے ہیں۔ دین اُن کے لیے ہے جو مصیبتوں کے سبب سے زندگی سے بیزار ہیں۔ جو محتاج ہیں۔ بے بس ہیں۔ بُھوکوں مرتے ہیں۔ جو غلام ہیں۔ دُرّے کھاتے ہیں۔ دین بڈّھے مردوں کے لیے، بیوہ عورتوں کے لیے، دیوالیہ سوداگروں کے لیے ہے۔ اِس خیال سے اُن کی اَشک شوئی ہوتی ہے۔ دل تسکین پاتا ہے۔ بادشاہوں کے لیے نہیں

ہے۔ اُن کی نجات اُن کے ہاتھوں میں ہے۔ دوستو بتلانا ہمارا پیر و مرشد کون ہے؟

ضحاک۔ پیر مُغاں (ساقی)۔

یزید۔ لانا ہاتھ۔ ہمارا پیر ساقی ہے۔ جس کے دستِ کرم سے ہمیں یہ نعمت میسّر ہوئی ہے۔
اچھا کون میرے سوال کا جواب دیتا ہے؟ دوزخ کہاں ہے؟

شمس۔ کسی سُودخوار کی توند میں۔

یزید۔ بالکل غلط۔

رومی۔ خلیفہ کے غصہّ میں۔

یزید۔ (مسکراکر) اِنعام کے قابل جواب ہے، مگر غلط۔

قیس۔ کسی مُلاّ کی نماز میں جو زمین پر سجدہ کرتے ہوئے یہ دیکھتا رہتا ہے کہ کہیں سے
روٹیاں آتی ہیں یا نہیں۔

یزید۔ واللہ خوب جواب ہے، مگر غلط۔

ضحاک۔ کسی نازنین کے رُوٹھنے میں۔

یزید۔ ٹھیک ٹھیک، بالکل ٹھیک۔ لانا ہاتھ دل خوش ہوگیا۔ (طوائفوں سے) نرگس، اس
جواب کی داد دو۔ زہرہ، شیخ جی کے ہاتھوں کو بوسہ دو۔ وہ گیت گاؤ، جس میں شراب
کی بُو ہو، شراب کا نشہ ہو، شراب کی گرمی ہو۔

نرگس۔ آج خلیفہ سے کوئی بڑا انعام لوں گی۔ (گاتی ہے)

(ایک قاصد کی آمد)

قاصد۔ السلام علیک یا امیر۔ اِبن زیاد نے مجھے کوفہ سے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

یزید۔ خط لایا ہے؟

قاصد۔ خط اس خوف سے نہیں لایا کہ کہیں راستہ میں باغیوں کے ہاتھ گرفتار نہ ہوجاؤں۔

یزید۔ کیا پیغام لایا ہے؟

قاصد۔ ابن زیاد نے گزارش کی ہے کہ یہاں کے لوگ حضور کی بیعت قبول نہیں کرتے۔
اور بغاوت پر آمادہ ہیں۔ حسینؓ ابن علیؓ کو اپنی بیعت لینے کو بُلا رہے ہیں۔ تین
قاصد جا چکے ہیں۔ مگر ابھی تک حسینؓ آنے پر رضامند نہیں ہوئے۔ اب شہر کے
کئی رئیس خود جا رہے ہیں۔

یزید۔ اِبن زیاد سے کہو۔ جو آدمی میری بیعت نہ منظور کرے اُسے قتل کردے۔ مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

رومی۔ دُشمن کے ساتھ مطلق رعایت کی ضرورت نہیں۔ اِبن زیاد کو چاہیے کہ تلوار کے استعمال کرنے میں دریغ نہ کرے۔

حُر۔ مجھے خوف ہے کہ بغاوت ہوجائے گی۔

رومی۔ سزا اور سختی یہی حکومت کے دو گُر ہیں۔ میری عمر ملک داری ہی میں گزری ہے۔ اس سے بہتر اور کارگر کوئی تدبیر نہ نظر آئی۔ خدا کو بھی اپنا نظام قایم رکھنے کے لیے دوزخ کا خوف ہی دُنیا کو آباد رکھے ہوئے ہے۔ اُس کا رحم اور انصاف فقیروں اور بیکسوں کی تسکین کے لیے ہے۔ خوف ہی سلطنت کی بُنیاد ہے۔ نرمی سے سلطنت کا وقار مٹ جاتا ہے۔ لوگ سرکش ہوجاتے ہیں، فساد کا بازار گرم ہوجاتا ہے۔ اِبن زیاد سے کہنا، قتل کرو اس طرح کہ دیکھنے والوں کے دل تھرّا جائیں۔ اور نیزوں سے چھیدواؤ، کتّوں سے نوچواؤ، زندہ کھال کھینچواؤ، لوہے سے داغ دو۔ جو حسینؑ کا نام لے، اُس کی زبان تالو سے کھینچ لو۔ وہ سزا سزا نہیں ہے، جو سخت نہ ہو۔

یزید۔ میں اس حکم کی تائید کرتا ہوں۔ جا اور پھر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے میرے آرام میں مخل نہ ہونا۔

(قاصد کی روانگی)

حُسینؑ کا کوفہ آنا میرے لیے موت کے آنے سے کم نہیں۔ قسم ہے آنکھوں کی، وہ کوفہ نہ آنے پائیں گے۔ اگر میرا اختیار ہے۔

شمس۔ تعجب یہی ہے کہ کوفہ والوں نے تین قاصد بھیجے اور حسینؑ جانے پر راضی نہیں ہوئے۔

یزید۔ تیاریاں کر رہے ہوں گے۔ ولید اگر میرے چچا کا بیٹا نہ ہوتا تو میں اپنے ہاتھوں سے اُس کی آنکھیں نکال لیتا۔ اُس نے دیدہ دانستہ حسینؑ کو مکّہ جانے دیا۔ مدینہ ہی میں قتل کر دیتا تو آج اتنی پریشانی کیوں ہوتی۔ تم میں سے کون جاکر اُنھیں گرفتار کرسکتا ہے؟

حُر۔ میں اِس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

یزید۔ اگر تم یہ کام پورا کر دِکھاؤ، تو اِس کے صلہ میں تمھیں وہ صوبہ دوں گا۔ جس پر جنت بھی فدا ہو۔ میری فوج سے ایک ہزار چیدہ سپاہی لے لو۔ اور جب آفتاب نکلے تو تمھیں یہاں سے بیس فرسخ پر دیکھے۔

حُر۔ انشاء اللہ۔

یزید۔ جس طرح شکاری شکار کی تلاش کرتا ہے، اسی طرح حسینؑ کی تلاش کرنا۔ بھیڑ راستہ، اندھیری گھاٹیاں، گھنے جنگل، ریتلے میدان سب چھان ڈالنا۔ دن کی فکر نہیں لیکن رات کو اپنی آنکھوں سے نیند کو یوں بھگا دینا جیسے کوئی دین دار آدمی اپنے دروازہ سے کتے کو بھگا دیتا ہے۔

حُر۔ (دل میں) یزید بدکار ہے، بے دین ہے، شرابی ہے مگر خلافت کو سنبھالے ہوئے تو ہے۔ حسینؑ کی بیعت مسلمانوں میں، آپس میں دُشمنی پیدا کردے گی۔ خون کا دریا بہا دے گی، اور خلافت کا نشان مٹا دے گی۔ بقاء خلافت میرا پہلا فرض ہے۔ خلیفہ کون ہو اور کیسا یہ بعد کو دیکھا جائے گا۔ (بظاہر) حکم کی تعمیل کروں گا۔

(حُر کی روانگی)

یزید۔ نرگس! رندوں میں ایک زاہد تھا، وہ کھسکا۔ اَب کوئی مست کرنے والی غزل گاؤ۔ کاش سلطنت کی فکر نہ ہوتی، تو تمھارے ہاتھوں شراب کے پیالے پیتے ہوئے عمر گزار دیتا۔

نرگس۔ خوف سے کانپتی ہوئی بلبل مستانہ غزلیں نہیں گاسکتی۔ شاخ پر ہے تو اُڑ جائے گی قفس میں ہے تو مر جائے گی۔ میں نے خوف سے گلشن کو آباد ہوتے نہیں، ویران ہوتے دیکھا ہے۔ میرا وطن کوفہ ہے اور میں کوفیوں کو خوب جانتی ہوں۔ اِن پر سختیاں کرکے آپ حسینؑ کو بلارہے ہیں۔ حسینؑ کوفہ میں داخل ہوگئے تو پھر آپ ہمیشہ کے لیے عراق سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ اہلِ کوفہ رعایتوں سے، جاگیروں سے، وظیفوں سے، تھپکیوں سے قابو میں آسکتے ہیں۔ سختیوں سے نہیں۔ اگر اعتبار نہ ہو، تو مجھ پر اپنی طاقت آزما دیکھیے۔ اگر آپ کی یہ دسوں اُنگلیاں دس تلواریں ہوجائیں تو بھی آپ میرے منہ سے ایک راگ نہ سُنیں گے۔ کوفہ مصیبت میں مُبتلا ہے۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔

(جاتی ہے)

تیسرا سین

عدالت کوفہ، قاضی و دیگر عمائدین بیٹھے ہیں۔ قاضی کے سر پر عمامہ ہے۔ بدن
قبا، کمر میں پٹکا، سپاہی نیچے کُرتے پہنے ہوئے ہیں۔ عدالت سے کچھ دور مسجد ہے۔
مقدمے پیش ہو رہے ہیں۔ کئی آدمی ایک شریف آدمی کی مشکیں کسے لاتے ہیں۔

قاضی۔اُس نے کیا خطا کی ہے؟
ایک سپاہی۔ حضور یہ شخص مسجد میں کھڑا لوگوں سے کہہ رہاتھا کہ کسی کو فوج میں داخل نہ
ہونا چاہیے۔
قاضی۔ گواہ ہے؟
ایک شخص۔ حضور میں نے اپنے کانوں سے سُنا ہے۔
قاضی۔ اُسے لے جاکر قتل کر دو۔
ملزم۔ حضور بالکل بے گناہ ہوں۔ یہ دونوں سپاہی میری دُکان سے کپڑے اُٹھا لائے تھے، میں
نے چھین لیا، اِس پر اُنھوں نے مجھے پکڑ لیا۔ حضور میرے پڑوس کے دُکان داروں
سے پوچھو۔ میں بے گناہ مارا جا رہا ہوں۔ میرے اہل و عیال تباہ ہوجائیں گے۔
قاضی۔ اسے یہاں سے ہٹاؤ۔
ملزم۔ (چلاّ کر) یا رسول، آپ قیامت کے روز میرا اور قاتل کا فیصلہ کیجیے گا۔
(دونوں سپاہی اُسے لے جاتے ہیں، مسجد کی طرف سے آواز آتی ہے)
یا خدا ہم بیکس تیری بارگاہ میں فریاد کرنے آئے ہیں۔ ہمیں ظالم کی قید سے آزاد کر۔
(چار سپاہی پندرہ بیس آدمیوں کی مشکیں کسے کوڑے مارتے ہوئے لاتے ہیں)
قاضی۔ اِن پر کیا الزام ہے؟
ایک سپاہی۔ حضور یہ اُن آدمیوں میں سے ہیں، جنھوں نے حسینؑ کے پاس قاصد بھیجے تھے۔
قاضی۔ سنگین جرم ہے، کوئی گواہ ہے؟
ایک سپاہی۔ حضور کوئی گواہ نہیں ملتا۔ شہروالوں کے خوف سے کوئی گواہی دینے پر رضامند

نہیں ہوتا۔

قاضی۔ اِنھیں حراست میں رکھو، اور جب گواہ مل جائیں تو پھر پیش کرو۔

(سپاہی ان آدمیوں کو لے جاتے ہیں۔ پھر دو سپاہی ایک عورت کی دونوں کلائیاں باندھے لاتے ہیں)

قاضی۔ اِس پر کیا اِلزام ہے؟

ایک سپاہی۔ حضور جب ہم اِن ملزموں کو گرفتار کررہے تھے جو ابھی گئے ہیں تو اس نے خلیفہ کو ظالم کہا تھا۔

قاضی۔ گواہ؟

ایک عورت۔ حضور خدا اس کا منھ نہ دِکھائے، بڑی بدزبان ہے۔

قاضی۔ اِس کا مکان ضبط کرلو۔ اور اِس کے سر کے بال نوچ لو۔

ملزم عورت۔ خداوند میری آنکھیں پھوٹ جائیں، جو میں نے کسی کو کچھ کہا ہو۔ یہ عورت میری سوت ہے۔ اِس نے حسد سے مجھے پھنسایا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ میں بے قصور ہوں۔

قاضی۔ اِسے فوراً لے جاؤ۔

ایک جوان۔ (روتا ہوا) اَے قاضی میری ماں پر اس قدر ظلم نہ کیجیے۔ آپ بھی تو کسی کے بچّے ہیں۔ اگر کوئی آپ کی ماں کے بال نچواتا تو آپ کے دل پر کیا گزرتی۔

قاضی۔ اس ملعون کو پکڑکر دو سو درّے لگاؤ۔

(کئی سپاہی آدمیوں کے غول کو باندھے ہوئے لاتے ہیں)

قاضی۔ انھوں نے شرع کے کِس حکم کی خلاف ورزی کی ہے؟

ایک سپاہی۔ حضور، یہ سب آدمی سامنے والی مسجد میں کھڑے ہوکر رو رہے تھے۔

قاضی۔ رونا کفر ہے۔ اِن سبھوں کی آنکھیں پھوڑ ڈالی جائیں۔

(سینکڑوں آدمی مسجد کی طرف سے تلواریں اور بھالے لیے دوڑے آتے ہیں۔ اور عدالت کو گھیر لیتے ہیں)

سلیمان۔ قتل کر دو، اِس مردود مکّار کو جو مسندِ عدالت پر بیٹھا عدالت کا خون کررہا ہے۔

موسیٰ۔ نہیں، پکڑلو اِسے زندہ جلائیں گے۔

(کئی آدمی قاضی پر ٹوٹ پڑتے ہیں)

قاضی۔ شرع کے مطابق مسلمان پر مسلمان کا خون حرام ہے۔

سلیمان۔ تو مسلمان نہیں ہے۔ اِن سپاہیوں میں سے ایک بھی نہ جانے پائے۔

ایک سپاہی۔ اَے سلیمان، ہماری کیا خطا ہے؟ جس آقا کے غلام ہیں اس آقا کا حکم نہ مانیں تو روٹیاں کیوں کر چلیں؟

مسلم۔ جس پیٹ کے لیے تمھیں خدا کے بندوں کو ایذا پہنچانی پڑے، اُس کو چاک کر دینا چاہیے۔

(سپاہیوں اور باغیوں میں لڑائی ہونے لگتی ہے)

سلیمان۔ بھائیو! آپ نے اِن ظالموں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو واجب تھا۔ مگر یہ بھولنے کی بات نہیں کہ زیاد اِس کی اطلاع یزید کو ضرور دے گا اور ہمیں کچلنے کے لیے شام سے فوج آئے گی۔ آپ لوگ اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں؟

مسلم۔ اگر تیار نہیں ہیں تو ہوجائیں گے۔

سلیمان۔ ہم نے ابھی تک یزید کی بیعت نہیں قبول کی اور نہ کریں گے۔ امام حسینؓ کی خدمت میں باربار قاصد بھیجے گئے۔ مگر وہ تشریف نہیں لائے۔ ایسی حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

ہانی۔ ہم میں سے چند خاص آدمی خود جائیں اور اُنھیں ساتھ لائیں۔

مختار۔ ہم لوگوں نے آل رسولؐ کے ساتھ متواتر ایسی دغائیں کی ہیں کہ ہمارا اعتبار اُٹھ گیا ہے۔ کہ حضرت امام حسینؓ یہاں ہرگز نہ آئیں گے۔

سلیمان۔ ایک بار آخری کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہم لوگ چل کر ان سے عرض کریں کہ ہم قتل کیے جا رہے ہیں۔ ہمارا دین غارت کیا جارہا ہے۔ ہماری عورتوں کی آبرو بھی خطرہ میں ہے۔ ہماری مصیبت کی کہانی سُن کر حسینؓ کو ضرور ترس آئے گا۔ اُن کا دل اس قدر سخت نہیں ہوسکتا۔

مختار۔ مگر وہ تمھاری مصیبتوں پر ترس کھاکر آئے اور تم نے اُن کی مدد نہ کی تو سب کے سب رُوسیاہ کہلاؤ گے۔ ہم نے پہلے جو دغائیں کی ہیں، اُن کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ اور اگر پھروہی حرکت کی تو ہم دین و دُنیا میں کہیں بھی منھ نہ دِکھاسکیں گے۔ خوب

سوچ لو کہ آخر تک تم اپنے ارادہ پر قائم رہ سکوگے؟ اگر تمھارا دل حامی بھرے تو میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ میں اُنھیں لے آؤں گا۔ لیکن اگر تمھارے دل کچے ہیں ۔ تم اپنی جانیں نثار کرنے کو تیار نہیں ہو۔ اگر تمھیں خوف ہے کہ تم لالچ کے شکار ہوجاؤگے تو تم انھیں مکہّ ہی میں رہنے دو۔

حجر۔ خُدا کی قسم ہم اُن کے قدموں پر اپنی جانیں فدا کردیں گے۔

حارث۔ ہم اپنی بدنامی کے داغ مٹادیں گے۔

مختار۔ خدا کو حاضر جان کر وعدہ کرو کہ اپنے قول پر قائم رہوگے۔

(کئی شخص ایک ساتھ)

"اللہ اکبر! ہم حسینؑ پر فدا ہوجائیں گے؟

سلیمان۔ تو میں اُن کی خدمت میں خط لکھتا ہوں۔

(خط لکھتا ہے)

حجاج۔ اِتنا ضرور لکھ دینا کہ ہم آپ کے نانا محمد مصطفیٰؐ کا واسطہ دے کر آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہمارے اُوپر رحم کیجیے۔

حارث۔ یہ اور لکھ دینا کہ بے شمار عرضیاں آپ کی خدمت میں روانہ کرچکے ہیں۔ مگر آپ تشریف نہ لائے۔ اگر آپ اَب بھی نہ آئے تو ہم کل قیامت میں رسولؐ کے حضور میں آپ کا دامن پکڑیں گے۔

حجاج۔ اور کہیں گے یا خدا۔ حسینؑ نے ہم پر ظُلم کیا تھا۔ کیونکہ جب ہم نے ہدایت طلب کی، تو رہبری نہ کی۔ تو اُس وقت آپ کیا جواب دیں گے؟ اور رسولؐ کو کیا منھ دِکھائیں گے؟

قیس۔ میرے قبیلہ کے ایک ہزار جوان حسینؑ کے اِنتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

حجاج۔ شاید شام تک زیاد کچھ آدمی جمع کرلے۔

حارث۔ ابھی وہ خاموش رہے گا۔ یزید کی فوج آجائے گی۔ اُس وقت ہمارے اُوپر حملہ کرے گا۔

شمر۔ کیوں نہ لگے ہاتھ اُس کا بھی خاتمہ کر دیں۔ قصہّ پاک ہو۔

حارث۔ واہ، اَب تک وہ یہاں بیٹھا ہوگا۔

سلیمان۔ میں نے تمام قصہّ لِکھ دیا، کون اِس خط کو لے جائے گا؟

شمر۔ میں حاضر ہوں۔

سلیمان۔ کِس کے پاس ایسی سانڈنی ہے۔ جو تھکنا نہ جانتی ہو۔ جو اِس طرح دوڑ سکتی ہے۔ جیسے زِیاد لوٹ کے مال کی طرف؟

طارق۔ میرے پاس ایسی سانڈنی ہے۔ جو تین روز میں اِس خط کا جواب لا سکتی ہے۔ یہ خدمت بجا لانا میرا حق ہے۔ کیونکہ مجھ سے زیادہ مظلوم اور کوئی نہ ہوگا جس کی ماں کے بال قاضی کے حکم سے ابھی ابھی نوچے گئے ہیں۔

سلیمان۔ بے شک تمھارا حق سب سے زیادہ ہے۔ یہ خط لو اور اس سے قبل کہ تمھارا پسینہ ٹھنڈا ہو، مکّہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔

(جوان چلا جاتا ہے)

آؤ ہم لوگ مسجد میں نماز ادا کرلیں۔ خط کا جواب تین دِن میں آئے گا۔ حضرت امام حسینؑ کے آنے میں ابھی ایک ماہ کا عرصہ ہے۔ زِیاد بھی شاید اُس کے قبل نہیں لوٹ سکتا۔ یہ دن ہمیں تیاریوں میں صرف کرنا چاہیے۔ کیونکہ یزید کی خلافت کا فیصلہ کوفہ میں ہوگا۔ یا تو وہ مسندِ خلافت پر بیٹھے یا جاہلوں کی عبادت کا مزار بنے گا۔ اگر کوفہ نے خلافت کو نبیؑ کے خاندان میں واپس کردیا تو اِس کا نام ہمیشہ روشن رہے گا۔

(سب جاتے ہیں)

چوتھا سین

(مقام کعبہ۔ مردانہ نشست گاہ۔ حسینؑ، زبیر، عباس، مُسلم، علی اکبر، علی اصغر وغیرہ دکھائی دیتے ہیں)

حسینؑ۔ یہ پانچویں سفارت ہے۔ ایک ہزار سے زیادہ خطوط آچکے ہیں۔ اُن پر دستخط کرنے والوں کی تعداد پندرہ ہزار سے کم نہیں ہے۔

مسلم۔ اور سبھی بڑے بڑے قبیلوں کے سردار ہیں۔ سلیمان، حارث، حجاج، شمر، مختار، ہانی۔ یہ معمولی آدمی نہیں ہیں۔

زبیر۔ میں تو عرض کرچکا کہ تمام عراق آپ کی بیعت کرنے کے لیے بے قرار ہے۔

حسینؑ۔ مجھے تو ابھی تک ان کی باتوں پر اعتبار نہیں ہوتا۔ خدا معلوم کیوں میرے دل میں اُن کی طرف سے دغا کا شُبہ جاگزیں ہے۔ مجھے حبیب کی باتیں نہیں بھولتیں۔ جو اُس نے چلتے چلتے کہی تھیں۔

مُسلم۔ گستاخی تو ہے۔ لیکن آپ کا ان پر شک کرنا بیجا ہے۔ آخر آپ ان کی وفاداری کا کیا ثبوت چاہتے ہیں؟ وہ قسمیں کھاتے ہیں، وعدے کرتے ہیں، صاف لکھتے ہیں کہ آپ کی مدد کے لیے بیس ہزار بہادر سُورما بیٹھے ہیں اب اور کیا چاہیے۔

زبیر۔ کم از کم میں تو ایسے ثبوت پاکر ایک پل کی بھی دیر نہ کرتا۔

عباسؑ۔ مجھے تو ان کوفیوں پر اس وقت بھی اعتبار نہ آئے گا۔ اگر وہ بیسوں ہزار آدمی یہاں آکر آپ کی بیعت کی قسم کھا لیں۔ اگر وہ کلام پاک لے کر بھی قسم کھائیں تو بھی میں اُن سے دور بھاگوں گا۔

(طارق آتا ہے)

طارق۔ السلام علیک یا حسینؑ۔

حسینؑ۔ خدا تم پر رحمت نازل فرمائے۔ کہاں سے آرہے ہو؟

طارق۔ کوفہ کے مظلوموں نے اپنی فریاد سُنانے کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ طلوعِ آفتاب کے قریب چلا تھا اور آفتاب ڈوبنے کے وقت آیا ہوں۔ قبل

طلوعِ آفتاب کے جانا ہے۔

عباسؓ۔ ہَوا پر آئے ہو یا تختِ سلیمان پر؟ قسم ہے قبرِ رسولؐ کی، میں اِس گھوڑے کے لیے پانچ ہزار دینار پیش کر سکتا ہوں۔

طارق۔ حضور گھوڑا نہیں سانڈنی ہے۔ جو سفر میں کھانا اور تھکنا نہیں جانتی۔

(حُسینؑ کے ہاتھ میں خط دیتا ہے)

حسینؑ۔ (خط پڑھ کر) آہ کِس قدر دردآمیز خط ہے۔ ظالموں نے دل نکال کر رکھ دیا ہے۔ یہ کس قدر غضب کا جملہ ہے۔ اور اگر آپ نہ آئیں گے تو ہم عاقبت میں آپ سے اِنصاف کے دعویدار ہوں گے۔ آہ! اُنھوں نے نانا کا واسطہ دیا ہے۔ میں نانا کے نام پر اپنی جان کو یوں فدا کر سکتا ہوں جیسے کوئی حریص دولت پر ایمان فدا کر دیتا ہے۔ اتنا ظلم، اِتنی سختی، دن دوپہر لوٹ!! دِن دہاڑے عورتوں کی بے حرمتی۔ ذرا ذرا سی باتوں پر لوگوں کا قتل کیا جانا۔ عباسؓ، اَب مجھے صبر کی تاب نہیں ہے۔ میں اپنی بیعت کے لیے ہرگز نہ جاتا، مگر مصیبت زدوں اور دین کی حمایت کے لیے نہ جاؤں، یہ میری غیرت گوارا نہیں کرتی۔

مسلم۔ اے برادر آپ اس کا بالکل غم نہ کریں۔ میں اسی قاصد کے ساتھ وہاں جاؤں گا۔ اور وہاں کی کیفیت سے اِطلاع دوں گا۔ میرا خط دیکھ کر آپ مناسب فیصلہ کیجیے گا۔

حسینؑ۔ جب تک یزید اُن غریبوں پر خدا جانے کیا کیا ظلم ڈھائے۔ اس کا عذاب میری گردن پر ہوگا۔ غور تو کرو۔ جب قیامت کے روز لوگ فریاد کُناں ہوں گے تو میں نانا کو کیا منھ دکھاؤں گا۔ رسولؐ پاک مجھ سے پوچھیں گے کہ تجھے جان اتنی پیاری تھی کہ تو نے میری اُمت پر یزید کے ظلم ہوتے دیکھے اور خاموش بیٹھا رہا، اِس وقت میں اُنھیں کیا جواب دوں گا۔ مُسلم میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی تمھارے ساتھ چلوں۔

مسلم۔ مجھے تو اِس کا یقین ہے کہ سلیمان جیسا آدمی کبھی دغا نہیں کر سکتا۔

زبیر۔ ہرگز نہیں۔

مسلم۔ مگر میں بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے وہاں جاکر اپنا اطمینان کرلوں۔

حسینؑ۔ بہتر۔ مسلم تم علی الصباح روانہ ہوجاؤ۔ اپنے ساتھ پانچ غلام لیتے جاؤ۔ راستہ میں شاید ان کی ضرورت ہو۔ میں اہلِ کوفہ کو یہ خط لکھے دیتا ہوں اُنھیں دِکھا دینا۔ انشاء اللہ

ہم تم سے جلد ملیں گے۔ وہاں بڑی احتیاط سے کام لینا۔ اپنے کو پوشیدہ رکھنا اور کسی ایسے شخص کے یہاں قیام کرنا جو سب سے زیادہ قابلِ اعتبار ہو۔ میرے پاس ایک خط روزانہ بھیجنا۔

مُسلم۔ خدا سے دُعا کیجیے کہ وہ میری حمایت کرے۔ میں ایک اہم ذمہّ داری لے کر جا رہا ہوں۔ صبح کی نماز سے فارغ ہوکر میں روانہ ہوجاؤں گا۔ اِس وقت تک طارق کی سانڈنی بھی آرام کرلے گی۔

(حسینؓ خط لکھ کر مسلم کو دیتے ہیں۔ مسلم دروازے کی طرف چلتے ہیں)

حُسینؓ۔ (مسلم کے ساتھ دروازے تک آکر) رات تو اندھیری ہے۔

مسلم۔ ایمان کی روشنی تو دل میں ہے۔

حُسینؓ۔ (مسلم سے بغل گیر ہوکر) اچھا بھیا جاؤ۔ میرا دل تمھارے ساتھ رہے گا۔ جو کچھ ہونے والا ہے جانتا ہوں۔ اِس کی خبر مِل چکی ہے۔ تقدیر سے کوئی چارہ نہیں، اچھا جاؤ، مگر دل یہی چاہتا ہے کہ نہ جانے دوں۔ کاش تم کہہ دیتے کہ میں نہ جاؤں گا۔ مگر تقدیر نے تمھاری زبان بند کررکھی ہے۔ اچھا رُخصت۔ اُمید ہے کہ اللہ ہم دونوں کو ایک ساتھ شہادت کا درجہ دے گا۔

(مسلم باہر چلے جاتے ہیں۔ حسینؓ آنسو پونچھتے ہوئے حرم میں داخل ہوتے ہیں)

زینبؓ۔ بھیا آج پھر کوئی قاصد آیا تھا کیا؟

حُسینؓ۔ ہاں بہن آیا تھا۔ یزید اہلِ کوفہ پر بڑا ظلم کررہا ہے۔ میرا وہاں جانا لازمی ہے۔ ابھی تو میں نے مُسلم کو وہاں بھیج دیا ہے۔ پر خود بھی بہت جلد جانا چاہتا ہوں۔

زینبؓ۔ آپ نے یکایک کیوں اپنی رائے بدل دی۔ کم از کم مسلم کے خط کے آنے کا انتظار کیجیے۔ میں تو آپ کو ہرگز نہ جانے دوں گی۔ آپ کو وہ خواب یاد ہے جو آپ نے رسولؐ کی قبر پر دیکھا تھا؟

حسینؓ۔ ہاں۔ زینبؓ، خوب یاد ہے۔ اور اِسی وجہ سے میں جانے کی جلدی کر رہا ہوں۔ اُس خواب نے میری تقدیر کو میرے سامنے کھول کررکھ دیا۔ تقدیر سے بچنے کی بھی کوئی تدبیر ہوسکتی ہے، خُدا کا حکم بھی کہیں ٹل سکتا ہے؟ خلافت کی تمنا کو دل سے مٹا سکتا ہوں۔ دین کی امداد سے تو منھ نہیں موڑسکتا۔

شہربانو۔ گو یہ سب سچ ہے۔ مگر جب آپ کو معلوم ہے کہ کوفہ میں لوگ آپ کے ساتھ دغا کریں گے تو وہاں جایئے ہی کیوں؟ تقدیر آپ کو کھینچ تو نہ لے جائے گی۔ بیکسوں کی امداد ضرور آپ کا اور آپ ہی کا نہیں بلکہ ہرایک انسان کا فرض ہے۔ لیکن آپ کے خاندان کی بھی تو کوئی خبر لینے والا ہو۔ اِنسان پر دُنیا سے پہلے اپنے خاندان کا حق ہوتا ہے۔

حُسینؑ۔ ذرا اس خط کو پڑھ لو، اور تب کہو کہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ مناسب ہے یا کہ نہیں۔ (شہر بانو کے ہاتھ میں خط دے کر) دیکھا۔ اِس سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن جس قدر آدمیوں نے اُس پر دستخط کیے ہیں۔ اِس کے نصف بھی میرے ساتھ ہوجائیں گے تو میں یزید کا قافیہ تنگ کر دوں گا۔ اسلام کی حفاظت اِس قدر اہم ہے کہ اس کی کوشش میں جان دے دینا بھی ذلت نہیں۔ جب میرے ہاتھوں میں ایک سیاہ کار، بے دین، بدکار آدمی کے سزا دینے کا موقع آیا ہے تو اِس سے مستفید نہ ہونا پرلے درجے کی پست ہمتی ہے۔ گھر میں آگ لگتے دیکھ کر اُس میں کود پڑنا نادانی ہے لیکن پانی نہ ملنے پر آگ کو نہ بجھانا اِس سے بھی بڑی نادانی ہے۔

سکینہ۔ مگر ابا جان۔ اب تو محرم کا مہینہ آرہا ہے۔ پھوپھی جان کی بہت دنوں سے آرزو تھی کہ اس مہینہ میں یہاں رہتیں۔

حسینؑ۔ تم لوگوں کے لے جانے کا میرا ارادہ نہیں ہے۔

زینبؓ۔ بھیا۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آپ وہاں جائیں اور ہم یہاں رہیں۔ خدا معلوم کیا اُفتاد پیش آئے۔

سکینہ۔ ابا جان دِل دیکھتے ہیں اور آپ سچ سمجھ گئیں۔

کلثوم۔ اور کوئی چلے یا نہ چلے۔ میں تو ضرور جاؤں گی۔ میرے دل سے لگی ہوئی ہے کہ ایک بار یزید کو خوب آڑے ہاتھوں لیتی۔

سکینہ۔ میں اپنی فتح کا قصیدہ لکھنے کے لیے بے تاب ہوں۔

شہربانو۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ رہنے سے آپ کو تردد ہوگا۔ مگر میں پوچھتی ہوں آپ کو وہاں پھنساکر دشمنوں نے اِدھر حملہ کردیا تو ہماری حفاظت کی فکر آپ کو چین لینے دے گی؟

زینبؓ۔ اصغر بُھڑک بُھڑک کر جان دے دے گا۔

سکینہ۔ میں اپنے اوپر اِس بدنامی کا داغ نہیں لگاسکتی کہ رسولؐ کے بیٹوں نے تو اسلام کی حمایت میں جان دی اور بیٹیاں حرم میں بیٹھی رہیں۔

حُسینؓ۔ (خودبخود) شہر بانو نے معرکے کی بات کہی۔ اگر دُشمنوں نے حرم پر حملہ کردیا تو ہم وہاں بیٹھے بیٹھے کیا کریں گے۔ انھیں یہاں چھوڑ دینا اپنے قلعے کی دیوار میں شگاف کر دینے سے کم خطرناک نہیں (ظاہراً) نہیں میں تم لوگوں پر جبر نہیں کرتا اگر چلنا چاہتی ہو تو شوق سے چلو۔

پانچواں سین

یزید کا دربار معاویہ پا بہ زنجیر بیٹھا ہوا ہے۔ چار غلام شمشیر برہنہ اُس کے چہار جانب کھڑے ہیں۔ یزید کے تخت کے قریب سرجون رومی بیٹھا ہوا ہے۔

معاویہ۔ (دل میں) نبیؐ کی آل پر یہ ظلم! مجھی سے تو اس کا بدلہ لیا جائے گا! باپ کا قرض بیٹے ہی کو ادا کرنا پڑتا ہے! مگر میرے خون سے اس ظلم کا داغ نہ مٹے گا۔ ہرگز نہیں۔ اِس خاندان کا نشان مٹ جائے گا۔ کوئی فاتحہ پڑھنے والا بھی نہ رہے گا۔ آہ! نبیؐ کی آل اور یہ ظلم! جن کے قدموں کی خاک آنکھوں میں لگانی چاہیے تھی! تباہی کے سامان ہیں۔ اَے رسول پاکؐ میں بے گناہ ہوں (ظاہراً) آپ جانتے ہیں۔ مولانا رومی کے والد کا مجھے کب تک انتظار کرنا پڑے گا۔

رومی۔ آتے ہی ہوں گے۔ زیاد سے کچھ باتیں ہورہی ہیں۔

معاویہ۔ والد مجھے چاہتے ہیں کہ میں اِس معرکہ میں شریک ہوجاؤں۔ لیکن اگر ظالموں کے ہاتھ سے انتقام لینے کے لیے یہ پہلو اختیار کیا جاتا تو سب سے پہلے میری تلوار نیام سے نکلتی۔ سب سے پہلے میں جہاد کا جھنڈا اُٹھاتا۔ مگر حق کا خون کرنے کے لیے میری تلوار کبھی نہ نکلے گی اور میری زبان اُس وقت تک ملامت کرتی رہے گی جب تک کہ وہ تالو سے کھینچ نہ لی جائے۔ ایسے رسولؐ کی مسند پر جس نے دُنیا کو ہدایت کا چراغ دِکھایا، جس نے نورِ ایمان سے قلوب کو منوّر کیا۔ اس شخص کو بیٹھنے کا حق نہیں ہے، جو دین کو پیروں تلے کچلتا ہو۔ جو انسانیت کے نام کو داغ لگاتا ہو۔ چاہے وہ میرا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ اسلام کا خلیفہ ہونا چاہیے۔ جس پر انسانیت کو فخر ہو جو دین دار ہو، حق پرست ہو، بیدار ہو بے لوث ہو، دوسروں کے لیے نمونہ ہو، جو طاقت سے نہیں، فوج سے نہیں، اپنے کمال سے اپنے صفات سے دوسروں پر اپنا وقار جمائے۔

(یزید، ضحاک، زیاد، شریک، شمس وغیرہ آتے ہیں)

یزید۔ آپ لوگ دیکھیے، یہ میرا لائق بیٹا ہے۔ جو اپنے باپ کو کتے سے بھی زیادہ ناپاک سمجھتا ہے۔ میری پھولوں کی سیج میں بھی ایک کانٹا ہے۔ میرے نعمتوں کے خوان پر یہی ایک مکھی ہے۔ آپ لوگ اسے سمجھائیں۔ اِسے قائل کریں۔ اس لیے میں نے اُسے یہاں بلایا ہے۔ اس کو سمجھایئے کہ خلیفہ کے لیے دین داری سے زیادہ ملک داری کی ضرورت ہے۔ دین ملاؤں کے لیے ہے بادشاہوں کے لیے نہیں۔ دین داری و ملک داری دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ایک ہی ذات میں دونوں ممکن نہیں۔

معاویہ۔ اگر حکومت کرنے کے لیے دین اور حق کا خون کرنا ضروری ہے تو میں گداگری کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں۔ ملک داری کا منشا انصاف اور صداقت کی حفاظت کرنا ہے۔ اُس کا خون کرنا نہیں۔

یزید۔ آپ لوگ سُنتے ہیں۔ اِس کی باتیں یہ مجھے ملک داری کا سبق سِکھا رہا ہے۔ اِس کے سر سے ابھی سودا نہیں گیا۔ اسے پھر وہیں لے جاؤ۔ ایسے آدمی کو آزاد رکھنا خطرناک ہے۔ خواہ وہ تخت کا وارث ہی کیوں نہ ہو۔ بعض حالتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جب انسان کو اپنے ہی سے بچانا ضروری ہوتا ہے۔ دیوانہ کو نہ روکو تو اپنا گوشت نوچ ڈالتا ہے۔ (غلام معاویہ کو لے جاتا ہے) زیاد اب تم اپنی داستان کہو۔ جب تک تم مجھے اس کا یقین نہ دِلا دوگے کہ تم کوفہ سے اپنی جان کے خوف سے نہیں میرے فائدے کے خیال سے آئے ہو، میں تمھیں صاف کہوں گا۔ ایسے نازک موقع پر جب شہر میں بغاوت کا ہنگامہ گرم ہو، سلطنت کے ہرایک ملازم کا خواہ وہ صوبہ کا عامل ہو یا شاہی محل کا دربان یہی فرض ہے کہ وہ اپنی جگہ پر آخر تک کھڑا رہے۔ خواہ اُس کا جسم تیروں سے چھلنی کیوں نہ ہوجائے۔

زیاد۔ اَے خلیفہ میں اپنے فرض سے واقف ہوں۔ لیکن میں صرف یہ عرض کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ اس وقت رعایا پر سختی کرنے سے حالت اور بھی نازک ہوجائے گی۔ جب سلطنت کو کسی دوسرے مدّعی کا خوف ہو تو بادشاہ کو رعایا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرکے انھیں اپنا دوست بنا لینا مناسب ہے۔ باغی رعایا تنکے کی طرح ہے۔ جو ایک چنگاری سے جل اُٹھتی ہے۔ میری عرض ہے کہ ہمیں اس وقت رعایا کا دل

اپنے ہاتھ میں کرلینا چاہیے۔ اُن کی گردنیں احسان سے دَبا دینی چاہیں تاکہ وہ سر نہ اُٹھا سکیں۔

یزید۔ میری فوج باغیوں کا سر کچلنے کے لیے کافی ہے۔

رومی۔ نازک موقع پر اگر کوئی چیز سلطنت کو بچاسکتی ہے تو یہ سختی ہے، شاید اور کسی حالت میں سختی کی اِتنی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی۔

ضحاک۔ بادشاہ کی رعایا اُس کی زوجہ کی طرح ہے۔ زوجہ پر ہم نثار ہوتے ہیں۔ اُس کے تلوے سہلاتے ہیں، اُس کی بلائیں لیتے ہیں۔ لیکن جب اُسے کِسی رقیب سے مخاطب ہوتے دیکھتے ہیں، تو اس وقت اس کی بلائیں لیتے ہماری تلوار نیام سے نکل آتی ہے، اور یا تو رقیب کی گردن پر گرتی ہے یا بیوی کی گردن پر یا دونوں کی گردنوں پر۔

رومی۔ بے شک کوفہ کو کچل دو۔ کوفہ کو کوفتہ کر دو۔

یزید۔ کوفہ کو کوفت میں ڈال دو۔ یہاں سے جاتے ہی جاتے فوجی قانون جاری کر دو۔ ایک ہزار آدمیوں کو تیار رکھو۔ جو آدمی ذرا بھی گرم ہو اُسے فوراً قتل کر دو۔ سرداروں کو یکبارگی کرلو۔ فوج کو روزانہ شہر میں گشت کرنے کا حکم دو۔ سب کی زبان بند کردو۔ یہاں تک کہ کوئی شاعر شعر نہ پڑھنے پائے۔ مسجدوں میں خطبے نہ ہونے پائیں۔ مکتبوں میں کوئی لڑکا نہ جانے پائے۔ رئیسوں کو خوب ذلیل کرو۔ ذلت سب سے بڑی سزا ہے۔

(ایک قاصد آتا ہے)

شمس۔ کہاں سے آئے ہو؟

قاصد۔ خلیفہ پر میرا سلام ہو۔ مجھے مکّہ کے امیر نے آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنے کے لیے بھیجا ہے کہ حسینؓ کے چچا زاد بھائی مسلم کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے ہیں۔

یزید۔ کوئی خط بھی لایا ہے؟

قاصد۔ عامل نے خط اس لیے نہیں دیا کہ کہیں میں دشمنوں کے ہاتھ گرفتار نہ ہوجاؤں۔

یزید۔ زیاد تم اِسی وقت کوفہ چلے جاؤ۔ تمھیں میرے سب سے تیز گھوڑے کو لے جانے کا اختیار ہے۔ اگر میرا قابو ہوتا تو تمھیں ہوا کے گھوڑے پر سوار کرتا۔

زیاد۔ خلیفہ پر میری جان نثار ہو۔ مجھے اِس مہم پر جانے سے معاف رکھیے۔ ضحاک یا شمس کو

تعینات فرمائیں۔

یزید۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنی ایک آنکھ پھوڑ لوں۔

رومی۔ آخر تم کیا چاہتے ہو۔

زیاد۔ میرا سوال صرف یہ ہے کہ اس موقع پر رعایا کے ساتھ ملائمت کا برتاؤ کیا جائے۔ سرداروں کو جاگیریں دی جائیں۔ اِن کے وظیفے بڑھائے جائیں۔ یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کا انتظام کیا جائے۔ میں نے کوفہ والوں کی خصلت کا غور سے مطالعہ کیا ہے۔ وہ حیادار نہیں ہیں۔ چند خاص آدمیوں کو چھوڑکر سب کے سب طمّاع اور خودغرض ہیں۔ بات پر قائم رہنے کا ان کا شعار نہیں۔ شان کا قائم رکھنا ان کی خو نہیں۔ قلیل نفع کی غَرض سے بھائی بھائی کے خون پر تیار ہوجاتا ہے۔ کُتّوں کو دور کرنے کے لیے لاٹھی سے زیادہ مفید ہڈی کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ سب کے سب اُس پر ٹوٹ پڑتے اور ایک دوسرے کو جھنجھوڑ کھاتے ہیں۔ خلیفہ کا خزانہ دس بیس ہزار دیناروں کے نکل جانے سے خالی نہ ہوجائے گا۔ مگر ایک قوم ہمارے ہاتھ آجائے گی۔ سختی کمزوروں کے حق میں وہی کام کرتی ہے۔ جو بل تنکوں کے ساتھ ہم ان بلوں کے بدلے ہَوا کے ایک جھونکے سے تنکوں کو بکھیر سکتے ہیں۔ فوج سے فوج پامال کی جاسکتی ہے۔ ایک قوم نہیں۔

رومی۔ میں تو ہمیشہ سختی کا حامی رہا اور رہوں گا۔

شریک۔ کامل وہ حکیم ہے جو مریض کے مزاج کے مطابق دوائیں تبدیل کرتا رہے۔ آپ نے اُس حکیم کا قصہ نہیں سُنا جو ہمیشہ فصد کھولنے کی تجویز کیا کرتا تھا ایک بار ایک دیوانہ کی فصد کھولنے گیا۔ دیوانہ نے حکیم کی گردن اس زور سے دبائی کہ حکیم صاحب کی زبان باہر نکل آئی۔ ملک داری کے آئین موقع اور ضرورت کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔

یزید۔ زیاد میں اس معاملہ میں تمھیں مختار بناتا ہوں۔ مجھے بھی کچھ کچھ اندیشہ ہورہا ہے کہ کہیں حسینؑ کے وعدے کوفہ والوں کو فریفتہ نہ کرلیں۔ تم جو مناسب سمجھو کرو۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر کوفہ گیا تو تمھاری جان اُس کے ساتھ جائے گی۔ یہ شرط منظور ہے؟

زیاد۔ منظور ہے۔

یزید۔ حُر کو تاکید کردو کہ بہت نہ بڑھے اور مسلم کو اِس طرح تلاش کرے، جیسے کوئی بخیل اپنی کھوئی ہوئی مُرغی تلاش کرتا ہے۔ تمھاری نرمی کمزوری کی نرمی نہیں ہونی چاہیے، جِسے خوشامد کہتے ہیں۔ اس میں حکومت کی شان قائم رہنی چاہیے۔ بس جاؤ۔

(زیاد، شریک اور قاصد چلے جاتے ہیں)

ضحاک۔ نرگس کو بلاؤ ذرا غم غلط کرے۔ (غلام کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ لے کر) یہ میری فتح کا جام ہے۔

رومی۔ مبارک ہو (دل میں) زیاد تمھیں ڈبا دے گا۔ تب نرمی کا مزا معلوم ہوگا۔

(نرگس ضحاک کی پیٹھ پر بیٹھی ہوئی آتی ہے)

یزید۔ شاباش نرگس۔ شاباش کیا خوب خچر ہے۔ اِس کی کوئی تشبیہ دینا شمس۔

شمس۔ مُرغ کے سَر پر تاج ہے۔

رومی۔ لید پر مکھّی بیٹھی ہوئی ہے۔

نرگس۔ (گردن سے کود کر) لاحول و لا قوۃ۔

یزید۔ واللہ اِس تشبیہ سے دل خوش ہوگیا۔ نرگس بس اِسی بات پر ایک مستانہ غزل سُناؤ۔ خدا تمھارے دیوانوں کو تم پر نثار کرے۔

(نرگس گاتی ہے)

(پردہ گرتا ہے)

چھٹا سین

شام کا وقت ہے۔ آفتاب غروب ہوچکا ہے، کوفہ کے کئی ساربان اُونٹوں کا گلّہ لیے داخل ہو رہے ہیں۔

پہلا۔ یار گلیوں سے چلنا، نہیں تو کسی سپاہی کی نظر پڑجائے گی تو مہینوں بیگار جھیلنی ہو گی۔

دوسرا۔ ہاں ہاں سب بَلا کے مُوذی ہیں۔ کچھ لادنے کو نہیں ہوتا تو یوں ہی بیٹھ جاتے ہیں اور دس بیس کوس کا چکّر لگاکر لوٹ آتے ہیں۔ ایسا اندھیر پہلے کبھی نہ ہوتا تھا۔ مزدوری تو بھاڑ میں گئی۔ اُوپر سے لات اور گالیاں کھاؤ۔

تیسرا۔ یہ سب پیسہ کمانے کے ہتھکنڈے ہیں۔ نہ معلوم کہاں کے کُتّے آکر سپاہیوں میں داخل ہوگئے ہیں۔ چھوٹے بڑے سب کے سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہیں۔

چوتھا۔ امیر کے پاس فریاد لے کر جاؤ تو اُلٹے اور بوچھاڑ پڑتی ہے۔ عجیب مصیبت کا سامنا ہے۔ حضرت امام حسینؑ جب تک نہ آئیں گے۔ ہمارے سَر سے یہ بَلا نہ جائے گی۔

(حضرت مسلم پیچھے سے آتے ہیں)

مسلم۔ کیوں دوستو! اس شہر میں کوئی خدا کا بندہ ایسا ہے، جس کے یہاں مُسافروں کے ٹھہرنے کو جگہ مِل جائے؟

پہلا۔ یہاں کے رئیسوں کی کچھ نہ پوچھو۔ کہنے کو دو چار بڑے آدمی ہیں مگر کسی کے یہاں پوری مزدوری نہیں ملتی۔ ہاں ذرا گالیاں کم دیتے ہیں۔

مسلم۔ سارے شہر میں ایک بھی سچّا مسلمان نہیں ہے؟

دوسرا۔ جناب یہاں شہر کے قاضی تو ہیں نہیں۔ ہاں مختار کی نسبت سُنتے ہیں کہ بڑے دین دار آدمی ہیں۔ حیثیت تو ایسی نہیں، مگر خدا نے ہمت دی ہے۔ کوئی غریب چلا جائے تو بھوکا نہ لوٹے گا۔

تیسرا۔ سُنا ہے اُن کی جاگیر ضبط کرلی گئی ہے۔

مسلم۔ یہ کیوں؟

تیسرا۔ اِسی وجہ سے کہ اَب تک انھوں نے یزید کی بیعت نہیں لی۔

مُسلم۔ تم میں سے کوئی مجھے اُن کے گھر تک پہنچاسکتا ہے۔

چوتھا۔ جناب! یہ اُونٹنیوں کے دوہنے کا وقت ہے۔ ہمیں فرصت نہیں۔ سیدھے چلے جائیے۔
آگے لال مسجد ہے، وہی اُن کا مکان ہے۔

مسلم۔ خدا تم پر رحمت نازل فرمائے۔ اَب چلا جاؤں گا۔

(پردہ بدلتا ہے مسجد کے قریب مختار کا مکان)

مسلم۔ (ایک بڈھے سے) یہی مختار کا مکان ہے نہ؟

بڈھا۔ جی ہاں، غریب ہی کا نام مختار ہے۔ آیئے کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

مسلم۔ مکّہ شریف سے۔

مختار۔ (مسلم کے گلے مل کر) معاف فرمایئے گا۔ ضعیف کی بینائی شرابیوں کی توبہ کی طرح
کمزور ہوتی ہے۔ آج بڑا مبارک دن ہے۔ بارے حضرت نے ہماری فریاد سُن لی۔
خیریت سے ہیں نہ؟

مسلم۔ (خط نکال کر مختار کو دیتے ہیں) اِس میں انھوں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔

مختار۔ (خط کو چھاتی اور آنکھوں کو لگاکر پڑھتے ہیں) خوشا نصیب کہ حضرتؑ کے قدموں سے
یہ شہر پاک ہوگا۔ میری بیعت حاضر ہے اور میرے دوستوں کی طرف سے بھی کوئی
اندیشہ نہیں۔

(غلام کو بُلاتا ہے)

غلام۔ جناب نے کیا یاد فرمایا؟

مختار۔ دیکھو اِسی وقت حارث، حجاج، سلیمان، شمر، قیس، اشعث اور ہانی کے مکان پر جاؤ۔ اور
میرا یہ رقعہ دِکھاکر جواب لاؤ۔

(غلام رُقعہ لے کر چلا جاتا ہے)

پہلے مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کا کوئی قاصد آئے گا تو میں شاید دیوانہ
ہوجاؤں گا۔ مگر اِس وقت آپ کو سامنے دیکھ کر بھی خاموش بیٹھا ہوا ہوں۔ کسی شاعر نے
سچ کہا ہے۔

جو مزا اِنتظار میں دیکھا ☆ نہ کبھی وصلِ یار میں دیکھا

جنت کا خیال کتنا دل فریب ہے۔ مگر شاید اِس میں داخل ہونے پر اتنی خوشی نہ رہے۔ آیئے نماز ادا کرلیں۔ اس کے بعد کچھ آرام فرما لیجیے۔ پھر دَم مارنے کی فرصت نہ مِلے گی۔

(دونوں مکان کے اندر چلے جاتے ہیں، پردہ بدلتا ہے۔ مسلم اور مختار بیٹھے ہوئے ہیں)

مسلم۔ کتنے آدمی بیعت کے لیے تیار ہیں؟

مختار۔ دیکھیے سب ابھی آجاتے ہیں۔ اگر[1] یزید کی جانب سے ظلم اور سختیاں اِسی طرح ہوتی رہیں تو ہمارے مددگار کی تعداد روزانہ بڑھتی جائے گی۔ لیکن کہیں اُس نے دِل جوئی شروع کردی تو ہمیں اتنی آسانی سے کامیابی نہ ہوگی۔

(سلیمان کا آنا)

سلیمان۔ السلام علیک حضرت مسلم۔ آپ کے دیدار سے آنکھیں روشن ہوگئیں۔ میرے قبیلہ کے ایک سو آدمی جناب کے ہاتھ پر بیعت لینے کو حاضر ہیں اور ان میں ایک بشر بھی ایسا نہیں، جو بات پر مرمٹنے والا نہ ہو۔

مسلم۔ آپ کو خدا نجات دے۔ اُن آدمیوں سے فرمایئے، کل جامع مسجد میں جمع ہوں۔ آپ کا خط پڑھ کر بھائی صاحب بے قرار ہوگئے۔ انھوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ مزارِ رسولؐ کی خاکروبی کر کے زندگی صرف کردیں، پر آپ کے آخری خط نے ان کے خیالات میں ہیجان پیدا کردیا۔ سائل کی حمایت سے وہ ہرگز منہ نہیں موڑ سکتے۔

(اشعث، قیس، شمر، سعد اور حجاج کا آنا)

اشعث۔ السلام علیک حضرت مسلم۔ آپ کے دیدار سے جگر ٹھنڈا ہوگیا۔

قیس۔ السلام علیک۔ آپ کے قدموں سے ہمارے خانہ ہائے ویران آباد ہوگئے۔

حجاج۔ السلام علیک۔ جناب کی تشریف آوری ہمارے تنِ بے جاں کے لیے مسیحا کا کام کرگئی۔

مسلم۔ (سب سے گلے مِل کر) حضرت امام نے مجھے یہ خط دے کر آپ اصحاب کی خدمت میں روانہ کیا ہے۔

(شمر خط لے کر بہ آواز بلند پڑھتا ہے اور سب لوگ سر جُھکائے ہوئے سُنتے ہیں)

اشعث۔ ہمارے زہے نصیب۔ میں تو دسترخوان پر تھا۔ حضور کے آنے کی خبر پاتے ہی

شرفِ زیارت کے لیے دوڑا آیا۔

حجاج۔ میں تو ابھی بصرہ سے لوٹا ہوں۔ دَم بھی نہ مارنے پایا تھا کہ جناب کے تشریف لانے کی خبر پائی۔ میرے قبیلہ کے صدہا آدمی شرفِ بیعت کے لیے باہر کھڑے ہیں۔

مسلم۔ اِن لوگوں کو کل جامع مسجد میں طلب فرمایئے۔

شمر۔ وہ کون سا دِن ہوگا کہ ملعون یزید کے ظلم سے ہمیں نجات ہوگی۔

اشعث۔ آنحضرت نے ہم مظلوموں کی فریاد سُن لی۔ ہماری عین خوش نصیبی۔

قیس۔ ہمارے قسمت کے ستارے اب روشن ہوں گے۔ میری دلی تمنا ہے کہ زیاد کا سر اپنے پیروں کے نیچے دیکھوں۔

(ہانی، اشعث کا آنا)

ہانی۔ "یا برادر حسینؑ، آپ کے اُوپر خدا کی رحمت ہو۔"

کثیر۔ ہم تو حضور کے لیے چشم براہ تھے۔

مسلم۔ بھائی صاحب نے مجھے یہ خط دے کر آپ حضرات کی خدمت میں روانہ کیا ہے۔

(ہانی خط لے کر آنکھوں سے لگاتا ہے۔ اور آنکھوں پر عینک لگاکر پڑھتا ہے)

شمر۔ اب زیاد کی خبر لوں گا۔

کثیر۔ میں تو یزید کی آنکھوں پر مرچ ڈال کر اُس کا تڑپنا دیکھوں گا۔

مسلم۔ آپ لوگ بھی کل اپنے قبیلہ والوں کو جامع مسجد میں طلب فرمائیں۔ کل تین چار ہزار آدمی تو جمع ہوجائیں گے؟"

اشعث۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو اِس کے دس گنے آدمی جمع ہوجائیں گے۔

ہانی۔ آلِ رسولؐ کی شان ہی اور ہے۔ وہ حُسن، وہ اخلاق، وہ شرافت اور کہیں نظر ہی نہیں آتی۔

قیس۔ یزید کو دیکھو خاصا آبنوس کا کُنڈا معلوم ہوتا ہے۔

مسلم۔ آپ لوگ اپنے اپنے قبیلوں کو تیار رکھیں۔ تاکہ جو لوگ اس وقت یہاں نہ ہوں وہ بھی آجائیں۔

(سب لوگ رُخصت ہوتے ہیں)

مسلم۔ (دل میں) یہ سبھی حضرات کوفے کے نامی سردار ہیں۔ ہماری فتح یقینی ہے۔ بیس ہزار آدمیوں کی بیعت مل گئی تو پھر حضرت حسینؑ کو مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے سے کون روک سکتا ہے۔

ساتواں سین

(کوفہ کے چوک میں کئی دُکان دار باتیں کررہے ہیں)

پہلا۔ سُنا آج حضرت حسینؑ تشریف لانے والے ہیں۔

دُوسرا۔ ہاں، کل مختار کے مکان پر بڑا جمگھٹ تھا۔ مکّہ سے کوئی صاحب اُن کے یہاں آنے کی خبر لائے ہیں۔

تیسرا۔ خدا کرے، جلد آئیں۔ کسی طرح اِن ظالموں سے نجات تو ہو۔ میں نے یزید کی بیعت تو کرلی ہے، لیکن حضرت حسینؑ آئیں گے تو پر جھاڑکر الگ ہوجاؤں گا۔

چوتھا۔ لوگ کہتے تھے۔ حضرت بڑے دھوم دھام سے آرہے ہیں۔ پیدل، سوار، خیمے سب ساتھ ہیں۔

پہلا۔ دُکان بڑھاؤ۔ ہم لوگ بھی چلیں۔ تقدیر میں جو کچھ بِکنا تھا بِک چُکا۔ عاقبت کی بھی تو کچھ فکر کرنی چاہیے۔ (چونک کر) اَرے یہ باجے کی آوازیں کہاں سے آرہی ہیں؟

دُوسرا۔ آگئے شاید!

(سب دوڑکر جاتے ہیں۔ زیاد کا جلوس سامنے سے آتا ہے۔ زیاد چوک میں ممبر پر کھڑا ہوجاتا ہے)

کئی آوازیں۔ "مبارک ہو، مبارک ہو یا حضرت حسینؑ!"

زیاد۔ دوستو میں حضرت حسینؑ نہیں ہوں۔ حسینؑ کا اَدنیٰ غلام۔ رسولؐ پاک کے قدموں پر نثار ہونے والا آپ کا ناچیز خادم بن زیاد ہوں۔

ایک آواز۔ زیاد ہے! ملعون زیاد ہے!

دوسری آواز۔ گرا دو مردُود کو! ممبر سے اُتار دو ملعون کو!

تیسرا۔ لگا دو تیر کا نشانہ، ظالم کی زبان بند ہوجائے۔ مکّار!

چوتھا۔ خاموش، خاموش۔ سُنو کیا کہتا ہے۔

زیاد۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ میں ظالم ہوں تو بے شک مجھے تیر کا نشانہ بنائیے۔ سنگسار کیجیے۔ گردن ماریئے، حاضر ہوں۔ بے شک ظالم گردن زدنی ہے۔ اور جو ظلم برداشت کرے، وہ بے غیرت ہے۔

کئی آوازیں۔ سُنو، سُنو، خاموش!

زیاد۔ ہاں، میں غیرت اور غرور سے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ یہی وہ وقت ہے، جو کسی قوم کو ظالم کے ہاتھ سے بچاسکتی ہے۔ خدا کے لیے اس ظلم کی ناقدری نہ کیجیے جس نے آپ کی غیرت کو بیدار کیا۔ یہی میرا منشاء تھا۔ یزید کا منشا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ ہماری تمنا پوری ہوئی۔ اَب ہمیں یقینِ کامل ہوگیا، کہ ہم آپ کے اُوپر اعتماد کرسکتے ہیں۔ ظالم اُستاد کی بھی زندگی میں کبھی کبھی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت حسینؑ جیسا پاک طینت۔ دین دار۔ فرشتہ خصال آپ کو یہ سبق نہ دے سکتا تھا۔ یہ ہم جیسے کورباطن، بے دین اور خود پرور آدمیوں ہی کا کام تھا۔ لیکن ہماری نیّت خراب نہ تھی۔ اگر ہماری نیّت خراب ہوتی تو اِس وقت آپ مجھے یہاں اِن رعایتوں کا اذنِ عام کرتے نہ دیکھتے جو میں ابھی ابھی کرنے والا ہوں۔ ان اعلانوں سے آپ کو میرے قول کی صداقت روشن ہوجائے گی۔

کئی آوازیں۔ خاموش۔ خاموش۔ سنو۔ سنو۔

زیاد۔ خلیفہ یزید کا حکم ہے کہ کوفہ اور بصرہ کا ہرایک بالغ مرد خزانہ عامرہ سے پانچ سو دِرہم سالانہ وظیفہ پائے۔

کئی آوازیں۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

زیاد۔ اور کوفہ اور بصرہ کی ہر ایک بالغ عورت کو تا وقتِ نکاح دو سو درہم سالانہ عطا کیا جائے۔

کئی آوازیں۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

زِیاد۔ اور ہرایک بیوہ عورت کو سو درہم سالانہ دیا جائے۔ جب تک موت اس کی زندگی کا خاتمہ نہ کردے یا نکاح ثانی اس کی بیوگی اور بے چارگی کا۔

کئی آوازیں۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

زیاد۔ یہ میرے ہاتھ میں خلیفہ کا فرمان ہے۔ جسے یقین نہ آئے، آکر خود دیکھ لے۔ ہرایک یتیم کو تا سِن بلوغ ایک سو درہم سالانہ مقرر کیاگیا ہے۔ ہرایک جوان مرد اور عورت کو نکاح کے وقت ایک ہزار درہم یک مشت اخراجات کے لیے عطا کیے جائیں گے۔

بہت سی آوازیں۔ خدا خلیفہ پر اپنی برکتوں کی بارش کرے، کتنی فیاضی کی ہے!

زیاد۔ ابھی اور سُنیے اور تب فیصلہ کیجیے کہ یزید ظالم ہے یا رعایا پرور؟ اِس کا حکم ہے کہ ہر قبیلہ کے سردار کو ساحلِ دریا کی اتنی زمین عطا کی جائے، جتنی دُور اُس کا تیر جاسکے۔

بہت سی آوازیں۔ ہم خلیفہ یزید کی بیعت قبول کرتے ہیں۔ یزید ہمارا خلیفہ اور ہمارا پشت پناہ ہے۔

زیاد۔ نہیں، یزید بیعت کے لیے آپ کو رشوت نہیں دیتا۔ بیعت قبول کرنا یا نہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔ یزید حضرت حسینؑ کا مخالف نہیں بننا چاہتا۔ اُس کا حکم ہے کہ ندیوں کے معبدوں کا محصول معاف کر دیا جائے۔

بہت سی آوازیں۔ ہم یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔

زیاد۔ نہیں، یزید کبھی حضرت حسینؑ کے حقوق کو زائل نہ کرے گا۔ حُسینؑ عالم و فاضل ہیں۔ عابد ہیں۔ زاہد ہیں۔ یزید کو اُن میں سے کوئی صفت رکھنے کا دعویٰ نہیں۔ یزید میں اگر کوئی صفت ہے تو وہ یہی کہ ظلم کرنا جانتا ہے۔ خاص کر نازک موقعہ پر، جب جان اور مال کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو۔ جب سبھی اپنے اپنے حقوق اور دعویٰ پیش کرنے میں مصروف ہوں۔ کسی کو یہ خیال نہ رہے کہ رعایا پر کیا گذر رہی ہے۔

زیاد۔ سوچیے اور غور سے سوچیے۔ اگر خلافت کے دُوسرے دعویداروں کی طرح یزید بھی کسی گوشۂ عافیت میں بیٹھا ہوا بیعت کے لیے ریشہ دوانیاں کیا کرتا تو آج ملک کی کیا حالت ہوتی۔ آپ کے جان و مال کی کون حفاظت کرتا؟ کون اِس ملک کو باہر کے حملوں اور اندر کی خانہ جنگیوں سے بچاتا؟ کون عام شاہراہوں اور بندرگاہوں کو قزاقوں سے محفوظ رکھتا۔ کون قوم کی بہو بیٹیوں کی عزت و حرمت کا ذمہ دار ہوتا؟ جس ایک فرد کی ذات نے اتنی عظیم ذمہ داریاں اپنے سر لی ہوں، جس ایک فرد کی ذات سے آپ کو اِتنے فیوض حاصل ہوئے ہیں، جِس نے بیعت کی نسبت قوم کی حفاظت زیادہ ضروری سمجھی ہو، کیا وہ اسی قابل ہے کہ اُسے ملعون اور مردُود کہا جائے؟ اُسے سربازار گالیاں دی جائیں؟

ایک آواز۔ خدا ہمارے گناہوں کو معاف کرے۔ ہم سے بڑی تقصیر ہوئی۔ ہم بہت نادم ہیں۔

شمر۔ ہم نے خلیفہ یزید کے ساتھ بڑی بے انصافی کی ہے۔
زیاد۔ ہاں۔ آپ نے ضرور بے اِنصافی کی ہے۔ میں یہ کہنے کے لیے آپ کی معافی کا طالب نہیں ہوں۔ ایسا شخص اس سے کہیں اچھے برتاؤ کا مستحق تھا۔ حسینؑ کی عزت یزید کے اور میرے دل میں اِس سے جَو بھر بھی کم نہیں ہے۔ جتنی اور کسی کے دل میں ہوگی۔ اگر آپ انھیں اپنا خلیفہ تسلیم کرنا چاہیں تو آپ کو مبارک ہو۔ ہم خوش ہمارا خدا خوش! یزید سب سے پہلے ان کی بیعت منظور کرے گا۔ اِس کے بعد میں ہوں گا۔ رسولؐ پاک نے خلافت کے لیے انتخاب کی شرط لگا دی ہے۔ مگر حسینؑ کے لیے اس کی قید نہیں!
قیس۔ انتخاب کی قید ہر شخص کے لیے ہے۔ اِس سے کوئی مستثنےٰ نہیں۔
زیاد۔ اگر ہے تو انتخاب کا اِس سے بہتر اور کون موقعہ ہوگا۔ آپ اپنی رضا و رغبت سے کسی کا لحاظ یا مروّت کیے بغیر جسے چاہیں خلیفہ بنالیں۔ میں کثرت رائے کے سامنے سر تسلیم خم کرکے یزید کو اس کی اطلاع دے دوں گا۔
ایک طرف سے آوازیں۔ ہم یزید کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔
دُوسری طرف سے آوازیں۔ ہم یزید کی بیعت قبول کرتے ہیں۔
تیسری طرف سے۔ یزید۔ یزید۔ یزید۔
زیاد۔ خاموش، اَب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ حضرت حسینؑ کے نام پر کون لوگ صاد کرتے ہیں؟ میں کسی پر جبر نہیں کرتا، ہر شخص کو یہاں کامل آزادی سے اپنی رائے ظاہر کرنے کا مجاز ہے۔

(کوئی آواز نہیں آتی)

زیاد۔ آپ لوگ خاموش کیوں ہیں۔ کیا اِس مجمع کثیر میں ایک فرد بھی حضرت حسینؑ کا مداح نہیں؟

(کوئی آواز نہیں آتی)

زیاد۔ آپ جانتے ہیں یزید عابد نہیں۔
کئی آوازیں۔ ہمیں عابد کی ضرورت نہیں۔
زیاد۔ یزید عالم نہیں، فاضل نہیں، حافظ نہیں۔

کئی آوازیں۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں۔

حجاج۔ کتنی لاثانی فیاضی ہے۔

شمر۔ کسی خلیفہ نے اتنی فیاضی نہیں دکھائی۔

کثیر۔ عابد اکثر بخیل ہوتا ہے۔

اشعث۔ اجی کچھ نہ پوچھو۔ مسجد کے ملاؤں کو دیکھو، روٹیوں پر جان دیتے ہیں۔

زیاد۔ اچھا آپ نے تو یزید کو خلیفہ تسلیم کرلیا، لیکن فرض کیا حجاز، مصر، یمن، اور شام کے لوگ کسی اور کو خلیفہ بنائیں تو؟

بہت سی آوازیں۔ ہم خلیفہ یزید کے لیے جانیں قربان کردیں گے۔

زیاد۔ بہت ممکن ہے۔ حضرت حسینؓ ہی کو وہ لوگ اپنا خلیفہ بنائیں۔ کیا اس حالت میں بھی آپ اپنا عہد پورا کریں گے۔

بہت سی آوازیں۔ مَردوں کا قول جان کے ساتھ ہے۔ یزید کے سوا دوسرا خلیفہ نہیں ہوسکتا۔

زیاد۔ میں نے سُنا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو آپ کی بیعت لینے کے لیے بھیجا ہے۔ اور شاید خود بھی آرہے ہیں۔ یزید کو گوشے میں بیٹھ کر خدا کی یاد کرنا اِس سے کہیں خوشگوار ہے کہ وہ خانۂ اسلام میں نفاق و شقاق کی آگ بھڑکائیں، ابھی موقعہ ہے۔ آپ لوگ خوب غور کرلیں۔

شمر۔ خوب غور کرلیا۔

حجاج۔ حضرت حسینؓ کو جانے کیوں خلافت کی ہَوس دامن گیر ہے۔ بیٹھے ہوئے خدا کی یاد کیوں نہیں کرتے۔

قیس۔ حسینؓ اہل مدینہ کے ساتھ جو مراعات کریں گے، وہ ہمارے ساتھ کبھی نہیں کرسکتے۔

اشعث۔ کاش ہم سے پہلے غلطی نہ ہوتی!

زیاد۔ اگر آپ چاہتے ہیں، ملک میں اَمن و اَمان رہے تو خبردار اس وقت ایک متنفس بھی جامع مسجد میں نہ جائیے۔ حضرت حُسینؓ آئیں ہمارے سراور آنکھوں پر ہم ان کی تعظیم کریں گے۔ لیکن اگر انھوں نے خلافت کا دعویٰ کیا، تو ہمیں امن قائم رکھنے کے لیے آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ وہی آپ کی آزمائش کا وقت ہوگا۔ اور اس

میں پورے اُترنے پر اسلام کی زندگی کا دارومدار ہے۔

(زیاد ممبر سے اتر آتا ہے)

اشعث۔ بڑی غلطی ہوئی کہ حسینؑ کو خط لکھا۔

شمر۔ میں تو جامع مسجد نہ جاؤں گا۔

قیس۔ یہاں کون جاتا ہے۔

اشعث۔ کاش! انھیں رعایتوں کا چند روز قبل اعلان کردیا ہوتا تو خط لکھنے کی نوبت ہی کیوں آتی۔

شمر۔ دین کی فکر موٹے آدمی کریں۔ یہاں دُنیا کی فکر کافی ہے۔

(رفتہ رفتہ مجمع منتشر ہوتا جاتا ہے)

آٹھواں سین

(نو بجے رات کا وقت۔ کوفہ کی جامع مسجد ۔ مسلم، مختار، سلیمان اور ہانی بیٹھے ہوئے ہیں)

سلیمان۔ اَب تک لوگ نہیں آئے!

ہانی۔ اَب آنے کی اُمید کم ہے۔

مختار۔ آج زیاد کا واپس آنا ستم ہوگیا۔ اُس نے لوگوں کو وعدوں کے خوب سبز باغ دِکھائے ہوں گے۔

سلیمان۔ یہی تو آئینِ سیاست مشہور ہے۔

مسلم۔ ظالموں نے آئینِ سیاست کو آئینِ حق سے بالکل علاحدہ کر دیا ہے۔

سلیمان۔ حضرت مُسلم۔ اَب آپ اپنی تقریر شروع فرمائیں۔ شاید لوگ جمع ہوجائیں۔

(مسلم منبر پر کھڑے ہوکر تقریر کرتے ہیں)

شکر ہے، اِس خدائے پاک کا جس نے ہمیں آج دینِ اسلام کے لیے ایک ایسے بُزرگ کو خلیفہ انتخاب کرنے کا موقعہ دیا ہے، جو اسلام کا سچّا دوست ہے......

(بہت سے آدمی مسجد میں گھُس پڑتے ہیں)

بس حضرت مُسلم زبان بند کیجیے۔ آپ کے لیے اب یہی مناسب ہے کہ بہ یک بنی و دوگوش مدینہ کی راہ لیں۔ یزید ہمارا خلیفہ ہے اور زیاد ہمارا امام ہے۔

سلیمان۔ مجھے معلوم ہے کہ زیاد نے تمھاری پیٹھ پر آج خوب ہاتھ پھیرے ہیں اور ہری ہری گھاس دِکھائی ہے۔ پر یاد رکھو، اِس ہریالی کے نیچے خندق ہے۔

(باہر سے اینٹ اور پتھر کی بارش ہونے لگتی ہے)

مارو مارو، یہ قوم کا دُشمن ہے۔

سلیمان۔ ظالمو! یہ خانۂ خدا ہے۔ اُس کی حرمت کا تو خیال رکھو۔

"خانۂ خدا نہیں، دُشمنانِ اسلام کا مسکن کہو۔ اُن کی زبان تالو سے کھینچ لو۔"

مُسلم۔ اے بدنصیب قوم! اگر تو اِتنی جلد رسولؐ کی ہدایتوں کو فراموش کرسکتی ہے اور تجھ میں نیک و بد کی تمیز نہیں رہی تو دُنیا میں کبھی فروغ نہ پائے گی۔

ایک آواز۔ یہ اسلام کا دشمن ہے۔

دوسری آواز۔ نہیں نہیں۔ یہ حضرت حسینؑ کے چچر بھائی ہیں۔ ان کی توہین مت کرو۔

تیسری آواز۔ انھیں پکڑ کر شہر کی کسی اندھیری گلی میں چھوڑ دو۔ ہم ان کے خون سے ہاتھ نہ رنگیں گے۔

(کئی آدمی مُسلم پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور انھیں کھینچتے ہوئے مسجد کے باہر لے جاتے ہیں)

نواں سین

(ہانی کا مکان۔ مسلم، سلیمان، مختار، ہانی بیٹھے ہوئے ہیں۔ رات کے بارہ بجے ہیں)

مُسلم۔ آپ نے یہ پیش بندی نہ کی ہوتی تو شاید میں زندہ نہ بچتا۔

ہانی۔ اس وقت یہی مصلحت تھی۔ آپ نے دیکھا نہیں مجمع کتنا غضبناک تھا۔ میرے آدمیوں نے آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں دی؟ ایک بار مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ سب دغا کرجائیں، اور میرے گھر کے بجائے آپ کو زیاد کے پاس پہنچا دیں، تو غضب ہی ہوجائے۔ مگر اندیشہ غلط تھا۔ میرے غلام وفادار ہیں۔

(شریک آتے ہیں)

شریک۔ السّلام علیک یا حضرت مسلم۔ میں بھی حضرت حسینؓ کے غلاموں میں ہوں۔

ہانی۔ کیوں حضرت مسلم۔ آپ نے شریک کا نام تو سُنا ہی ہوگا۔ آپ حضرت علیؓ کے پُرانے خادم ہیں، اور اُن کی شان میں کئی قصیدے کہہ چکے ہیں۔

مُسلم۔ (شریک سے گلے مل کر) ایسا بدنصیب کون ہے، جس نے آپ کے پاکیزہ کلام سے فیض نہ اُٹھایا ہو۔ شکر ہے آپ سے نیاز حاصل ہوا۔

شریک۔ زِیاد نے تو آج لوگوں کو خوب سبز باغ دِکھائے۔ اُس کی تقریر کا اَثر حیرت انگیز تھا۔ قسم معبود کی میں اہلِ کوفہ کو اس درجہ حریص اور خودغرض نہ سمجھتا تھا۔ اب تو ہمیں بھی دغا کا جواب فریب سے دینا چاہیے۔

مُسلم۔ کیوں کر؟

شریک۔ نہایت آسان ہے۔ زیاد سے میری پُرانی راہ ورسم ہے۔ میں اُسے لکھوں گا کہ تمھارا یہ رفیق بسترِ مرگ پر پڑا ہوا ہے۔ شاید اسے پھر اُٹھنا نصیب نہ ہو۔ ملاقات کا بے حد اشتیاق ہے۔ زیاد دوست نواز آدمی ہے۔ فوراً میری مزاج پُرسی کے لیے آئے گا۔ آپ وہیں چھپے بیٹھے رہیں۔ ایک وار میں کام تمام کردیں۔

مسلم۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو مسلمان کا خون حرام ہے۔

شریک۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بے دین کو پناہ دینا سانپ پالنا ہے۔

حضرت! حق کا راستہ رہزنوں سے خالی نہیں۔ اگر آپ حق کی حمایت کرنا چاہتے ہیں۔ تو رہزنوں کا استیصال کرنا ہوگا۔ اس مسئلہ کے ہرایک پہلو پر غور فرمایئے۔

(باہر سے کوفیوں کا ایک مجمع دروازہ توڑکر اندر آجاتا ہے)

ایک آواز۔ حضرت مُسلم کہاں ہیں؟

دوسری آواز۔ ہم اِس دُشمنِ قوم کو شہر بدر کرنا چاہتے ہیں۔

تیسری۔ دوڑو! مسلم وہ ہیں۔ انھیں گرفتار کرلو۔

مسلم۔ ہاں میں یہیں ہوں۔ اگر چاہتے ہو تو مجھے قتل کرو (کمر سے تلوار پھینک کر) یہ لو۔ اَب تمھیں مجھ سے کوئی خوف نہیں ہے۔ اگر تمھارا خلیفہ میرے خون کا پیاسا ہے تو یہ سینہ حاضر ہے۔ مگر خدا کے لیے حضرت حسینؓ کو لِکھ دو کہ آپ یہاں نہ آئیں۔ اُنھیں خلافت کی ہوس نہیں ہے۔ اُن کا منشا صرف آپ کی حمایت کرنا تھا۔ وہ آپ کے اُوپر اپنی جان نثار کرنا چاہتے تھے۔ ان کے پاس فوج نہیں تھی۔ اسلحے نہیں تھے۔ دولت نہیں تھی۔ محض اسلام کا درد تھا۔ صرف آپ کی فریاد کے زیرِ اثر وہ اپنے گوشۂ عبادت کو چھوڑنے پر آمادہ ہوئے تھے۔ اب آپ کو ان کی ضرورت نہیں ہے، تو انھیں منع کردیجیے کہ یہاں نہ آئیں۔ انھیں بُلاکر شہید کر دینے سے آپ کو بجز ندامت اور افسوس کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ ان کی جان لینی کوئی مشکل کام نہیں۔ یہاں کی کیفیت دیکھ کر وہ شاید خود ہی رُوحانی کوفت سے مرجائیں۔ اگر رسولؐ پر جان دینے والی اُمّت آج ان کے نواسہ کو قتل کرنا چاہتی ہے تو اُسے وہ امت کا انحراف نہیں، اپنا قصور سمجھیں گے۔ اور یہ صدمہ اُن کی جان لینے کو کافی ہے۔ بولیے انھیں اطلاع دے دُوں کہ جن لوگوں کی حمایت کے لیے آپ نے شہید ہونا قبول کیا تھا، وہ اَب آپ کو شہید کرنے کی فکر میں ہیں، آپ اِدھر کا رُخ نہ کریں۔

(کوئی آواز نہیں آتی)

مُسلم۔ خموشی نیم رضا ہے۔

ایک آواز۔ کون کہتا ہے کہ ہم حضرت حُسینؓ کو قتل کرنا چاہتے ہیں؟

مُسلم۔ آپ کہتے ہیں۔ آپ کے اطوار کہتے ہیں، آپ کے تیور کہتے ہیں۔ آپ اپنی غرض

کے غلام ہیں۔ آپ نے اپنا دین اور ایمان، منصب اور جاگیر کے اُوپر قربان کر دیا ہے۔ رسولؐ نے آپ کو ہمیشہ صبر اور قناعت کی تلقین کی۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ وہ کتنی سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کو خلیفہ اوّل کا حال معلوم ہے۔ حضرت فاروقؓ حضرت عثمانؓ آپ کو سادہ اور قانع زندگی کا نمونہ دِکھا گئے۔ اسلام نے دولت کی کبھی پرستش نہیں کی۔ سیم و زر کو کبھی اپنا معبود نہیں بنایا۔ آپ اس اُصول کو بھول گئے، جو توحید کے بعد اسلام کا سب سے پاک اُصول ہے۔ ورنہ آپ وثیقوں اور جاگیروں کے جال میں نہ پھنستے۔ آپ نے ایک لمحہ کے لیے بھی خیال کیا ہے کہ جاگیریں اور وثیقے کِس کے گھر سے آئیں گے؟ آپ پسند کریں گے کہ آپ کی زمینیں آپ سے چھین کر دُوسروں کو دے دیئے جائیں؟ ہرگز نہیں۔ آپ یہ صریح بے انصافی نہ برداشت کریں گے۔ لیکن آپ اَپنے لیے جو نہیں روا رکھتے، وہ دوسروں کے لیے ناروا سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اسلامی رعایا آپ کے لیے پامال کی جائے گی۔ آپ کی ہوس کو خوش کرنے کے لیے آپ کے بھائیوں کا خون بہایا جائے گا۔ اگر یہی آئینِ سیاست ہے، اگر یہی آئینِ حق ہے، اگر یہی آئینِ انسانیت ہے۔ تو اسلام کے بُرے دِن آگئے۔ یہ دین پروری نہیں ہے۔ یہ اخوت نہیں ہے۔ اس کا کچھ اور ہی نام ہے۔

ایک آواز۔ بخدا ہم نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔

مسلم۔ میں یزید کا دُشمن نہیں ہوں۔ میں زیاد کا دُشمن نہیں ہوں۔ میں اسلام کا دوست ہوں۔ جو انسان اسلام کو پیروں تلے کچلتا ہے، وہ یزید ہو، یا زیاد ہو، یا خود حسینؑ ہوں، میں اُس کا دُشمن ہوں، جو شخص قرآن کی اور رسولؐ کی توہین کرتا ہے۔ وہ دُشمن ہے۔

ایک آواز۔ ہم بھی اُس کے دشمن ہیں۔ وہ مسلمان نہیں، کافر ہے۔

مسلم۔ بیشک، اور کوئی مسلمان۔ اگر وہ مُسلمان ہے۔ کافر کو خلیفہ نہ تسلیم کرے گا۔ چاہے وہ اس کا دامن ہیرے و جواہر سے بھردے۔

ایک آواز۔ بیشک، بیشک۔

مسلم۔ کسی مُسلم کے لیے اِس سے بڑی شرم کی بات نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی کو محض دولت

یا حکومت کی بنا پر اپنا خلیفہ تسلیم کرے۔ خلافت کی مقدم شرط ہے۔ شریعت کی پیروی۔ اسلام نے دولت کو ہمیشہ حقیر سمجھا ہے۔ وہ اسلام کے لیے موت کا دن ہوگا۔ جب وہ دولت کے سامنے سر جُھکائے گا۔ خدا ہم کو اور آپ کو وہ دن دیکھنے کے لیے زندہ نہ رکھے۔ ہمارا دُنیا سے مِٹ جانا اِس سے کہیں اچھا ہے۔ تمھارا فرض ہے کہ بیعت اختیار کرنے سے پہلے تحقیق کر لو کہ جسے تم خلیفہ بنا رہے ہو، وہ رسولؐ کی ہدایتوں پر عمل کرتا ہے یا نہیں؟ تحقیق کرو کہ وہ شراب کا عادی تو نہیں؟

کئی آوازیں۔ کیا خلیفہ یزید شراب پیتے ہیں؟

مسلم۔ یہ تحقیق کرنا تمھارا کام ہے۔ جانچ کرو کہ تمھارا خلیفہ فاجر تو نہیں؟

کئی آوازیں۔ کیا خلیفہ یزید فاجر ہیں؟

مسلم۔ یہ جانچ کرنا تمھارا کام ہے۔ دریافت کرو کہ وہ نماز پڑھتا ہے؟ روزے رکھتا ہے؟ عالموں کی عزّت کرتا ہے؟ بیت المال کا بے جا استعمال تو نہیں کرتا؟ اگر ان اُمور کی جانچ کیے بغیر تم محض جاگیروں اور وثیقوں کی اُمید میں کسی کی بیعت قبول کروگے تو تم قیامت کے روز خدا کے سامنے شرمندہ ہوگے۔ جب وہ تم سے پوچھے گا کہ تم نے اِنتخاب کے حق کا کیوں بے جا استعمال کیا تو تم اُسے کیا جواب دوگے؟ جب رسولؐ تمھارا دامن پکڑکر پوچھیں گے کہ تم نے میری امانت میں کیوں خیانت کی تو تم اُن کے سامنے آنکھیں کیوں کر ملاؤگے؟

کئی آوازیں۔ ہم کو زیاد نے دغا دی۔ ہم یزید کی بیعت سے انکار کرتے ہیں۔

مسلم۔ پہلے تحقیق کرلو۔ میں کسی کو مطعون نہیں کرتا۔ تم میں سے کون کھڑا ہوکر کہہ سکتا ہے کہ یزید ان بُرائیوں سے پاک ہے؟

کئی آوازیں۔ ہم جانچ کرچکے۔

مسلم۔ تو تم کس کی بیعت قبول کرتے ہو؟

کئی آوازیں۔ حضرت حسینؑ کی۔ رسولؐ کے نواسے کی۔

مسلم۔ تم نے تحقیق کرلیا ہے کہ حضرت حسینؑ ان برائیوں سے پاک ہیں؟

کئی آوازیں۔ اِن کے متعلق ہمیں کچھ تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں۔ اُن میں کوئی عیب

نہیں، کوئی خطا نہیں۔ اُن کا دل آئینہ کی طرح روشن ہے اور سینہ قوم کی حمایت سے لبریز۔ ہم حسینؑ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔ زیاد نے ہمیں گمراہ کر دیا تھا۔

ایک آواز۔ پہلے زیاد کو قتل کردو۔

دوسری آواز۔ بے شک اُسی ملعون نے ہمیں گمراہ کر دیا تھا۔

مسلم۔ نہیں۔ نہیں۔ رسولؐ کا نواسہ ہے۔ مومن پر مومن کا خون حرام ہے۔

(اہلِ کوفہ وہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور حضرت مسلم کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں)

دسواں سین

رات کا وقت۔ ہانی کا مکان، شریک ایک چارپائی پر پڑے ہوئے ہیں۔ سامنے طاق پر
شیشیاں اور پیالے رکھے ہیں۔ مسلم اور ہانی فرش پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

شریک۔ زیاد اب آتا ہی ہوگا۔ حضرت مُسلم اَب تلوار کو تیز رکھیے گا۔

ہانی۔ میں خود اُسے قتل کرتا مگر ضعیفی نے ہاتھوں میں قوت باقی نہیں رکھی۔

شریک۔ اس میں پس و پیش کی مطلق ضرورت نہیں۔ حق کی حمایت کے لیے اسلام کی حمایت۔ قوم کی حمایت کے لیے اگر خون کا دریا بہا دیا جائے تو اِس میں فرشتے وضو کریں گے۔ اولیا کی رُوحیں اِس میں نہائیں گی۔ جو ہاتھ حق کی حمایت میں نہ اُٹھے، وہ اَندھی آنکھوں سے، بُجھے ہوئے چراغ سے، دِن کے چاند سے بھی زیادہ بیکار ہے۔ اِسلام کی خدمت کا بہتر موقع آپ کو پھر نہ ملے گا۔ شاید پھر کبھی کسی کو نہ ملے گا۔ کوفہ اور بصرہ پر قبضہ کرکے آپ یزید کی بڑی سی بڑی فوج کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ یزید کی خلافت اسلام کو بے دینی اور غلامی کے راستہ پر لے جائے گی۔ حسینؑ کی خلافت حق اور راستی اور آزادی کی طرف۔ کیا آپ کو منظور ہے کہ یزید کے ہاتھوں اسلام تباہ ہوجائے۔

(زیاد آتا ہے اور حضرت مسلم بغل کے کمرہ میں چھپ جاتے ہیں)

زیاد۔ السلام علیک یا حضرت شریک۔ آپ کی حالت تو بہت خراب نظر آتی ہے۔

ہانی۔ کل سے آنکھیں نہیں کھولیں۔ ساری رات کراہتے گزری ہے۔

شریک۔ خدا فرماتا ہے۔ حق کے واسطے جو تلوار اُٹھاتا ہے۔ اِس کے واسطے جنّت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

زیاد۔ شریک! شریک کیسی طبیعت ہے؟

شریک۔ شوق کہتا تھا کہ ہاں حسرت یہ کہتی تھی نہیں
میں اِدھر مشکل میں تھا، قاتل اُدھر مشکل میں تھا

ہانی۔ حضرت آنکھیں کھولیے۔ امیر آپ کی عیادت کو آئے ہیں۔

شریک۔ سلب تھی قوت تڑپنے کی، تڑپتا کس طرح
ایک دل میں، دوسرا خنجر کفِ قاتل میں تھا

زیاد۔ کیا رات کو بھی ان کی یہی حالت تھی؟

ہانی۔ جی ہاں۔ یوں ہی ہذیان بکتے رہے۔

زیاد۔ کسی کو بُلانا چاہیے۔

شریک۔ کون آیا ہے؟ زیاد؟

ہجوم آرزو سے، بڑھ گئیں بے تابیاں دل کی
اَرے او چھپنے والے، یہ حجاب جانشاں کب تک۔

زیاد۔ تمھارے گھروالوں کو خبر بھیجی جائے؟

شریک۔ میں یہیں مروں گا۔ یہیں میرا مزار ہوگا۔ اور اُس پر خارِ زار ہوگا۔

زیاد۔ خدا کسی غریب کو غربت میں مریض نہ بنائے۔ ہاں مجھے معلوم ہوا ہے کہ مُسلم مکہ سے یہاں آئے ہیں۔ خلیفہ نے مجھے سخت تاکید کی ہے کہ اُنھیں گرفتار کرلوں۔ آپ زعمائے شہر سے ہیں۔ اِن کا سراغ ملے تو مجھے اطلاع دیجیے گا۔ مجھے آپ کے اُوپر کامل اعتماد ہے۔ آپ قیاس کرسکتے ہیں کہ ان کے آنے سے مُلک میں کتنا شوروشر پیدا ہوگا۔ قسم کلام پاک کی۔ اِس وقت جو اُن کا سُراغ لگا دے، اُس کا دامن جواہرات سے بھردوں۔

(چلا جاتا ہے)

(حضرت مسلم کمرہ سے باہر نکل آتے ہیں)

شریک۔ حضرت مُسلم آپ سے آج جو غلطی ہوئی ہے۔ اُس پر آپ نادم آخر افسوس کریں گے۔ اور آپ کے بعد مسلمان قوم قیامت تک اس کا خمیازہ اُٹھائے گی۔ آپ قیاس نہیں کرسکتے کہ آج آپ نے اسلام کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ شاید خدا کو بھی منظور ہے کہ رسول پاکؐ کا لگایا ہوا پودا یزید کے ہاتھوں برباد ہوجائے۔ افسوس!

مسلم۔ حضرت، میں نے اپنی زندگی میں کبھی دغا نہیں کی، اور مجھے یقین ہے کہ حضرت حسینؑ میری اس حرکت کو ہرگز پسند نہ کرتے۔ اسلام کا درخت حق کے بیج سے اگا ہے۔ دغا سے اس کی آبیاری نہیں ہوسکتی۔ حق پر قائم رہ کر اگر اسلام کا نام و نشان

دُنیا سے مِٹ جائے تو بھی اس سے کہیں بہتر ہے۔ کہ اُسے زندہ رکھنے کے لیے دعا
کا سہارا لینا پڑے۔ (ہانی سے) بھائی صاحب کو اِطلاع دے دوں کہ یہاں اٹھارہ ہزار
آدمی آپ کی بیعت قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔

ہانی۔ ضرور، میرا غلام اس خدمت کے لیے حاضر ہے۔

مسلم۔ (دل میں) یہ غیر ممکن ہے کہ اِتنے آدمی بیعت کا وعدہ کرکے پھر جائیں۔ کل مجھے
چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا۔ آج وہ گھٹائیں کھُل گئیں۔ خدا کا ہزار
ہزار شکر ہے کہ میرا خیال صحیح نکلا اور میری اُمید پوری ہوئی۔

گیارھواں سین

(شام کا وقت۔ زیاد کا دربار)

زیاد۔ تم لوگوں میں ایسا ایک آدمی بھی نہیں؟ جو مسلم کا سُراغ لگا سکے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ پانچ ہزار دینار اُس کی نذر کروں گا۔

ایک درباری۔ حضور کیا عرض کریں۔ کہیں نشان نہیں ملتا۔ اتنا تو معلوم ہوا ہے کہ کئی ہزار آدمیوں نے اُن کے ہاتھ پر حسینؑ کی بیعت کی ہے۔ پر وہ مقیم کہاں ہیں اس کی ہمیں خبر نہیں۔

(موکل کا آنا)

موکل۔ حضور کو خدا سلامت رکھے۔ ایک خوشخبری میں لایا ہوں۔ اپنا اُونٹ لے کر شہر کے باہر چارہ کاٹنے گیا تھا کہ ایک آدمی کو بڑی تیزی سے ایک سانڈنی پر جاتے دیکھا۔ میں نے پہچان لیا کہ وہ سانڈنی ہانی کی تھی۔ شک گزرا۔ اس آدمی کو ایک حیلہ سے روک کر پکڑلیا۔ جب مارنے کی دھمکی دی تو اُس نے قبول کیا کہ مُسلم کا خط لے کر مکّہ جا رہا ہوں۔ میں نے وہ خط اُس سے چھین لیا۔ یہ حاضر ہے حکم ہوتو قاصد کو پیش کروں۔

زیاد۔ (خط پڑھ کر) قسم خدا کی مُسلم کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ (قاصد سے) تو کس کا نوکر ہے؟

قاصد۔ اَپنے آقا کا۔

زیاد۔ تیرا آقا کون ہے؟

قاصد۔ جس نے مجھے مصریوں کے ہاتھ سے خریدا تھا۔

زیاد۔ کِس نے تجھے خریدا؟

قاصد۔ جس نے ایک ہزار دینار دیئے تھے۔

زیاد۔ کس نے دینار دیئے تھے؟

قاصد۔ میرے آقا نے۔

زیاد۔ تیرا آقا کہاں رہتا ہے؟

قاصد۔ اپنے گھر میں۔

زیاد۔ اُس کا گھر کہاں ہے؟

قاصد۔ جہاں اُس کے بُزرگوں نے بنوایا تھا۔

زیاد۔ قسم خدا کی تو ایک ہی شیطان ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تجھ جیسے بدمعاشوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ (جلاد سے) اِسے لے جاؤ۔ قتل کر دو۔

موکل۔ حضور، میں خوب پہچانتا ہوں۔ یہ سانڈنی ہانی کی ہے۔

زیاد۔ اگر تو مُسلم کا سُراغ لگادے تو تجھے آزاد کردوں اور پانچ ہزار دینار انعام دوں۔

(موکل چلا جاتا ہے)

زیاد۔ اگر یہ سانڈنی ہانی کی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی سازش میں شریک ہے۔ میں اَب تک اُسے اپنا دوست سمجھتا تھا۔ خدا کچھ حقیقت نہیں کھُلتی کہ کون میرا دوست ہے۔ اور کون دُشمن۔ میں ابھی ہانی کے گھر گیا تھا۔ اگر شریک بھی ہانی کا شریک ہے تو یہی کہنا پڑے گا کہ دُنیا میں وفا کی جنس معدوم ہے۔

بارھواں سین

(دس بجے رات کا وقت ہے۔ زیاد کے محل کے سامنے سڑک پر سلیمان، مختار اور

ہانی چلے آرہے ہیں)

سلیمان۔ زیاد اب بہت مہربان معلوم ہوتا ہے۔

مختار۔ ہاں، ورنہ ہم سے مشورہ کیوں طلب کرتا۔

ہانی۔ مجھے تو خوف ہے کہ اُسے ساری باتیں معلوم ہوگئی ہیں۔ کہیں اُس کی نیت میں فتور نہ ہو۔

مختار۔ اگر کچھ شک ہوتا تو وہ آج آپ کے گھر کیوں جاتا۔

ہانی۔ اس وقت شاید بھید لینے ہی کے ارادے سے گیا ہو۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ اپنے قبیلہ کے کچھ آدمیوں کو ساتھ نہ لایا۔ تلوار بھی نہیں لی۔

سلیمان۔ میں تو سمجھتا ہوں یہ آپ کا وہم ہے۔

(تینوں زیاد کے مکان پر جا پہنچتے ہیں۔ وہاں قیس، شمر، حجاج وغیرہ بیٹھے ہوئے ہیں)

زیاد۔ سلام علیک! آیئے آپ حضرات سے ایک خاص معاملہ میں مشورہ کرنا ہے۔ کیوں شیخ ہانی، آپ کے ساتھ خلیفہ یزید نے جو رعایتیں کیں، کیا اِس کا یہی صلہ ہے کہ آپ مسلم کو اپنے گھر میں ٹھہرائیں اور لوگوں کو حضرت حسینؑ کی بیعت لینے پر آمادہ کریں؟ ہم آپ کا رُتبہ اور وقار بڑھاتے ہیں۔ اور آپ ہماری جڑ کھودنے کی فکر کرتے ہیں۔

ہانی۔ یا امیر خدا جانتا ہے۔ میں نے مُسلم کو خود نہیں بُلایا۔ وہ رات کو میرے گھر آئے اور میری پناہ مانگی۔ یہ انسانیت کے خلاف تھا کہ میں انھیں گھر سے نکال دیتا۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ اس میں میری کیا خطا تھی۔

زیاد۔ تمھیں یہ نہ معلوم تھا کہ حضرت حسینؑ خلیفہ یزید کے دُشمن ہیں۔

ہانی۔ اگر میرا دُشمن بھی میری پناہ میں آتا تو میں دروازہ بند نہ کرتا۔

زیاد۔ اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو مُسلم کو میرے حوالے کر دو، ورنہ کلام پاک کی قسم تم

پھر آفتاب کی روشنی نہ دیکھوگے۔

ہانی۔ یا امیر اگر آپ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں اور ان ٹکڑوں کو آگ میں جلادیں تو بھی میں مسلم کو آپ کے حوالے نہیں کرسکتا۔ مروّت اور حمیّت اِسے کبھی نہ قبول کرے گی۔ یہ آئینِ انسانیت اور شرافت کے خلاف ہے۔

قیس۔ (ہانی کو کنارے لے جاکر) بھائی جان، سوچو اس ضد کا انجام کیا ہوگا۔ اپنے اُوپر نہ سہی اپنے خاندان پر، خاندان بھی نہ سہی، اپنے قبیلے پر رحم کرو۔ اِتنے آدمیوں کو قربان کر کے ایک فرد کی جان بچانا کہاں کی دانائی ہے۔

ہانی۔ قیس تمھارے مُنھ سے ایسی باتیں نازیبا ہیں۔ میں حضرت مسلم کے ساتھ کبھی دغا نہ کروں گا۔ چاہے میرا سارا خاندان اور قبیلہ خاک میں مِل جائے۔ اِنسانیت انسان سے زیادہ گراں بہا جنس ہے۔

زیاد۔ شیخ ہانی، شاید تم زندگی سے بیزار ہوگئے ہو۔

ہانی۔ آپ مجھے اپنے گھر بُلاکر یہ دھمکیاں دے رہے ہیں۔ یہ آپ کے حق میں اچھا نہیں میری ایک صدا اِس عالیشان عمارت کو جڑ سے ہلا دے گی۔ ہانی بیکس بے یار اور بے پر نہیں ہے۔

زیاد۔ (ہانی کے مُنھ پر اپنے جریب سے وار کرکے) خلیفہ کا نائب کِسی کے مُنھ سے اپنی توہین نہ سُنے گا۔ چاہے وہ دس ہزار قبائل کا سردار کیوں نہ ہو۔

ہانی۔ (ناک سے خون پونچھتے ہوئے) ظالم! تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ایک نہتے ضعیف آدمی پر وار کررہا ہے۔ کاش میں جانتا کہ تو دغا کرے گا! تو یُوں نہ بیٹھا رہتا۔

سلیمان۔ زیاد میں تجھے آگاہ کیے دیتا ہوں کہ شیخ ہانی کو ضرر پہنچاکر تو سلامت نہ رہے گا۔ دیکھ تیرے پاداشِ عمل کا وقت آپہنچا۔

(یہ کہتے ہوئے مختار اور سلیمان باہر جاکر مجاہدین کے گروہ میں شامل ہوجاتے ہیں)

زیاد۔ تم لوگوں نے اِن دونوں روسیاہوں کو باہر کیوں جانے دیا۔ یہ ملعون وہاں باغیوں کے ساتھ شریک ہوکر خدا جانے کیا ستم ڈھائیں گے۔ خیر دروازے بند کرلو اور اپنی تلواریں لے کر تیار ہوجاؤ۔ قسم خدا کی میں اِس بغاوت کو زبان کی طاقت سے فرو کروں گا۔ لیکن تیار رہنا شرط ہے۔

(چھت پر چڑھ کر باغیوں سے پوچھتا ہے)

تم لوگ کیوں شور مچاتے ہو؟

ایک مجاہد۔ ہم تم سے ہانی کے خون کا اِنتقام چاہتے ہیں۔

زیاد۔ کلام پاک کی قسم جیتے جاگتے آدمی کے خون کا انتقام آج تک کسی نے نہیں لیا۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو تمھارے شہر کا قاضی تو جھوٹ نہ بولے گا۔ (قاضی کو نیچے سے بُلاکر) تونے ہانی کو زندہ دیکھا ہے تو ان جہلا کے شک کا ازالہ کر۔

قاضی۔ (مجاہدین سے) اے کوفہ کے باشندو میں اپنے ایمان کی رُو سے تصدیق کرتا ہوں کہ شیخ ہانی زندہ ہیں۔ اُنھیں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچایا گیا ہے۔

مسلم۔ (مجاہدین سے) بڑھے چلو۔ محل پر چڑھ جاؤ۔ کیا کہا؟ زینے نہیں، مردوں کو کبھی زینے کا محتاج نہیں دیکھا۔ تم آپ زینے بن جاؤ۔

زیاد۔ (دل میں) ظالم ایک دُوسرے کے کندھوں پر چڑھ رہے ہیں۔ دوستو یہ ہنگامہ کِس لیے ہے؟ میں حضرت امام حسینؓ کا دُشمن نہیں ہوں، اگر تم نے امام حسینؓ کی بیعت قبول کی ہے تو مبارک ہو۔ وہ شوق سے آئیں۔ میں یزید کا غلام نہیں ہوں۔ میں اُسی کا غلام ہوں جِسے آپ اپنا خلیفہ تسلیم کریں۔ مگر اس کا فیصلہ ہنگامہ سے نہ ہوگا۔ اِس مکان کو پست کرنے سے نہ ہوگا۔ ایسا ہو تو سب سے پہلے میں اِس پر پھاوڑا چلاؤں گا۔ مجھے قتل کرنے سے بھی اس کا فیصلہ نہ ہوگا۔ اگر ایسا ہوتو میں اپنے ہاتھوں اپنا سر قلم کرنے کو تیار ہوں۔ اِس کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوگا۔

مسلم۔ (مجاہدین سے) جواں مردو ہمت نہ ہارو۔ اُدھر پہنچے اور بس تمھاری فتح ہے۔

سلیمان۔ اَرے یہ کیا ستم ہوگیا؟ یہ لوگ پیچھے کیوں چلے آتے ہیں؟

قیس۔ (کھڑکی سے سر باہر نکال کر) بھائیو ہم اور آپ اسی شہر کے باشندے ہیں۔ کیا تم ہمارے خون سے اپنی تلواروں کی پیاس بجھاؤگے! تم میں سے کتنے ہی میرے دوست ہیں ہم اور تم ساتھ کھیلے ہیں۔ ساتھ پڑھے ہیں۔ کیا یہ مناسب ہے کہ ہم ایک دُوسرے کا خون بہائیں؟ ہم نے دولت، عہدے یا جاگیر کی طمع سے یزید کی بیعت نہیں کی ہے بلکہ محض اس لیے کہ کوفہ کی گلیوں میں خون کے نالے نہ بہیں۔

ایک مجاہد۔ تم ہمارے دُشمن نہیں ہو۔ ہمارا دشمن زیاد ہے۔

مسلم۔ ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ اس دغاباز کی باتوں میں نہ آؤ۔

سلیمان۔ افسوس کوئی نہیں سنتا۔ سب بھاگے چلے جاتے ہیں۔

مسلم۔ میری نادانی تھی کہ اُن پر اعتبار کیا۔

مختار۔ ایسے ایسے لوگ دغا دیئے جارہے ہیں جنھیں میں تقدیر سے زیادہ اٹل سمجھتا تھا۔ وہ لیجیے یزید کے سپاہی باہر نکل آئے۔ خدا ان موذیوں سے، سمجھے حضرت مسلم، مجھے اب ایسا کوئی مکان نظر نہیں آتا، جہاں آپ کو پناہ مل سکے۔ مجھے یہاں کی مٹی سے بھی دغا کی بو آ رہی ہے۔

کثیر۔ غریب کا مکان حاضر ہے۔

مختار۔ خدا تمھیں جزائے خیر دے کثیر۔ تم بڑے وقت پر کام آئے۔ حضرت مسلم، آپ ان کے ساتھ جائیں۔ میں اور سلیمان بھی کسی گوشے میں پناہ گزیں ہوں گے۔ ہم دو چار آدمیوں کا زندہ رہنا ضروری ہے جو حضرت حسینؑ پر اپنی جان نثار کر سکیں۔ ہمیں اپنی جان عزیز نہیں لیکن حضرت حسینؑ کی خاطر اس کی حفاظت کرنا ہوگی۔

تیرھواں سین

نو بجے رات کا وقت، مُسلم ایک اندھیری گلی میں کھڑے ہیں۔ تھوڑی دُور پر ایک
چراغ جل رہا ہے۔ توعہ اپنے مکان کے دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے۔

مُسلم۔ (دل میں) اُف! کتنی سخت گرمی ہے۔ جسم کا خُون آگ ہوگیا۔ سارا دن گزر گیا۔ پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوا۔ ایک دن، ہاں صرف ایک دِن قبل بیس ہزار آدمیوں نے میرے ہاتھوں پر حسینؑ کی بیعت لی تھی۔ آج کسی سے ایک بُوند پانی مانگتے ہوئے خوف ہوتا ہے کہ کہیں گرفتار نہ ہوجاؤں۔ سائے پر دشمن کا گُمان ہوتا ہے۔ آہ جاں نثار کثیر، خدا تمھیں جنت دے۔ کِتنا دلیر، کتنا جاں باز، کتنا باوفا! دوست کی حمایت کا پاک فرض اتنی جواں مردی سے کِس نے ادا کیا ہوگا۔ آہ! تم دونوں باپ اور بیٹے اِس دغا اور فریب کی دُنیا میں رہنے کے قابل نہ تھے۔ تمھارے مزار پر فرشتے فاتحہ پڑھنے آئیں گے۔ آہ! اب پیاس کے مارے نہیں رہا جاتا ہے۔ دُشمنوں کی تلوار سے مرنا پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرنے سے کہیں اچھا ہے۔ وہ سامنے چراغ نظر آتا ہے۔ وہاں چل کر پانی مانگوں شاید مِل جائے۔ (اُس طرف جاکر توعہ سے) اَے نیک بیوی! پیاس کے مارے میرا بُرا حال ہے تھوڑا سا پانی پلادو۔ ثواب ہوگا۔

توعہ۔ آؤ بیٹھو۔ پانی لاتی ہوں۔

(توعہ پانی لاتی ہے۔ حضرت مُسلم پانی پی کر خدا کا شُکر کرتے ہیں اور دیوار سے لگ کر بیٹھ جاتے ہیں)

توعہ۔ اَے خدا کے بندے کیا تونے پانی نہیں پیا؟

مُسلم۔ خوب پی چُکا۔

توعہ۔ تو اَب گھر کی راہ لو۔ یہاں تنہا کھڑا رہنا مناسب نہیں ہے۔ زِیاد کے سپاہی چکّر لگا رہے ہیں۔ کہیں تمھیں شُبہ میں پکڑ لیں۔ ایک بار پکڑے جاؤگے تو پھر چھوٹنا مشکل ہوگا۔ ایسا ہی زمانہ ہے۔

مُسلم۔ چلا جاؤں گا۔

توعہ۔ ہاں بیٹا زمانہ نازک ہے۔ تم چلے جاؤ تو میں دروازہ بند کرلوں۔

مسلم۔ چلا جاؤں گا۔

توعہ۔ سبحان اللہ ۔ تم بھی عجیب آدمی ہو۔ میں تُم سے باربار گھر جانے کو کہتی ہوں اور تم اُٹھتے ہی نہیں ۔ تمھارا یہاں پڑا رہنا مجھے پسند نہیں۔ کہیں کوئی وقوعہ ہوجائے تو بندھا بندھا کون پھرے گا۔

مسلم۔ اے خدا کی بندی۔ جس کا یہاں گھر ہی نہ ہو۔ وہ کِس کے گھر چلا جائے۔ جس کے لیے گھروں کے دروازے بند ہوں۔ سڑکیں بند ہوگئی ہوں۔ اُس کا کہاں ٹھکانہ! اگر تمھارے گھر میں جگہ اور دِل میں دَرد ہو تو مجھے پناہ دو۔ شاید میں اس نیکی کا صلہ کبھی دے سکوں۔

توعہ۔ تم کون ہو؟

مسلم۔ میں وہی بدنصیب ہوں، جس کی آج چاروں طرف تلاش ہورہی ہے۔ میرا نام مسلم بن عقیل ہے۔

توعہ۔ یا حضرت تم پر میری جان فدا ہو۔ جب تک توعہ زندہ ہے، آپ کو کِسی کے گھر جانے کی ضرورت نہیں۔ خوشا نصیب کہ مرنے کے وقت آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں زِیاد سے کیوں ڈروں۔ میرے لیے موت کے سوا اب اور آرزو ہی کون سی ہے۔ آیئے آپ کو اپنے مکان کے دُوسرے حصہ میں ٹھہرا دوں۔ جہاں کسی کا گزر نہیں ہوسکتا۔

(دونوں گھر کے اندر جاتے ہیں) یہاں آپ آرام کیجیے۔ میں آپ کے لیے کھانا لاتی ہوں۔

(بلال آتا ہے)

بلال۔ اَماں جان آج زِیاد نے سب کی خطائیں معاف کردیں۔ سب کو تسلّی دی اور اطمینان دِیا کہ کسی کے ساتھ سختی نہ کی جائے گی۔ حضرت مسلم کا نہ جانے کیا حال ہوا؟

توعہ۔ جو حسینؑ کا دُشمن ہے، اُس کے قول کا کیا اعتبار۔

بلال۔ نہیں اَماں جان اپنے قول کا سچّا آدمی ہے۔ اُس کے بشرہ سے صداقت جھلکتی ہے۔ اَب حضرت مسلم کا بچنا مشکل ہے۔ زیاد نے وعدہ کیا ہے کہ جو اُنھیں گرفتار

کرائے گا۔ اُسے پانچ ہزار دینار انعام۔

توعہ۔ بیٹا کہیں تیری نیت تو نہیں بدل گئی؟ خدا کی قسم میں تجھے دُودھ نہ بخشوں گی۔

بلال۔ اماں جان خدا نہ کرے کہ میری نیت میں فرق آئے۔ میں تو صرف بات کہہ رہا تھا۔ آج سارا شہر زیاد کو دُعائیں دے رہا ہے۔

(توعہ چپکے سے کھانا نکال کر مسلم کو دے آتی ہے)

بلال۔ حضرت حسینؑ اب تشریف نہ لائیں تو اچھا ہو۔ ناحق فتنہ و فساد پیدا ہوگا۔ اِن کا آنا اَب مناسب نہیں۔

توعہ۔ اچھا مُنھ دھو۔ کچا کھانا تو کھا۔ یا زیاد نے دعوت بھی کردی۔

بلال۔ خدا مجھے اُس کی دعوت سے بچائے۔ کھانا لا۔

(توعہ اُس کے سامنے کھانا نکال کر لاتی ہے۔ اور ایک پیالے میں کچھ لے کر چپکے سے حضرت مسلم کو دے آتی ہے)

بلال۔ یہ پچھواڑے کی طرف باربار کیوں جارہی ہو اماں جان؟

توعہ۔ کچھ نہیں بیٹا یوں ہی ایک ضرورت سے چلی گئی تھی۔

بلال۔ حضرت مسلمؑ پر نہ جانے کیا گزری۔

(بلال کھانا کھاکر چارپائی پر لیٹتا ہے۔ توعہ ایک بستر لے کر چپکے سے چلی جاتی ہے اور حضرت مسلمؑ کی چارپائی پر بچھا آتی ہے)

بلال۔ اماں تم پھر اُدھر گئیں اور کچھ لے کر گئیں۔ آخر ماجرا کیا ہے؟ کوئی مہمان تو نہیں آیا ہے؟

توعہ۔ بیٹا مہمان آتا تو کیا اِس کے لیے یہاں جگہ نہ تھی۔

بلال۔ مگر کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔ کیا مجھ سے بھی چھپانے کی ضرورت ہے؟

توعہ۔ تم سوؤ۔ تمھیں اس کی کیا فکر پڑی ہے۔

بلال۔ جب تک نہ بتلاؤ گی، میں نہ سوؤں گا۔

توعہ۔ کسی سے کہو گے تو نہیں؟

بلال۔ تمھیں مجھ پر بھی اعتبار نہیں؟

توعہ۔ قسم کھا۔

بلال۔ خدا کی قسم جو کسی سے کہوں۔
توعہ۔ (بلال کے کان میں) حضرت مسلمؑ ہیں۔
بلال۔ یہ تم نے کیا غضب کیا۔ اماں زیاد کو خبر مل گئی تو ہم تباہ ہوجائیں گے۔
توعہ۔ خبر کیسے ہوجائے گی۔ میں تو کہوں گی نہیں۔ ہاں تیرے دل کی بات نہیں جانتی۔ کرتی کیا ایک تو مُسافر دوسرے حضرت حسینؑ کے بھائی۔ دل میں جگہ ہے تو گھر میں کیسے نہ ہوتی۔
بلال۔ (دل میں) اماں نے مجھے یہ راز بتا دیا۔ بڑی غلطی کی۔ میں نے جبر کرکے پوچھا۔ مجھ سے بھی غلطی ہوئی۔ اب حرص رفعت کو کیوں کر مایوس رکھوں۔ ایک وار سے ایک سلطنت ہاتھ آتی ہو تو ایسا کون ہاتھ ہے جو اُٹھ نہ جائے گا۔ ایک بار زبان کھولنے سے اگر زندگی کے سارے حوصلے، ساری تمنائیں پوری ہوتی ہوں تو وہ کون زبان ہے۔ جو خاموش رہ جائے گی۔ اَے دل گمراہ نہ ہو، تونے سخت قسمیں کھائی ہیں۔ لعنت کا طوق گردن میں نہ ڈال۔ لیکن ہوگا تو وہی جو مقدر میں ہے۔ اگر حضرت مسلمؑ کی تقدیر میں بچنا لکھا ہے تو بچیں گے۔ چاہے ساری دُنیا ان کی دُشمن ہوجائے۔ مرنا لکھا ہے تو مریں گے۔ چاہے ساری دُنیا دوست ہوجائے۔

(اُٹھ کر چپکے سے توعہ کی چارپائی کی طرف دیکھتا ہے اور چپکے سے دروازہ کھول کر باہر چلا جاتا ہے۔)

توعہ۔ (دروازہ کے کھلنے کی آواز سُن کر) آہ ظالم! اماں سے بھی دغا کی۔ عاقبت کے دن خدا اور رسولؐ کو کیا مُنھ دِکھائے گا۔ ایک کثیر تھا کہ اپنی اور اپنے بیٹے کی جان عزیز وفا پر نثار کردی اور ایک بدنصیب میں ہوں کہ میرا بیٹا بے غیرت حریص، گمراہ بیٹا غداری پر آمادہ ہے۔ اندر کا دروازہ بند کردوں کہیں شیاطین نہ آتے ہوں۔

(اُٹھ کر اندر کا دروازہ بند کرنا چاہتی ہے کہ باہر شور سُن کر حضرت مسلمؑ اندر سے اُس کمرہ میں آجاتے ہیں)

مسلمؑ۔ توعہ، یہ شور کیسا ہے؟
توعہ۔ یا حضرت کیا بتاؤں۔ میرا بیٹا جِسے میں نے اپنی کوکھ میں رکھا۔ جِسے اپنے خونِ جگر سے پالا۔ مجھ سے دغا کرگیا۔ جس وقت آپ نے مجھ سے پانی مانگا تھا۔ میں نے کاش

بے مروّتی کی ہوتی۔ تو آپ اس وقت خطرے میں نہ پڑتے۔ اگر کبھی کسی ماں کو بیٹا جننے پر افسوس ہوا ہے، تو وہ بدنصیب میں ہوں۔ اگر جانتی کہ اِس کے ہاتھوں یہ روزِ بد دیکھنا پڑے گا تو زچہ خانہ ہی میں اِس کا گلا گھونٹ دیتی۔

مسلمؑ۔ اَے پاکیزہ صفت خاتون۔ افسوس نہ کر، یہ تیرے بیٹے کی خطا نہیں۔ سب کچھ وہی ہورہا ہے، جو تقدیر میں تھا۔ جس کی مجھے پہلے سے خبر تھی۔ لیکن دُنیا میں رہ کر انصاف عزت اور ایمان کے لیے قربان ہوجانا ایک مسلمان کا فرض ہے۔ خدا نبیوں کے ہاتھ ہدایت کے بیج بوتا ہے۔ اور شہیدوں کے خون سے اُنھیں سینچتا ہے۔ شہادت، وہ اعلیٰ سے اعلیٰ رُتبہ ہے، جو خدا انسان کو عطا کرسکتا ہے۔ مجھے غم ہے تو یہی کہ جو بات ایک دن قبل ہونی چاہیے تھی، وہ آج خدا کے دو نیک بندوں کے خون بہنے کے بعد ہورہی ہے۔

(زیاد کے سپاہی توعہ کے گھر میں آگ لگا دیتے ہیں اور مُسلم تلوار لے کر باہر نکل آتے ہیں۔)

ایک سپاہی۔ تلوار کیا ہے برق ہے۔ قہرخدا ہے۔ خدا بچائے۔

دُوسرا سپاہی۔ غضب کی کاٹ ہے، کون مُفت میں جان دے۔ بندہ تو گھر کی راہ لیتا ہے۔

(بھاگتا ہے)

تیسرا سپاہی۔ اَرے۔ رَے۔ رَے۔ رَے یا حضرت میں غریب مسافر ہوں۔ دیکھنے آیا تھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔

چوتھا سپاہی۔ (دل میں) جہنّم میں جائے، ایسی ملازمت۔ آدمی، آدمی سے لڑتا ہے۔ یا دیو سے (مسلمؑ سے) یا حضرت میں فوج میں نہیں ہوں۔ میں تو حضور کے دستِ مبارک پر بیعت لینے کو آیا تھا۔

پانچواں سپاہی۔ (دل میں) کدھر سے بھاگوں۔ کہیں راہ نہیں ملتی (حضرت مسلمؑ سے) یا حضرت اپنی ماں کا اکیلا فرزند ہوں۔ جان بخشیں تو حضور کی جوتیاں سیدھی کروں گا۔

(سپاہیوں میں بھگدر مچ جاتی ہے)

قیس۔ جواں مردو، ہمت نہ ہارو۔ تم تین سو ہو۔ کیسے شرم کی بات ہے کہ ایک آدمی سے اتنا ڈر ہے۔

ایک سپاہی۔ بڑے بہادر ہو۔ تو تمھیں کیوں نہیں اِن سے لڑتے۔ دُم دبائے پیچھے کیوں کھڑے ہو۔ کیا تمھیں کو اپنی جان پیاری ہے۔

قیس۔ (مسلمؒ سے) حضرت مسلمؒ امیر زیاد کا حکم ہے کہ اگر آپ ہتھیار ڈال دیں تو آپ کو پناہ دی جائے۔ (سپاہیوں سے) تم سب چھتوں پر چڑھ جاؤ، اور اِدھر سے پتھر پھینکو۔

مسلمؒ۔ اَے خدا اور رسول کے دشمن مجھے تیرے پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں تجھ سے پناہ مانگنے نہیں آیا ہوں، تجھے حق کا راستہ دکھانے آیا ہوں (سر پر پتھر گرتا ہے) اَے گمرا ہو! کیا تم نے اسلام سے منھ پھیرکر شرافت اور اِنسانیت سے بھی منھ پھیر لیا؟ افسوس!

قیس۔ کلام پاک کی قسم۔ ہم آپ سے فریب نہ کریں گے۔ اگر ہم آپ سے جھوٹ بولتے ہوں تو خدا ہمیں نجات نہ دے۔

مُسلم۔ واللہ تو مجھے زندہ گرفتار کر کے زیاد کے طعنوں کا نشانہ نہ بنا سکے گا۔

قیس۔ (دل میں) یہ اِس طرح قابو میں نہ آئیں گے۔ اُن کا سامنا کرنا موت کا لقمہ بننا ہے۔ (سپاہیوں سے آہستہ) یہاں ایک بڑا گڑھا کھو دو۔ وہ سپاہیوں کو قتل کرتے ہوئے آئیں گے تو اندھیرے میں گر پڑیں گے۔

ایک سپاہی۔ (دل میں) اس ملعون زیاد پر لعنت ہو۔ جس نے ہمیں شیر سے لڑنے کے لیے بھیجا ہے۔ (مسلمؒ) یا حضرت رحم! رحم!!

دُوسرا سپاہی۔ خدا خیر کرے! کیا جانتا تھا کہ یہاں موت سے لڑنا پڑے گا۔ بال بچّوں کی خبر لینے والا کوئی نہیں۔

(حضرت مسلمؒ سپاہیوں کو قتل کرتے ہوئے آتے ہیں اور گڑھے میں گر پڑتے ہیں)

مسلمؒ۔ ظالمو۔ آخر تم نے دغا کی۔

قیس۔ پکڑلو۔ پکڑلو۔ جانے نہ پائیں۔ خبردار قتل نہ کرنا۔ زندہ پکڑلو۔

اشعث۔ مسلمؒ کی تلوار کا حق دار میں ہوں۔

قیس۔ زرّہ میرا حصہ ہے۔

اشعث۔ اُن کی خود اُتار لو۔ سعد کو تحفہ میں دیں گے۔

مسلمؒ۔ پیاس! بڑے زوروں کی پیاس ہے۔ خدا کے لیے ایک گھونٹ پانی پلاؤ۔

قیس۔ یہاں آپ کو پانی دینے کی اجازت نہیں۔

مسلمؒ۔ تُف ہے تجھ پر ظالم، مرتے وقت دشمن کو بھی پانی دے دیتے ہیں۔ افسوس!

اشعث۔ اَب افسوس کرنے سے کیا حاصل۔ ہم حکمِ حاکم سے مجبور ہیں۔

مسلمؒ۔ آہ! میں اپنے لیے افسوس نہیں کرتا۔ روتا ہوں حضرت حسینؑ کے لیے۔ اُن کو میں نے تمھاری مدد کے لیے آمادہ کیا تھا۔ جب کہ ساری دُنیا انھیں تمھاری دغا سے تنبیہ کر رہی تھی۔ اکیلا تمھاری حمایت کر رہا تھا۔ روتا ہوں اِس لیے کہ جس دغا نے مجھے تباہ کیا وہ اُنھیں اور اُن کے ساتھ ان کے خاندان کو بھی تباہ کردے گی۔

(کئی سپاہی حضرت مُسلمؒ کو رسیوں سے باندھ کر لے جاتے ہیں)

تیسرا ایکٹ
پہلا سین

(دوپہر کا وقت ریگستان میں حضرت حسینؑ کے قافلے کا پڑاؤ۔ لُو لے اُٹھ رہے ہیں
حضرت امام حسینؑ اصغر کو گود میں لیے خیمے کے دروازے پر کھڑے ہیں۔)

حسینؑ۔ (دل میں) یہ گرمی! نگاہیں جلتی ہیں۔ پتھر کی چٹانوں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔ جسم جھلسا جاتا ہے۔ بچّوں کے چہرے سنولا گئے ہیں۔ یہ نامتناہی سفیدی، یہ وسیع ریگستان اس کی کہیں حد بھی ہے یا نہیں۔ جن لوگوں نے پیاس کے مارے ہوک ہوک پانی پی لیا ہے۔ اُن کے کلیجوں میں درد ہورہا ہے۔ اَب تک کوفہ سے کوئی قاصد نہیں آیا۔ خدا جانے بھائی مسلمؑ کا کیا حشر ہوا۔ قرینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ والوں نے دغا کی اور انھیں شہید کر دیا۔ اگر وہ جنت کو سدھارے ہیں تو میرے لیے بھی اب دُوسرا راستہ نہیں ہے۔ شہادت میرا انتظار کررہی ہے یہ کون مجھ سے ملنے آرہا ہے۔

(فرزدق کا آنا)

فرزدق۔ السّلام علیک! یا حضرت حسینؑ۔ میں نے بہت چاہا کہ مکّہ میں ہی حضور کی زیارت کروں۔ مگر افسوس میری کوششیں بیکار ہوئیں۔

حسینؑ۔ اگر عراق سے آئے ہوتو وہاں کی کیا خبریں ہیں؟

فرزدق۔ یا حضرت وہاں کی خبریں وہی ہیں جو آپ کو معلوم ہیں۔ لوگوں کے دِل آپ کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ آپ حق پر ہیں اور تلواریں یزید کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ اُس کے پاس دولت ہے۔

حسینؑ۔ اور میرے بھائی مُسلم کی بھی کچھ خبر ہے۔

فرزدق۔ اُن کی روح پاک جنت میں ہے اور سر قلعے کی دیوار پر۔

حسینؑ۔ (سینے پر ہاتھ رکھ کر) آہ! مُسلم! وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا۔ اب تک تمھیں کفن بھی نصیب نہیں ہوا۔ کیا تمھاری حق پروری کا یہی صلہ تھا آہ! تم اِتنے دنوں تک میرے ساتھ رہے۔ میں نے تمھاری قدر نہ کی۔ میں نے ہی تمھارے اُوپر ظلم کیا۔ دیدۂ دانستہ تمھاری جان لی۔ میرے عزیز اور احباب سب کے سب مجھے اہلِ کوفہ سے ہوشیار کررہے تھے۔ پر میں نے کسی کی نہ سُنی۔ اور تمھیں ہاتھ سے کھویا۔ اب اُن کی بیوی اور بچّوں کو کیوں کر تسلّی و تشفّی دُوں گا۔

(حضرت مُسلمؑ کی صاحبزادی فاطمہ آتی ہے۔)

آؤ بیٹی بیٹھو۔ میری گود میں چلی آؤ۔ کچھ کھایا، یا نہیں؟

فاطمہ۔ چچی جان نے شہد اور روٹی تو دی تھی۔ کیوں چچا جان، اَب ہم لوگ کِتنے دنوں میں ابا جان کے پاس پہنچیں گے؟ پانچ چھ دن تو ہوگئے۔

حُسینؑ۔ (دل میں) آہ کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ اس سوال کا کیا جواب دُوں، کیسے کہہ دُوں کہ اَب تمھارے ابا جنت میں ملیں گے۔ (ظاہراً) بیٹی خدا کی جب مرضی ہوگی۔

اصغر۔ آؤ فاطمہ اباجان کی گود میں بیٹھو۔

فاطمہ۔ ہم تم دونوں کوفہ پہنچ کر ابا جان کے گود میں بیٹھیں گے۔ چچا جان! آپ رو کیوں رہے ہیں؟

حسینؑ۔ بیٹی، تمھارا ابا جان میں ہی ہوں۔ تمھارے ابا جان کو خدا نے بُلا لیا۔

(فاطمہ روتی ہوئی اپنی ماں کے پاس جاتی ہے۔ بیبیاں گریہ وزاری شروع کرتی ہیں)

جناب زینبؑ۔ (باہر آکر) بھیا یہ کیا غضب ہوگیا؟

حسینؑ۔ کیوں کہوں، ستم ٹوٹ پڑا، کوفہ والوں نے دغا کی۔

زینبؑ۔ تو پھر ایسے دغابازوں سے کیا اُمید ہوسکتی ہے۔ میں تم سے منّت کرتی ہوں۔ بھیا یہیں سے واپس چلو کوفہ والوں نے کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کی۔

(حضرت مسلمؑ کے صاحبزادے عبداللہ کا آنا)

عبداللہ۔ پھوپھی جان اَب تو اگر تقدیر بھی راستہ میں کھڑی ہوجائے تو بھی میرے قدم پیچھے نہ ہٹیں گے۔ تُف ہے مجھ پر اگر اپنے باپ کے خون کا انتقام نہ لوں ہاں، وہ اِنسان جس نے کبھی کسی سے بدی نہیں کی۔ جو رحم اور مروت کا پتلا تھا۔ جو دل کا اتنا

صاف تھا کہ اُسے کسی پر شبہ تک نہ ہوتا تھا۔ وہ اتنی بے دردی سے ہلاک کیا جائے۔

(حضرت عباسؓ آتے ہیں)

عباسؓ۔ بیشک اَب اہل کوفہ کو ان کی دغا کی سزا دیئے بغیر لوٹ جانا ایسی ذلّت ہے، جس سے ہماری گردن ہمیشہ جھکی رہے گی۔ خدا کو جو کچھ منظور ہے۔ وہ ہوگا۔ ہم سب شہید ہوجائیں۔ رسولؐ کے خاندان کا نشان مٹ جائے، پر یہاں سے لوٹ کر ہم دُنیا کو اَپنے اُوپر ہنسنے کا موقع نہ دیں گے، مجھے یقین ہے کہ یہ شرارت کوفہ کے اُمراء اور عمائد کی ہے۔ جنھیں زیاد کے وعدوں نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ آپ جس وقت کوفہ میں قدم رکھیں گے۔ رعایا آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کو دوڑے گی۔ آپ خدا کا نام لے کر کوچ فرمایئے۔ حق کے لیے شہید ہونا وہ درجہ ہے جس کے لیے فرشتوں کی روحیں بھی تڑپتی ہیں۔

زینبؓ۔ عباس میں تجھ پر صدقے یہاں سے لوٹ چلو۔

حسینؓ۔ زینبؓ یہاں سے واپس جانا میرے اختیار کی بات نہیں۔ مجھے دُور سے دُشمن کی فوج کا غبار نظر آرہا ہے۔ نشیب کی طرف بھی دُشمنوں نے راستہ روک رکھا ہے۔ دائیں بائیں کوسوں تک بستی کا کہیں نشان نہیں۔ ہم اَب کوفہ کے سِوا کہیں نہیں جاسکتے۔ کوفہ میں ہمیں تخت نصیب ہو یا تختہ، ہمارے لیے کوئی دُوسرا مقام نہیں ہے۔ عباسؓ! جاکر رفیقوں کو کہہ دو۔ میں انھیں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں اپنے ساتھ ان کی اور ان کے بال بچّوں کی جان عذاب میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

دُوسرا سین

(شام کا وقت۔ حضرت حسینؑ کا قافلہ ریگستان میں چلا جارہا ہے)

عباسؓ۔ اللہ اکبر، وہ کوفہ کے درخت نظر آنے لگے۔

حبیبؓ۔ ابھی کوفہ دُور ہے۔ کوئی دُوسرا گاؤں ہوگا۔

عباسؓ۔ بہ رسولؐ پاک کی قسم فوج ہے۔ بھالوں کی نوکیں صاف نظر آرہی ہیں۔

حسینؑ۔ ہاں فوج ہی ہے۔ دُشمنوں نے کوفہ سے ہماری دعوت کا سامان بھیجا ہے۔ یہیں اِس ٹیلے کے قریب خیمے نصب کر دو۔ عجب نہیں کہ اِسی میدان میں قسمتوں کا فیصلہ ہوجائے۔

(قافلہ رُک جاتا ہے۔ خیمے گاڑے جاتے ہیں۔ بیگمیں محملوں سے اُترتی ہیں۔ دشمنوں کی فوج قریب آجاتی ہے)

عباسؓ۔ خبردار اب تم میں سے کوئی ایک قدم آگے نہ بڑھے۔ یہاں حضرت حسینؑ کے خیمے ہیں۔

علی اکبر۔ ابھی جاکر ان بے اَدبوں کی خبر لیتا ہوں۔

حسینؑ۔ پہلے ان لوگوں سے پوچھو۔ کون ہیں کیا چاہتے ہیں؟

عباسؓ۔ تم لوگوں کا سردار کون ہے؟

حُر۔ (سامنے آکر) حضرت حسینؑ کا پُرانا خادم ہوں۔ میرا نام حُر ہے۔

عباسؓ۔ دوست اگر دُشمنی کی صورت میں آئے تو وہ بھی دُشمن ہے۔

حُر۔ یا حضرت حاکم کے حکم سے مجبور ہوں۔ بیعت سے مجبور ہوں۔ نمک کی قید سے مجبور ہوں۔ لیکن دل حضرت حُسین کا غلام ہے۔

حُسینؑ۔ (عباسؓ سے) بھائی اُسے آنے دو۔ اِس کی باتوں میں صداقت کی بُو آتی ہے۔

حُر۔ یا حضرت کیا عرض کروں۔ تین پہر سے پانی کی ایک بوند بھی نہ ملی۔ پیاس کے مارے سب کے دم لبوں پر ہیں۔

حسینؑ۔ (عباسؓ سے) بھیا پیاسوں کی پیاس بُجھانا بہت ثواب کا کام ہے۔ تمھارے یہاں پانی

ہوتو انھیں پلا دو۔ کیا ہوا۔ اگر یہ میرے دُشمن ہیں، تو مسلمان ہیں، میرے نانا کے نام پر مرنے والے۔

عباسؓ۔ یا حضرت ہمارے ساتھ عورتیں اور بے زبان بچے ہیں۔ اور پانی یہاں عنقا ہورہا ہے۔

حسینؑ۔ انھیں پانی پلا دو۔ میرے بچوں کا خدا حافظ ہے۔

(عباسؓ، علی اکبر اور حبیبؓ پانی کی مشکیں لالاکر حُر کے سپاہیوں کو پانی پلاتے ہیں)

عباسؓ۔ حُر اب یہ بتلاؤ کہ تم ہم سے صلح کرنا چاہتے ہو یا جنگ؟

حُر۔ حضرت مجھے آپ سے نہ جنگ کرنے کا حکم دیاگیا ہے، نہ صلح کا۔ میں صرف اس لیے تعینات کیا گیا ہوں کہ حضرت کو زیاد کے پاس لے جاؤں اور کسی دوسری طرف نہ جانے دوں۔

عباسؓ۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ تم جنگ کرنا چاہتے ہو۔ ہم کسی خلیفہ یا عامل کے حکم کے پابند نہیں ہیں کہ کسی سمت کو اختیار کریں۔ مُلک خدا کا ہے۔ ہم آزادی سے جہاں چاہیں گے، جائیں گے۔ اگر ہم کو کوئی روکے گا تو اُسے کانٹوں کی طرح راستہ سے ہٹا دیں گے۔

حُسینؑ۔ نماز کا وقت آگیا۔ پہلے نماز ادا کرلو۔ اِس کے بعد اور باتیں ہوں گی۔ خیر تم میرے ساتھ نماز پڑھوگے یا اپنی فوج کے ساتھ۔

حُر۔ یا حضرت، آپ کی امامت میں نماز ادا کرنے کا ثواب نہ ترک کروں گا۔ چاہے میری فوج مجھ سے جُدا ہی کیوں نہ ہوجائے۔

تیسرا سین

(شام کا وقت۔ نسیمہ باغیچہ میں بیٹھی آہستہ آہستہ گا رہی ہے)

دفن کرنے لے چلے تھے جب میرے گھر سے مجھے
کاش تم بھی دیکھ لیتے روزنِ در سے مجھے

سانس پوری ہوچکی دُنیا سے رُخصت ہوچکا
تم اَب آئے ہو اُٹھانے مرے بستر سے مجھے

کیوں اُٹھاتا ہے مجھے میری تمنا کو نکال
تیرے در تک کھینچ لائی تھی یہی گھر سے مجھے

ہجر کی شب کچھ یہی مونس تھا میرا اے قضا
اِک ذرا رو لینے دے مِل مِل کے بستر سے مجھے

یاد ہے تسکین اَب تک وہ زمانہ یاد ہے
جب چُھڑایا تھا فلک نے میرے دلبر سے مجھے

(وہب آتا ہے۔ نسیمہ خاموش ہوجاتی ہے)

وہب۔ خاموش کیوں ہوگئیں۔ یہی سُن کرتو میں آیا تھا۔

نسیمہ۔ اپنا دَرد کیوں سُناؤں۔ جب کوئی سُننا نہ چاہے۔

وہب۔ شکوہ کرنے کا حق تو میرا ہے۔ پھر اُسے تم زبردستی چھینے لیتی ہو۔

نسیمہ۔ تم کہتے ہو، تم میرے ہو۔ پر مجھے اُس کا یقین نہیں آتا۔ مجھے ہردم یہی اندیشہ رہتا ہے کہ تم مجھے بھول جاؤگے۔ تمھارا دل مجھ سے بیزار ہوجائے گا۔ مجھ سے بے اعتنائی کرنے لگوگے۔ یہ خیال دل سے نہیں نکلتا۔ تب میں رونے لگتی ہوں اور غمناک خیالات خوفناک صورتیں اختیار کرکے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ مجھے ایسا گُمان ہوتا ہے کہ ہماری بہار بہت تھوڑے دنوں کی مہمان ہے۔ میں تم سے منّت کرتی ہوں کہ مجھ سے بے اعتنائی نہ کرنا ورنہ میرا جگر پاش پاش ہوجائے گا۔ مجھے یہاں آنے کے پہلے کبھی نہ معلوم ہوا تھا کہ میرا دل اتنا نازک ہے۔

وہب۔ میری کیفیت اِس کے بالکل برعکس ہے۔ میرے دل میں ایک نئی قوت پیدا ہوگئی ہے۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ اَب دنیا کی کوئی فکر، کوئی ترغیب، کوئی تمنا میرے دل

پر فتح نہیں پاسکتی۔ ایسی کوئی طاقت نہیں ہے جس کا میں مقابلہ نہ کرسکوں۔ یہاں تک کہ مجھے اَب موت کا بھی غم نہیں ہے۔ محبت نے مجھے دلیر، بے خوف اور مستحکم بنا دیا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محبت قوتِ دل کی کیمیا ہے۔

نسیمہ۔ وہب، تمھاری اِن باتوں سے مجھے وحشت ہو رہی ہے۔ شاید کہیں ہماری تباہی کے سامان ہو رہے ہیں۔ اَب میں تمھیں جانے نہ دُوں گی۔ مجھے اس کی فکر نہیں ہے کہ کون خلیفہ ہوتا ہے اور کون امیر۔ مجھے مال و زر کی اور جاگیر کی مطلق تمنا نہیں۔ میں تمھیں چاہتی ہوں، صرف تمھیں۔

(قمر آتی ہے)

قمر۔ بیٹا وہب، دیکھ دروازہ پر ظالم زیاد کے سپاہی کیا غضب ڈھا رہے ہیں۔ اُنھوں نے تیرے والد کو گرفتار کرلیا ہے۔ اور جامعہ کی طرف کھینچے لیے جاتے ہیں۔

نسیمہ۔ ہائے ستم اِسی لیے تو مجھے وحشت ہو رہی تھی۔

(وہب اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ نسیمہ اس کا ہاتھ پکڑلیتی ہے)

وہب۔ نسیمہ میں ابھی لوٹا آتا ہوں۔ تم گھبرانا نہیں۔

نسیمہ۔ نہیں نہیں۔ تم مجھے یہاں زندہ چھوڑکر نہیں جاسکتے۔ میں زیاد کو جانتی ہوں۔ زیاد کے روبرو جاکر پھر تم واپس نہیں آسکتے۔

قمر۔ وہب، اگر نسیمہ تجھے نہیں جانے دیتی تو مت جا، مگر یاد رکھ، تیرے منھ پر ہمیشہ کے لیے ذلّت کا داغ لگ جائے گا۔ میں خود جاتی ہوں۔ نسیمہ، شاید اب تجھ سے پھر ملاقات نہ ہوگی۔ شاید یہ آخری ملاقات ہے۔ رُخصت۔ وہب، یہ گھر باہر تجھے سونپا۔ خدا مجھے نیکی کی توفیق دے۔ اور تیری عمر دراز کرے۔

وہب۔ اماں جان۔ میں بھی جاتا ہوں۔

قمر۔ نہیں، تجھ پر اپنی بیوی کا حق سب سے زیادہ ہے۔

وہب۔ نسیمہ خدا کے لیے ......

نسیمہ۔ نہیں، میرے پیارے آقا۔ مجھے زندہ چھوڑکر نہیں۔

(قمر چلی جاتی ہے۔ وہب سر تھام کر بیٹھ جاتا ہے)

مجھ سے ناراض نہ ہو، خدا کے لیے، تمھاری محبت کی خطاوار ہوں۔ جو سزا چاہے دو۔

محبت خودغرض ہوتی ہے، وہ اپنے چمن کو جھونکے سے بچانا چاہتی ہے۔ کاش تقدیر نے مجھے اس گلزار میں نہ بٹھا دیا ہوتا۔ کاش میں نے اس چمن میں اپنا گھونسلا نہ بنایا ہوتا، تو آج برق اور صیاد کا اتنا خوف مجھے کیوں ہوتا۔ میری بدولت یہ ندامت اُٹھانی پڑی، کاش میں مرجاتی۔

(نسیمہ رونے لگتی ہے)

چوتھا سین

(آدھی رات کا وقت۔ حضرت عباسؓ امام حسینؑ کے خیمہ کے سامنے پہرہ دے رہے ہیں۔ حُر آہستہ سے آکر خیمہ کے قریب کھڑا ہوجاتا ہے)

حُر۔ (دل میں) خدا کو کیا منھ دِکھاؤں گا؟ کِس منھ سے رسولؐ کے سامنے جاؤں گا۔ آہ غُلامی تیرا بُرا ہو۔ جس بُزرگ نے ہمیں ایمان کی روشنی دی، خدا کی عبادت سکھائی۔ اِنسان بنایا، اُسی کے بیٹے سے جنگ کرنا میرے لیے کتنی شرم کی بات ہے۔ یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ یزید میرے خون کا پیاسا ہوجائے گا۔ میری جاگیر چھین لی جائے گی۔ میرے لڑکے روٹیوں کو محتاج ہوجائیں گے۔ مگر دُنیا کھوکر رسولؐ کی نِگاہِ کرم کا حقدار ہوجاؤں گا۔ مجھے نہ معلوم تھا کہ یزید کی بیعت لے کر میں اپنی عاقبت بگاڑنے پر مجبور کیا جاؤں گا۔ اَب یہ جان حضرت حسینؑ پر نثار ہے۔ جو ہونا ہے ہو۔ یزید کا خلافت پر کوئی حق نہیں۔ میں نے اُس کی بیعت لینے میں بڑی غلطی کی۔ اَب اُس کے حکم کی پابندی مجھ پر فرض نہیں۔ خدا کے دربار میں اُس کے لیے گنہگار نہ ٹھہروں گا۔

(آگے بڑھتا ہے)

عباسؓ۔ کون ہے، خبردار ایک قدم آگے نہ بڑھے، ورنہ لاش زمین پر ہوگی۔

حُر۔ یا حضرت، آپ کا غلام حُر ہوں۔ حضرت حسینؑ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

عباسؓ۔ اِس وقت وہ آرام فرما رہے ہیں۔

حُر۔ میرا اُن سے اسی وقت مِلنا ضروری ہے۔

عباسؓ۔ (دل میں) دغا کا اندیشہ تو نہیں معلوم ہوتا۔ میں بھی اس کے ساتھ چلتا ہوں۔ ذرا بھی ہاتھ پاؤں ہلایا تو سر اُڑا دُوں گا (ظاہرا) اچھا آؤ۔

(عباسؓ خیمہ سے باہر حضرت حسینؑ کو بُلا لاتے ہیں)

حُر۔ یا حضرت معاف فرمایئے گا۔ میں نے آپ کو ناوقت تکلیف دی۔ میں یہ عرض کرنے آیا

ہوں کہ آپ کوفہ کی طرف نہ جائیں۔ رات کا وقت ہے۔ میری فوج سو رہی ہے۔
آپ کسی دُوسری طرف چلے جائیں میری یہ عرض قبول کیجیے۔

حسینؓ۔ حُر یہ اپنی جان بچانے کا موقع نہیں ہے۔ اسلام کی آبرو قائم رکھنے کا سوال ہے۔

حُر۔ آپ یمن کی طرف چلے جائیں تو وہاں آپ کو کافی مدد ملے گی۔ میں نے سُنا ہے کہ سلیمان اور مختار وہاں آپ کی مدد کے لیے فوج جمع کر رہے ہیں۔

حسینؓ۔ حُر، جس لالچ نے کوفہ کے رئیسوں کو مجھ سے پھیر دیا، وہ کیا یمن میں اپنا اثر نہ دِکھائے گی۔ اِنسان کی غفلت سب جگہ ایک سی ہوتی ہے۔ میرے لیے کوفہ کے سِوا دُوسرا راستہ نہیں ہے۔ اگر تم نہ جانے دوگے تو زبردستی جاؤں گا۔ یہ جانتا ہوں کو وہاں مجھے شہادت نصیب ہوگی اِس کی خبر مجھے نانا کی زبان مبارک سے مِل چکی ہے۔ کیا خوف سے شہادت کے مرتبہ کو چھوڑ دوں؟

حُر۔ اگر آپ جانا ہی چاہتے ہیں تو مستورات کو واپس کردیجیے۔

حسینؓ۔ ہاں اگر ایسا ممکن ہوتا تو مجھ سے زیادہ خوش کوئی نہ ہوتا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی میرا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں ہے۔ اور میں بھی انھیں مجبور کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اَب مجھے اپنے مرنے کا غم نہیں رہا۔ میرے نانا کی اُمّت حق اور انصاف کی حمایت کرے گی۔ شاید اِسی لیے رسولؐ نے اپنی اولاد کو حق پر قربان کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

حُر۔ یا حضرت آپ کا رُتبہ آج جیسا سمجھا ہوں ایسا کبھی نہ سمجھا تھا۔ حضور رسول پاکؐ سے میرے حق میں دُعا کریں کہ مجھ رُوسیاہ کے گُناہ معاف کرے۔

(چلا جاتا ہے)

حسینؓ۔ عباسؓ اب ہمیں کوفہ والوں کو اَپنے پہنچنے کی اطلاع دینی چاہیے۔

عباسؓ۔ بجا ہے۔

حسینؓ۔ کون جاتا ہے؟

عباسؓ۔ سیدادی کو بھیج دُوں؟

حسینؓ۔ بہت اچھی بات ہے۔

(عباسؓ سیدادی کو بُلاکر لاتے ہیں)

عباسؓ۔ سیدادی تمھیں ہمارے پہنچنے کی خبر لے کر کوفہ جانا پڑے گا۔ یہ کہنے کی ضرورت
نہیں کہ یہ بڑے خطرہ کا کام ہے۔

سیدادی ۔ یا حضرت، جب آپ کی مجھ پر نگاہ ہے تو پھر خوف کس بات کا ہے۔

حسینؑ۔ شاباش! یہ خط لو، اور وہاں کسی ایسے سردار کو دینا جو رسولؐ کا سچا ماننے والا ہو۔ جاؤ
خدا تمھیں خیریت سے لے جائے۔

(سیدادی جاتا ہے)

حسینؑ۔ (دل میں) سیدادی جاتے تو ہو مگر مجھے شک ہے کہ تم زندہ نہ لوٹو گے۔ تم نے جسے
نہ دین کی حفاظت کا خیال ہے نہ حق کا۔ جسے دُشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر
نہیں رکھا ہے۔ جس کو شہید کرنے کے لیے فوجیں نہیں جمع کی جا رہی ہیں، جو دُنیا
میں آرام سے زندگی بسر کرسکتا ہے۔ محض وفاداری کا حق ادا کرنے کے لیے جان
بوجھ کر موت کے منھ میں قدم رکھا ہے۔ تو میں موت کے منھ سے کیوں ڈروں۔

پانچواں سین

(رات کا وقت حسینؑ اپنے خیمے میں سوئے ہوئے ہیں، وہ چونک پڑتے ہیں اور لیٹے ہوئے ہیں۔ چونکی آنکھوں سے اِدھراُدھر تاکتے ہیں)

حسینؑ۔ (دل میں) یہاں تو کوئی نظر نہیں آتا۔ میں ہوں، شمع ہے اور میرا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ پھر میں نے آواز کِس کی سُنی؟ سر میں کیسا چکّر آرہا ہے۔ ضرور کوئی تھا، خواب پر حقیقت کا دھوکا نہیں ہوسکتا۔ خواب کے آدمی شبنم کے پردہ میں ڈھکی ہوئی تصویروں کی طرح ہوتے ہیں۔ خواب کی آوازیں زمین کے نیچے سے نکلنے والی آوازوں کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ اِن میں یہ بات کہاں دیکھوں۔ کہیں باہر تو کوئی کھڑا نہیں ہے؟ (خیمہ سے باہر نکل کر) اُف کتنی گہری تاریکی ہے۔ گویا میری آنکھوں نے کبھی روشنی دیکھی ہی نہیں۔ ایک گہرا سناٹا ہے گویا سُننے کی طاقت سے مجبور ہوں۔ گویا یہ دُنیا ابھی ابھی عدم کے غار سے نکلی ہے۔ (زور سے) کوئی ہے؟

(علی اکبر کا داخل ہونا)

علی اکبر۔ حاضر ہوں ابّا جان۔ کیا ارشاد ہے؟

حسینؑ۔ یہاں سے ابھی کوئی سوار تو نہیں گزرا ہے؟

علی اکبر۔ اگر میرے ہوش و حواس بجا ہیں تو ادھر کوئی جاندار نہیں گزرا۔

حسینؑ۔ تعجب ہے، ابھی لیٹا ہوا تھا اور جہاں تک مجھے یاد ہے۔ میری پلک تک نہیں جھپکی پر میں نے دیکھا کہ ایک مسلّح آدمی گھوڑے پر سوار سامنے کھڑے ہوکر کہہ رہا ہے کہ اَے حسینؑ عراق جانے کی تیاری کر رہے ہو، اور موت تمھارے پیچھے پیچھے دوڑی جا رہی ہے۔"

بیٹا، معلوم ہوتا ہے کہ میری موت قریب ہے۔

علی اکبر۔ بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

حسینؑ۔ بے شک ہم حق پر ہیں اور حق ہمارے سامنے ہے۔

علی اکبر۔ اگر ہم حق پر ہیں تو موت کا کیا ڈر ہے۔ اگر ہم موت کی طرف جائیں یا موت

ہماری طرف آئے۔

حسینؑ۔ بیٹا تم نے دل خوش کر دیا۔ خدا تم کو وہ سب سے بڑا اِنعام دے جو باپ بیٹے کو دے سکتا ہے۔

(زہیر، حبیب، عبداللہ کلبی اور اُس کی عورت کا داخل ہونا)

علی اکبر۔ کون اِدھر سے جا رہا ہے؟

زہیر۔ ہم مسافر ہیں۔ یہ خیمے کیا حضرت حسینؑ کے ہیں؟

علی اکبر۔ ہاں۔

زُہیر۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ہم اِنھیں کی زیارت کے لیے کوفہ سے آرہے ہیں۔

حسینؑ۔ جس کے لیے آپ کوفہ سے آرہے ہیں، وہ خود آپ سے ملنے کے لیے کوفہ جا رہا ہے۔ میں ہی حسینؑ ابن علیؑ ہوں۔

زُہیر۔ ہمارے زہے نصیب کہ آپ کی زیارت ہوئی۔ ہم سب کے سب آپ کے غلام ہیں۔ کوفہ میں آج کل دَر و دیوار آپ کے دُشمن ہو رہے۔ آپ ادھر کا قصد نہ فرمائیں۔ ہم اِسی لیے چلے آئے ہیں۔ کہ وہاں رہ کر آپ کی کچھ خدمت نہیں کرسکتے۔ ہم نے حضرت مسلمؑ کے قتل کا خونی نظارہ دیکھا ہے، ہانی کو قتل ہوتے دیکھا ہے اور غریب توعہ کی چوٹیاں کٹتے دیکھا ہے۔ جو لوگ آپ کی دوستی کا دَم بھرتے تھے۔ آج زیاد کے داہنے بازو بنے ہوئے ہیں۔

حسینؑ۔ خدا انھیں نیک راستہ پر لائے۔ مجھے تقدیر کوفہ لیے جاتی ہے اور اب کوئی طاقت وہاں جانے سے نہیں روک سکتی۔ آپ لوگ چل کر آرام فرمائیں۔ کل کا دن مبارک ہوگا۔ کیونکہ میں اِس مقام پر پہنچ جاؤں گا۔ جہاں شہادت میرے انتظار میں کھڑی ہے۔

چھٹا سین

(کربلا کا میدان۔ ایک طرف فرات ندی لہریں مار رہی ہے۔ حضرت حسینؑ میدان میں کھڑے ہیں۔ عباسؓ اور علی اکبر بھی ان کے ساتھ میں۔)

علی اکبر۔ دریا کے کنارے خیمے لگائے جائیں، ٹھنڈی ہوا آئے گی۔

عباسؓ۔ بڑے فراغت کی جگہ ہے۔

حسینؑ۔ (آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے) بھائی لہراتے ہوئے دریا کو دیکھ کر خود بخود دِل بھر آتا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اِسی جگہ ایک بار والد مرحوم کی فوج ٹھہری تھی۔ بابا بہت غمگین تھے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے۔ نہ کھانا کھاتے تھے، نہ سوتے تھے۔ میں نے پوچھا "یا حضرت آپ کیوں اِس قدر بے تاب ہیں؟" مجھے چھاتی سے لپٹاکر بولے۔ "بیٹا، تو میرے بعد ایک دن یہاں آئے گا۔ اُس دن تجھے میرے رونے کا سبب معلوم ہوگا۔" آج مجھے اُن کی وہ بات یاد آتی ہے۔ ان کا رونا بے سبب نہیں تھا۔ اِسی جگہ ہمارے خون بہائے جائیں گے۔ اِسی جگہ ازواجِ مطہرات قید کی جائیں گی۔ اِسی جگہ ہمارے ساتھی شہید کیے جائیں گے۔ اور اسی جگہ میں بھی شہید کیا جاؤں گا۔ اسی جگہ کا وعدہ میرے نانا سے اللہ تعالےٰ نے کیا ہے اور اس کا وعدہ تقدیر کی تحریر ہے۔

(جناب زینبؓ خیمہ سے باہر نکل آتی ہے)

زینبؓ۔ بھیا یہ کون سا صحرا ہے کہ دیکھ کر خوف سے کلیجہ منھ کو آرہا ہے۔ بانو بہت گھبرائی ہوئی ہیں۔ اور اصغر چھاتی سے منھ نہیں لگاتا۔

حسینؑ۔ یہی کربلا کا میدان ہے۔

زینبؓ۔ (دونوں ہاتھوں سے سرپیٹ کر) بھیا میری آنکھوں کے تارے تم پر میری جان نثار ہو۔ ہمیں تقدیر نے یہاں کہاں لاکے چھوڑا۔ کیوں کہیں اور نہیں چلتے؟

حسینؑ۔ بہن کہاں جاؤں؟ چاروں طرف سے ناکے بند ہیں۔ زیاد کا حکم ہے کہ میرا لشکر یہیں اُترے۔ مجبور ہوں۔ لڑائی بن بحث نہیں کرنی چاہتا۔

زینبؓ۔ ہائے بھیا یہ بڑی منحوس جگہ ہے۔ مجھے لڑکپن سے یہاں کی خبر ہے۔ ہائے بھیا اِس جگہ تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گے۔ میں بیٹھی دیکھوں گی اور تم برچھیاں کھاؤ گے۔ مجھے مدینہ بھی نہ پہنچا سکو گے۔ رسولؐ کی اولاد یہیں تباہ ہوگی۔ اُن کی ناموس یہیں لٹے گی۔ وائے تقدیر۔

اِس دشت میں تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گے بھائی
گر خاک بھی چھانوں تو نہ ہاتھ آؤ گے بھائی
بہنوں کو مدینے میں نہ پہنچاؤ گے بھائی
میں دیکھوں گی برچھیاں تم کھاؤ گے بھائی
اَولاد سے بانو کی یہ چھٹنے کی جگہ ہے!
ناموسِ نبیؐ کی یہی لٹنے کی جگہ ہے۔

(بے ہوش ہوجاتی ہیں، لوگ پانی کے چھینٹے دیتے ہیں)

علی اکبر۔ یا حضرت خیمے لگائے جائیں؟

عباسؓ۔ میری صلاح تو یہ ہے کہ دریا کے کنارے لگیں۔

حسینؑ۔ نہیں بھیا دُشمن ہمیں دریا کے کِنارے نہ اُترنے دیں گے۔ اِسی میدان میں خیمے لگاؤ۔ خدا یہاں بھی ہے اور وہاں بھی۔ اس کی مرضی پوری ہو کر رہے گی۔

(زینبؓ کو عورتیں اُٹھاکر خیمے میں لے جاتی ہیں)

بانو۔ ہائے! ہائے! باجی جان کو کیا ہوگیا۔ یا خدا ہم مصیبت کے مارے ہیں۔ ہمارے حال پر رحم کر!

حسینؑ۔ بانو یہ میری بہن نہیں ماں ہیں۔ اگر اسلام میں بت پرستی حرام نہ ہوتی، تو میں ان کی عبادت کرتا۔ یہ میرے خاندان کا روشن ستارہ ہیں۔ مجھ سا خوش نصیب بھائی دُنیا میں اور کوئی ہوگا، جسے خدا نے ایسی بہن عطا کی ہو؟

(زینبؓ کے منھ پر پانی کے چھینٹے دیتے ہیں)

ساتواں سین

(نسیمہ اُپنے گھر میں اکیلی بیٹھی ہوئی ہے۔ وقت بارہ بجے رات)

نسیمہ۔ (دل میں) اب تک نہیں آئے۔ غلام کو اُنھیں ساتھ لانے کے لیے بھیجا، وہ بھی وہاں کا ہو رہا۔ خدا کرے آتے ہوں۔ دنیا میں رہتے ہوئے ملک کی حالت کا ہمارے اُوپر اَثر نہ پڑے، ممکن نہیں۔ محلے میں آگ لگی ہو تو اَپنے گھر کا دروازہ بند کرکے بیٹھ رہنا ہمیں خطرے سے نہیں بچاسکتا۔ میں نے اپنے تئیں اِن جھگڑوں سے کتنا بچایا تھا۔ یہاں تک کہ ابّا جان اور اَمّاں جان جب یزید کی بیعت نہ قبول کرنے کے جُرم میں جلا وطن کردیے گئے۔ تب بھی میں اپنا دروازہ بند کیے بیٹھی رہی، پر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ بیعت کی بلا پھر گلے پڑی۔ وہب میرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔ شاید وہ یزید کی بیعت بھی قبول کرلیتا، چاہے اِس کے دِل کو کتنا ہی صدمہ ہوتا۔ پر اِن حالات کو دیکھ کر اَب میرا دل بھی یزید سے منحرف ہو رہا ہے۔ اس سے نفرت پیدا ہورہی ہے۔ حضرت مسلم کِس قدر بے دردی سے شہید کیے گئے۔ ہانی کو ظالم نے کتنی سفاکی سے قتل کرایا۔ یہ سب دیکھ کر اگر یزید کی بیعت قبول کرلوں تو شاید میرا ضمیر مجھے کبھی معاف نہ کرے گا۔ ہمیشہ پہلو میں خلش ہوتی رہے گی۔ آہ! اِس خلش کو بھی سہہ سکتی ہوں۔ پر وہب کی روحانی کوفت اب نہیں سہی جاتی۔ اُن کی وہ زندہ دلی خدا جانے کیا ہوئی۔ اُن کے لبوں پر کبھی ہنسی نہیں آتی۔ کبھی غذا کی طرف اُن کی طبیعت مائل نہیں ہوتی ...... آہا! وہ آگئے، چلوں دروازہ کھول دُوں۔

(جاکر دروازہ کھول دیتی ہے۔ وہب اندر داخل ہوتا ہے)

نسیمہ ۔خیریت ہوئی، تم آگئے، ورنہ میں خود جاتی۔ طبیعت بہت گھبرا رہی تھی۔ غلام کہاں رہ گیا؟

وہب۔ قتل کردیا گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے اُس غریب نے دَم توڑ دیا۔ نسیمہ میں نے اتنی دلیری سے جان دیتے نہیں دیکھا۔ اِتنی لاپرواہی سے تو کوئی کُتّے کے سامنے لقمہ

بھی نہیں پھینکتا۔

نسیمہ۔ ہائے میرے فرمانبردار اور غریب سالم! خدا تجھے غریق رحمت کرے! ظالموں نے اُسے کیوں قتل کیا؟

وہب۔ میرے کارن، محض میرے کارن۔ جامعہ میں ہزاروں آدمیوں کا مجمع تھا۔ خبر ہے، اور تحقیق خبر ہے کہ حضرت حسینؑ بہ نفس نفیس مکّہ سے تشریف لارہے ہیں۔ ظالموں کے ہوش اُڑے ہوئے ہیں۔ جو پہلے بچ رہے تھے، ان سے بھی یزید کی خلافت کا حلف لیا جا رہا ہے۔ زیاد نے جب مجھ سے حلف لینے کو کہا تو میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اِنکار کرتا تو اُس وقت یہاں نہ بیٹھا ہوتا۔ زیاد نے میری تعریف کی۔ اور حامیان یزید کی صف میں مجھے ایک ممتاز درجہ پر بیٹھایا۔ جاگیر عطا کی اور کوئی منصب بھی دینا چاہتا ہے۔ اِسی اثناء میں سالم پہنچا اور مجھے حامیانِ یزید کی صف میں بیٹھا دیکھ کر بدزبانی کرنے لگا۔ مجھے دغاباز، زمانہ ساز، بے عزّت، خدا جانے کیاکیا کہہ ڈالا۔ اور اُسی جوش میں یزید اور زیاد دونوں ہی کی شان میں بے اَدبی کی۔ پھر مجھے طعنہ دیتے ہوئے بولا۔ میں آج تمھارے نمک کی قید سے آزاد ہوگیا۔ مجھے قتل ہونا منظور ہے مگر ایسے آدمی کی غلامی منظور نہیں جو خود دُوسروں کا غلام ہے۔ زیاد نے اسی وقت اُسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ میری آنکھوں کے سامنے اس کی تڑپتی ہوئی لاش گھسیٹ کر کتّوں کے سامنے ڈال دی گئی۔ میں زبان تک نہ ہلا سکا۔ نسیمہ! دُنیا میں عاقبت بڑے مہنگے داموں مِلتی ہے۔

نسیمہ۔ تم نے ابھی بیعت تو نہیں کی؟

وہب۔ حلف دے چُکا ہوں۔ کل بیعت کی باری ہے۔

نسیمہ۔ تم یزید کی بیعت مت کرنا۔

وہب۔ نہیں نسیمہ اب اس کا موقعہ نکل گیا۔

نسیمہ۔ میں تم سے منّت کرتی ہوں۔ بیعت مت کرنا۔

وہب۔ تم میری دل جوئی کے لیے اپنے اُوپر جبر کررہی ہو۔

نسیمہ۔ نہیں وہب، اگر تم دل سے بھی اس کی بیعت کرنی چاہو تو میں خوش نہ ہوں گی۔ میں بھی اِنسان ہوں۔ اور میرے دل میں یہی جذبات ہیں۔ تمھیں اِن ظالموں کے

سامنے سر نہ جھکانے دوں گی۔

وہب۔ جانتی ہو نتیجہ کیا ہوگا؟

نسیمہ۔ جانتی ہوں۔ جاگیر ضبط ہوجائے گی، وظیفہ بند ہوجائے گا۔ جلاوطن کردیے جائیں گے۔ میں تمھارے ساتھ یہ ساری مصیبتیں جھیل لوں گی۔

وہب۔ اور اگر ظالموں نے اِتنے ہی پر بس نہ کی؟

نسیمہ۔ آہ! وہب! اگر یہ ہونا ہے تو خدا کے لیے یہاں سے چلے چلو۔ کوئی سامان لے چلنے کی ضرورت نہیں۔ اِسی طرح اُنھیں پاؤں چلے چلو۔ یہاں سے دُور کسی درخت کے سایہ میں دن کاٹ دُوں گی۔

وہب۔ (نسیمہ کو گلے لگاکر) نسیمہ میری جان تم پر فدا ہو۔ ظالموں کی سختی میرے لیے اکسیر ہوگی۔ اَب مجھے اِس ظلم کی کوئی شکایت نہیں۔ ہمارے جسم بارہا مل چکے ہیں پر رُوحانی وصال آج ہی ہوا ہے۔ مگر اس وقت سب ناکے بند ہوں گے۔

نسیمہ۔ ظالموں کے ملازم بہت ایمان دار نہیں ہوتے۔ میں ناکے دار کو پچاس دینار دُوں گی۔ اور وُہی ہمیں اپنے گھوڑے پر سوار کرکے شہر کے باہر نکال دے گا۔

وہب۔ سوچ لو۔ باغیون کے ساتھ کسی قسم کی رُورعایت نہیں کی جاتی۔ ان کی ایک ہی سزا ہے، اور وہ قتل ہے۔

نسیمہ۔ وہب اِنسان کے دِل کی کیفیّت ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی۔ سایہ سے ڈرنے والا انسان بھی کسی موقع پر شیر کا سامنا کرتا ہے۔ میں نے سمجھا تھا خطرہ گھونسلے سے باہر نکلنے میں ہے۔ اندر عافیت ہی عافیت ہے۔ مگر اَب معلوم ہوا کہ صیاد کے ہاتھ گھونسلے کے اندر بھی پہنچ جاتے ہیں۔ ہماری نجات زمانے سے بھاگنے میں نہیں، اس کا مقابلہ کرنے میں ہے۔ تمھاری صحبت نے، ملک کی حالت نے، قوم کے رئیسوں کی پستی اور غداری نے روشن کردیا کہ یہاں عافیت کے معنی ایمان فروشی اور حق کشی ہے۔ اِتنے مہنگے داموں میں عافیت نہیں چاہتی۔ بس اَب دیر نہ کرو۔ چلو۔

وہب۔ یا خدا ہمارے حال پر رحم کر۔

(دونوں گھر سے باہر نکلتے ہیں)

چوتھا ایکٹ
پہلا سین

(صبح کا وقت۔ زیاد فرش پر بیٹھا ہوا سوچ رہا ہے)

اُس وفاداری کی کیا قیمت ہے، جو محض زبان تک محدود ہے۔ کوفہ کے سبھی سردار جو مسلم بن عقیل سے جنگ کرتے وقت خم ٹھونک رہے تھے۔ اب حسینؑ بن علیؓ سے جنگ کرتے وقت بغلیں جھانک رہے ہیں۔ کوئی بھی اِس مہم کو انجام دینے کا بیڑا نہیں اُٹھاتا۔ سب کے سب عاقبت اور نجات کی آڑ میں پناہ لے رہے ہیں۔ کیا عقل ہے، جو دنیا کو عقبیٰ پر قُربان کر دیتی ہے۔ مذہب! تیرے نام پر کتنی حماقتیں ثواب سمجھی جاتی ہیں۔ تُونے اِنسان کو کتنا باطل پرست اور کتنا کم ہمّت بنا دیا ہے۔

(عمرسعد کا آنا)

سعد۔ السلام علیک یا امیر، آپ نے کیوں یاد فرمایا!

زیاد۔ تم سے ایک خاص معاملہ میں صلاح لینی ہے۔ تمھیں معلوم ہے، رَے کتنا زرخیز آباد صحت پرور صوبہ ہے۔

سعد۔ خوب جانتا ہوں۔ حضور وہاں کچھ دنوں رہ چکا ہوں۔ سارا صوبہ میوے، باغوں، پہاڑوں، چشموں سے گلزار بنا ہوا ہے۔ باشندے نہایت خلیق اور فرمانبردار ہیں۔ بیمار آدمی وہاں جاکر توانا ہوجاتا ہے۔

زیاد۔ میری تجویز ہے کہ تمھیں اُس صوبہ کا عامل بناؤں۔ منظور کروگے؟

سعد۔ (بندگی کرکے) سر اور آنکھوں سے، اس قدردانی کے لیے قیامت تک شکرگزار رہوں گا۔

زیاد۔ معقول سالانہ مشاہرے کے علاوہ تمھیں گھوڑے، غلام، نوکر سرکار سے ملیں گے۔

سعد۔ عین بندہ نوازی ہے۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش و خُرم رکھے۔

زیاد۔ تو میں منشی کو حکم دیتا ہوں کہ تمھارے نام فرمان جاری کردے۔
سعد۔ غلام ہمیشہ آپ کا مشکور رہے گا۔
زیاد۔ مجھے یقین ہے کہ تم اِتنے ہی کارگزار اور وفادار ثابت ہوگے، جتنا مجھے تمھاری ذات سے اُمید ہے۔

(میر منشی کو بُلاکر فرمان لکھاتا ہے اور زیاد کو دے دیتا ہے۔

سعد۔ (فرمان کو بوسہ دے کر) تو میں کل چلا جاؤں؟
زیاد۔ نہیں نہیں اِتنی جلد نہیں۔ جانے سے پہلے تمھیں اپنی وفاداری کا ثبوت دینا ہوگا۔ اِتنا اُونچا منصب اُسی کو مل سکتا ہے، جس کی وفاداری آزمائش کی آنچ برداشت کرچکی ہو۔
سعد۔ میں ہرایک خدمت کے لیے دل و جان سے حاضر ہوں۔ جس مہم کو اور کوئی انجام نہ دے سکتا ہو، اُس پر مجھے بھیج دیجیے۔ خدا نے چاہا تو کامیاب ہوکر آؤں گا۔
زیاد۔ بیشک بیشک مجھے تمھاری ذات سے ایسی ہی اُمید ہے۔ تمھیں معلوم ہے۔ حسینؓ بن علیؓ کوفے کی طرف آرہے ہیں۔ ہم کو ان کی طرف سے بہت اندیشہ ہے۔ تم کو ان سے جنگ کرنے کے لیے جانا ہوگا۔ اِدھر سے ہمیں بے فکر کرکے پھر رَے کی حکومت پر جانا۔
سعد۔ یا امیر۔ آپ مجھے اِس مہم پر جانے سے معذور رکھیں۔ اِس کے سوا آپ جو حکم دیں گے۔ اس کی تعمیل میں مجھے ذرا بھی عذر نہ ہوگا۔
زیاد۔ کیوں حسینؓ سے جنگ کرنے میں تمھیں کیا عذر ہے؟
سعد۔ آپ کا غلام ہوں۔ لیکن حسینؓ کے مقابلہ سے مجھے معاف رکھیں تو آپ کا ہمیشہ احسان مانوں گا۔
زیاد۔ بہتر ہے، تمھاری جگہ کسی اور کو بھیجوں گا۔ فرمان واپس دے کر گھر بیٹھ جاؤ۔ رَے کا علاقہ اسی آدمی کا حق ہے، جو اس مہم کو انجام دے۔
موت کے بغیر جنت نصیب نہیں ہوسکتی۔ جو آدمی ایک پیر دِین کی کشتی میں رکھتا ہے۔ دوسرا پیر دُنیا کی کشتی میں اُسے کبھی ساحل پر پہنچنا نصیب نہ ہوگا۔
سعد۔ (دل میں) ایک طرف رَے کا علاقہ ہے، دُوسری طرف نجات۔ ایک طرف دولت اور

حکومت ہے، دُوسری طرف لعنت اور عذاب!

خدا! میری تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ (ظاہرا) یا امیر مجھے ایک دن کی مہلت دیجیے۔
میں کل اِس معاملہ پر غور کرکے آپ کو جواب دُوں گا۔

زیاد۔ اچھی بات ہے۔ سوچ لو۔

(دونوں چلے جاتے ہیں)

دُوسرا سین

(صبح کا وقت سعد کا مکان۔ سعد بیٹھا ہوا ہے)

سعد۔ یار دوست اور اپنے بیگانے، عزیز سب مجھے حسینؑ کے مقابلے پر جانے سے روکتے ہیں۔ بی بی کہتی ہے، اگر تیرے پاس دُنیا میں کچھ باقی نہ رہے، تو اِس سے بہتر ہے کہ تو حسینؑ کا خون اپنی گردن پر لے۔ آج میں نے زیاد کو جواب دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ساری رات سوچتے گذر گئی اور ابھی تک کچھ فیصلہ نہ کرسکا۔ عجیب دو[۲] فیصلے میں پڑا ہوں، اپنا دِل بھی حسینؑ کے قتل پر آمادہ نہیں ہوتا۔ گو میں نے یزید کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ پر حسینؑ سے میری کوئی دُشمنی نہیں ہے۔ کتنا دین دار، کتنا بے لوث آدمی ہے۔ ہمیں نے یہاں بُلایا۔ بار بار خط اور قاصد بھیجے، اور آج جب وہ یہاں ہماری مدد کے لیے آرہے ہیں، تو ہم ان کی جان لینے پر تیار ہیں۔ ہائے خودغرضی تیرا بُرا ہو۔ تیرے سامنے دین ایمان نیک و بد کی طرف سے آنکھیں بند ہوجاتی ہیں۔ کِتنا گناہِ عظیم ہے، اپنے رسولؐ کے نواسے کی گردن پر تلوار چلانا۔ خدا نہ کرے کہ میں اِتنا گمراہ ہو جاؤں۔ رَے کا صُوبہ کتنا زرخیز ہے۔ وہاں تھوڑے دِن بھی رہ گیا تو مالامال ہوجاؤں گا۔ کتنے شان سے بسر ہوگی۔ افسوس ہے مجھ پر جو اپنی شان اور حکومت کے لیے بڑے سے بڑے گناہ کا اِرادہ کر رہا ہوں۔ نہیں مجھ سے یہ حرکت نہ ہوگی۔ رَے جنت ہی سہی پر فرزندِ رسولؐ کا خون کرکے مجھے جنّت میں بھی جانا منظور نہیں۔

(زیاد کا آنا)

سعد۔ السّلام علیکم۔ امیر، میں تو خود ہی حاضر ہونے والا تھا۔ آپ نے ناحق تکلیف کی۔

زیاد۔ شہر کا دورہ کرنے نکلا تھا۔ باغیوں پر اس وقت بہت سخت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حبیب، ظہیر، عبداللہ وغیرہ چھپ کر حُسینؑ کے لشکر میں داخل ہوگئے ہیں۔ اِس کی روک تھام نہ کی گئی تو باغی شیر ہوجائیں گے۔ حضرت حسینؑ کے ساتھ آدمی تھوڑے ہیں، پر مجھے تعجب ہوگا اگر یہاں آتے آتے ان کے

ساتھ آدھا شہر نہ ہوجائے۔ شیر پنجرے میں بھی ہو تو بھی اُس سے ڈرنا چاہیے۔ رسولؐ کا نواسہ فوج کا محتاج نہیں رہ سکتا۔ کہو، تم نے کیا فیصلہ کیا؟ میں اَب زیادہ اِنتظار نہیں کرسکتا۔

سعد۔ یا امیر۔ حضرت حسینؑ کے مقابلہ کے لیے نہ تو اپنا دل ہی گواہی دیتا ہے اور نہ گھر والوں کی صلاح ہوتی ہے۔ آپ نے مجھے رَے کی نظامت عطا کی ہے۔ اِس کے لیے آپ کو اپنا مربّی سمجھتا ہوں۔ مگر قتل حسینؑ کے واسطے مجھے نہ بھیجیے۔

زیاد۔ سعد، دُنیا میں کوئی خوشی بغیر تکلیف کے حاصل نہیں ہوتی۔ شہد کے ساتھ مکھی کے ڈنک کا زہر بھی ہے۔ تم شہد کا مزہ اُٹھانا چاہتے ہو۔ مگر ڈنک کی تکلیف اُٹھانا نہیں چاہتے۔ بلا موت کی تکلیف اُٹھائے جنت میں جانا چاہتے ہو۔ میں تمھیں مجبور نہیں کرتا۔ اِس انعام پر حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ مجھے فرمان واپس دے دو۔ اور آرام سے گھر میں بیٹھ کر رسولؐ اور خدا کی عبادت کرو۔

سعد۔ یا امیر سوچیے۔ اِس حالت میں میری کتنی بدنامی ہوگی۔ سارے شہر میں خبر پھیلے گی کہ میں رَے کا ناظم بنایا گیا ہوں۔ میرے دوست احباب مجھے مبارکباد دے چکے۔ اَب جو مجھ سے فرمان لے لیا جائے گا، تو لوگ دل میں کیا کہیں گے؟

زیاد۔ یہ سوال تو تمھیں اپنے دل سے کرنا چاہیے۔

سعد۔ یا امیر مجھے کچھ اور مہلت دیجیے۔

زیاد۔ تم اس طرح ٹال مٹول کرکے دیر کرنی چاہتے ہو۔ کلام پاک کی قسم اَب میں تمھارے ساتھ زیادہ سختی سے پیش آؤں گا۔ اگر شام کو حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہوکر نہ آئے تو تمام جائداد ضبط کرلوں گا۔ تیرا گھر لٹوادوں گا۔ مکان پامال ہوجائے گا۔ اور تیری جان کی بھی خیریت نہیں۔

(زیاد کا جانا)

سعد۔ (دل میں) معلوم ہوتا ہے کہ میری تقدیر میں رُوسیاہ ہونا ہی لکھا ہے۔ اَب محض رَے کی نظامت کا سوال نہیں، بلکہ اپنی جان اور جائداد کا سوال بھی ہے۔ اِس ظالم نے ہانی کو کتنی بے دردی سے قتل کیا۔ کثیر کو بھی اپنی آئین پروری کی گراں قیمت دینی پڑی۔ شہر والوں نے زبان تک نہ ہلائی۔ وہ تو محض حسینؑ کے عزیز تھے۔ یہ

معاملہ اس سے کہیں نازک ہے۔ زیاد برہم ہوجائے گا تو جو کچھ نہ کرگزرے، وہ تھوڑا ہے۔ میں رَے کو ایمان پر قُربان کرسکتا ہوں۔ لیکن جان اور جائداد کو نہیں قربان کرسکتا۔ کاش مجھ میں ہانی اور کثیر کی سی ہمت ہوتی۔

(شمر کا آنا)

شمر۔ السّلام علیک سعد! کس فکر میں بیٹھے ہو۔ زیاد کو تم نے کیا جواب دیا؟

سعد۔ دل حسینؑ کے مقابلہ پر راضی نہیں ہوتا۔

شمر۔ ثروت اور دولت حاصل کرنے کا ایسا سنہری موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ ایسے موقع زندگی میں باربار نہیں آتے۔

سعد۔ نجات کیسے ہوگی؟

شمر۔ خدا رحیم ہے، کریم ہے، اُس کی ذات سے کچھ بعید نہیں۔ گناہوں کو معاف نہ کرتا تو رحیم کیوں کہلاتا۔ اگر ہم گناہ نہ کریں تو وہ معاف کیا کرے گا؟

سعد۔ خدا ایسے بڑے گناہ کو معاف نہ کرے گا۔

شمر۔ اگر خدا کی ذات سے یہ اعتقاد اُٹھ جائے تو میں آج مسلمان نہ رہوں۔ یہ روزہ اور نماز یہ زکوٰۃ اور خیرات کس مرض کی دوا ہے۔ اگر ہمارے گناہوں کو بھی معاف نہ کراسکے۔

سعد۔ رسولؐ خدا کو کیا منہ دِکھاؤں گا؟

شمر۔ سعد تم سمجھتے ہو، ہم اپنی مرضی کے مختار ہیں۔ یہ عقیدہ باطل ہے۔ سب کے سب حکم کے بندے ہیں۔ اُس کی مرضی کے بغیر ہم اپنی اُنگلی کو بھی نہیں ہلاسکتے۔ ثواب اور عذاب کا یہاں سوال ہی نہیں رہتا۔ عقل مند آدمی اُدھار کے لیے نقد کو نہیں چھوڑتا۔ تاخیر مت کرو۔ ورنہ افسوس ہی ہاتھ رہے گا۔

(شمر چلا جاتا ہے)

سعد۔ (دل میں) شمر نے بہت معقول باتیں کہیں۔ بے شک خدا اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرے گا۔ ورنہ حساب کے دن دوزخ میں گناہ گاروں کے کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہ ملے گی۔ میں زاہد نہ سہی۔ لیکن مجھے تو خدا کے سامنے ندامت سے گردن جھکانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بے شک خدا کی یہی مرضی ہے کہ حسینؑ کے

مقابلہ پر میں جاؤں، ورنہ زیاد یہ تجویز ہی کیوں کرتا۔ جب خدا کی یہی مرضی ہے تو مجھے سر جھکانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ اب جو ہونا ہو سو ہو۔ آگ میں کود پڑا۔ جلوں یا بچوں۔

(غلام کو نکالا کر زیاد کے نام اپنی منظوری کا خط لکھتا ہے)

غلام۔ شاید حضور نے 'رَے' کی نظامت قبول کرلی؟

سعد۔ جا تجھے اِن باتوں سے کیا مطلب!

غلام۔ میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ آپ یہی فیصلہ کریں گے۔

سعد۔ تجھے کیوں کر اس کا علم تھا؟

غلام۔ میں خود اس منصب کو نہ چھوڑتا۔ چاہے اِس کے لیے کتنا ہی ظلم کرنا پڑتا۔

سعد۔ (دل میں) ظالم کیسے پتے کی بات کہتا ہے!

(غلام چلا جاتا ہے)

چوتھا سین

(فرات ندی کے کنارے سعد کا لشکر پڑا ہوا ہے۔ فرات سے دو میل کے فاصلے پر
کربلا کے میدان میں حضرت امام حسینؑ کا لشکر ہے۔ فرات اور حسینؑ کے لشکر کے
بیچ میں سعد نے ایک لشکر کو ندی کا پانی روکنے کے لیے پہرا بٹھا دیا ہے۔ صبح کا
وقت شمر اور سعد خیمے میں بیٹھے ہوئے ہیں)

سعد۔ میرا دل ابھی تک حسینؑ سے جنگ کرنے کو تیار۔نہیں ہوتا۔ چاہتا ہوں، کسی طریقہ
سے صلح ہوجائے۔ مگر تین قاصدوں میں سے ایک بھی میرے خط کا جواب نہ
لاسکا۔ ایک تو حضرت حسینؑ کے پاس جا ہی نہ سکا۔ دُوسرا شرم کے مارے راستہ ہی
سے کسی طرف ہٹ گیا اور تیسرے نے جاکر حسینؑ کی بیعت اختیار کرلی۔ اب اور
قاصدوں کو بھیجتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ ان کا بھی وہی حال نہ ہو۔

شمر۔ زیاد کو یہ باتیں معلوم ہوں گی۔ تو آپ سے سخت ناراض ہوگا۔

سعد۔ مجھے باربار یہی خیال آتا ہے کہ حسینؑ یہاں جنگ کے ارادے سے نہیں محض ہم
لوگوں کے بُلانے سے آئے ہیں۔ انھیں بُلاکر اُن سے دغا کرنی انسانیت کے خلاف
معلوم ہوتا ہے۔

شمر۔ مجھے خوف ہے کہ آپ کی تاخیر سے ناراض ہوکر زیاد آپ کو واپس نہ بُلالے۔ پھر
اُس کے غصّے سے خدا ہی بچائے۔ زیاد نے کتنی سخت تاکید کی تھی کہ حسینؑ کے لشکر
کو پانی کی ایک بُوند بھی نہ ملے۔ وہاں اُن کے آدمی دریا سے پانی لے جاتے ہیں۔
اِدھر سے کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ زیاد سے یہ باتیں چھپی
ہوں گی؟

سعد۔ معلوم نہیں، کون اُس کے پاس یہ سب خبریں بھیجتا رہتا ہے؟

شمر۔ اُس نے یہاں اپنے کتنے ہی گویندے بٹھا رکھے ہیں، جو دَم دَم کی خبریں بھیج دیتے
ہیں۔

(ایک قاصد کا آنا)

قاصد۔ السلام علیک بن سعد۔ امیر کا حکم نامہ لاتا ہوں۔

(سعد کو زیاد کا خط دیتا ہے)

سعد۔ (خط پڑھ کر) تم باہر بیٹھو۔ اس کا جواب دیا جائے گا۔

(قاصد چلا جاتا ہے)

اِس میں بھی وہی تاکید ہے کہ حسینؑ کو پانی مت لینے دو۔ جنگ کرنے میں ایک لمحے کی دیر نہ کرو۔ دیکھیے لکھتے ہیں:

"حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے اَب کوئی عذر نہیں رہا، فوج کی کمی کی شکایت تھی سو وہ بھی نہیں رہی۔ اَب میرے پاس بائیس ہزار سوار اور پیدل موجود ہیں۔"

شمر۔ بے شک اِن کا لکھنا واجب ہے، میں جاکر سخت حکم دیتا ہوں کہ حسینؑ کے لشکر کی چڑیا بھی دریا کے کنارے نہ آنے پائے۔ آپ جنگ کا حکم دے دیں۔

سعد۔ آپ کو معلوم ہے۔ ۲۲ ہزار آدمیوں میں کتنے عذاب کے خوف سے بھاگ گئے۔ اور روز بھاگتے جاتے ہیں؟

شمر۔ اِس لیے تو اور بھی ضروری ہے کہ جنگ شروع کردی جائے۔ ورنہ رفتہ رفتہ یہ ساری فوج بادلوں کی طرح غائب ہوجائے گی۔ لیکن میں نے سُنا ہے کہ زیاد نے اِن سب آدمیوں کو گرفتار کرلیا ہے اور بہت جلد وہ سب فوج میں آجائیں گے۔ یہ حُکم بھی جاری کردیا ہے کہ جو آدمی فوج سے نکل بھاگے گا، اُس کی جائداد ضبط کرلی جائے گی۔ اور اُسے خاندان کے ساتھ جلاوطن کردیا جائے گا۔ اِس حکم کا لوگوں پر اچھا اثر پڑا ہے۔ اَب اُمید نہیں کہ بھاگنے کی کوئی ہمت کرے۔ مجھے یہ بھی خبر مِلی ہے کہ زیاد نے کئی آدمیوں کو قتل کرادیا ہے۔

(ایک اور قاصد کا آنا)

قاصد۔ السلام علیک بن سعد حضرت حسینؑ نے یہ خط بھیجا ہے۔ اور اس کا جواب طلب کیا ہے۔

(سعد کو خط دیتا ہے)

سعد۔(خط پڑھ کر) باہر جاکر بیٹھو۔ ابھی جواب ملے گا۔

شمر۔ (خط پر جھک کر) اِس میں کیا لِکھا ہے؟
سعد۔ (خط بند کر کے) کچھ نہیں، یہی لکھا ہے کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔
شمر۔ یہ اُن کی نئی چال ہے۔ کلام پاک کی قسم۔ آپ اُن کی درخواست مان کر پچھتائیں گے۔
آپ کو فوج میں پھر آنا نصیب نہ ہوگا۔
سعد۔ کیا تمھارا یہ مطلب ہے کہ حضرت حسینؑ مجھ سے دغا کریں گے؟ علیؑ کا بیٹا دغا نہیں
کرسکتا۔
شمر۔ یہ میرا مطلب نہیں۔ یہاں سے بچ نکلنے کی کوئی تجویز پیش کرنی چاہتے ہوں گے۔ اُن
کی زبان میں جادو کا اثر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو چکمہ دیں۔ کیا ہرج ہے اگر
میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟
سعد۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں اپنی دین اور دُنیا کی خود حفاظت کرسکتا ہوں۔ مجھے تمھاری مدد
کی ضرورت نہیں۔
شمر۔ آپ کو اختیار ہے۔ کم سے کم میری اِتنی صلاح تو مان ہی لیجیے گا کہ اپنے ساتھ
تھوڑے سے چُنے ہوئے آدمی لیتے جایئے گا۔
سعد۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ جیسا ٹھیک سمجھوں گا کروں گا۔

(قاصد کو بُلاکر خط کا جواب دیتا ہے)

شمر۔ رات کا وقت لکھا ہے نا؟
سعد۔ اِتنا تو تمھیں خود سمجھ لینا چاہیے تھا۔
شمر۔ (جانے کے لیے کھڑا ہوکر) میری بات کا ضرور خیال رکھیے گا۔ (دل میں) اُس کے
انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی باتوں میں آجائے گا۔ زیاد کے
پاس خود جاکر یہ قصّہ کہوں۔
سعد۔ (دل میں) خدا تجھ سے سمجھے ظالم، تو زیاد سے بھی دو اُنگل بڑھا ہوا ہے۔ شاید میرا یہ
قیاس غلط نہیں ہے کہ توہی زیاد کو یہاں کے حالات کی اطلاع دیتا ہے۔ حسینؑ دغا
کریں گے! حسینؑ دغا کرنے والوں میں نہیں دغا کا شکار ہونے والوں میں ہیں۔

(اُٹھ کر اندر چلا جاتا ہے)

پانچواں سین

حضرت حسینؑ کے حرم کی عورتیں بیٹھی ہوئی باتیں کررہی ہیں۔

(شام کا وقت)

سکینہ۔ اماں بڑی پیاس لگی ہے۔

علی اصغر۔ پانی، پانی۔

خفہ۔ قُربان گئی بیٹے، کتنا پانی پیوگے؟ ابھی لائی۔ (مشکوں کو جاکر دیکھتی ہے اور چھاتی پیٹتی لوٹتی ہے) اَے قربان گئی بی بی کہیں ایک بُوند پانی نہیں بچّوں کو کیا پلاؤں؟

زینبؓ۔ کیا بالکل پانی غائب ہوگیا؟

خفہ۔ اَے قربان گئی بی بی۔ ساری مشکیں خالی پڑی ہوئی ہیں۔

زینبؓ۔ غضب ہوگیا ندی تو بند ہی تھی۔ اب ظالم کنوئیں بھی نہیں کھودنے دیتے۔

اصغر۔ پانی۔ پانی۔

شہربانو۔ یا خدا! کس عذاب میں پھنسے۔ اِن ننھوں کو کیسے سمجھاؤں!

خفہ۔ بی بی۔ قربان جاؤں! میں جاکر دریا سے پانی لاتی ہوں، کون مُوا روکے گا۔ منہ جھلس دُوں اُس کا۔ کیا میرے لال پیاسوں تڑپیں گے، جب دریا میں پانی بھرا ہوا ہے؟

زینبؓ۔ تو نہیں جانتی۔ ساڑھے چھ ہزار جوان دریا کا پانی روکنے کے لیے تعینات ہیں۔

خفہ۔ اَے قربان جاؤں بی بی کون مجھ سے بولے گا۔ جھاڑو نہ ماروں گی۔ رسولؐ کے بیٹے پیاسے رہیں گے؟

(خفہ ایک مشک لے کر دریا کی طرف جاتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد لوٹ آتی ہے۔ سر کے بال نُچے ہوئے، کپڑے پھٹے ہوئے، مشک ندارد روتی ہوئی زمین پر بیٹھ جاتی ہے)۔

زینبؓ۔ کیا ہوا خفہ؟ یہ تیری کیا حالت ہے؟

خفہ۔ بی بی خدا کا عذاب ان رُوسیاہوں پر نازل ہو ظالموں نے مجھے روک لیا۔ میری مشک چھین لی۔ اور ایک کتّے کو مجھ پر چھوڑ دیا۔ بھاگتے بھاگتے کسی طرح یہاں تک پہنچی ہوں۔ ہائے ان موذیوں پر آسمان بھی نہیں ٹوٹ پڑتا۔ اتنا ذلیل کبھی نہ ہوئی تھی۔

(روتی ہے)

حسینؑ۔ (اندر جاکر) خفہ کیوں روتی ہے۔ ارے یہ تیرے کپڑے کس نے پھاڑے؟

زینبؓ۔ بے چاری شامت کی ماری پانی لانے گئی تھی۔ بچے پیاس سے تڑپ رہے تھے ظالموں نے نیم جان کردیا۔

حسینؑ۔ خفہ مت رو۔ رسولؐ کے قدموں کی قسم۔ ابھی ان ظالموں کا سر تیرے پیروں پر ہوگا۔ جن کے بے رحم ہاتھوں نے تیری بے حُرمتی کی ہے۔ چاہے میرے سارے رفیق میرے سارے عزیز اور میں خود کیوں نہ مرجاؤں۔ عورت کی بے حرمتی کا بدلہ خون ہے۔ چاہے وہ غلام اور بیکس ہی کیوں نہ ہو۔ میں اِن ظالموں کو دِکھا دُوں گا کہ مجھے اپنی لونڈی کی آبرو اپنے حرم سے کم پیاری نہیں ہے۔

(تلوار ہاتھ میں لے کر باہر جاتے ہیں، پر خفہ ان کے پاؤں سے لپٹ جاتی ہے)

خفہ۔ میرے آقا میری جان آپ پر فدا ہو۔ میں اُپنا بدلہ دُنیا میں نہیں عقبیٰ میں لینا چاہتی ہوں۔ جہاں کی آگ کہیں زیادہ تیز۔ جہاں کی سزائیں یہاں سے کہیں زیادہ دِل ہلانے والی ہوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کی تلوار سے قتل ہوکر وہ عذاب سے چھوٹ جائیں۔

حسینؑ۔ خفہ یہ سب اِس کے لیے ہے، جو دُنیا میں اُپنا بدلہ نہ لے سکے۔ اگر میرے پاس ایک لاکھ آدمی ہوتے تو تیری بے عزّتی کا بدلہ لینے کے لیے میں انھیں قربان کردیتا۔ اِن بہتّر آدمیوں کی حقیقت ہی کیا ہے۔ میرے پاؤں چھوڑ دے۔ ایسا نہ ہوکہ میرا غصہؔ آگ بن کر مجھ کو جلا کر خاک کردے۔

خفہ۔ (دل میں) کاش اس وقت وہ ظالم یہاں ہوتے اور دیکھتے کہ جسے انھوں نے کتّوں سے نُچوایا تھا۔ اُس کی حضرت علی کے بیٹے کی نگاہوں میں اتنی عزّت ہے۔ (ظاہراً) نہیں میرے مولا میں دُشمنوں کو اِتنی اچھی موت دینا نہیں چاہتی۔ میں انھیں جہنم کی آگ میں جلانا چاہتی......

(علی اکبر کا آنا)

علی اکبر۔ ابّا جان سعد اپنی فوج سے نکل کر آیا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

حسینؑ۔ ہاں! میں نے اُسے اُسی وقت بلایا تھا۔ پہلے اُس سے خفہ کے ستانے والوں کے ظلم کا

معاوضہ لینا ہے۔

(حضرت حسینؑ اور علی اکبر باہر جاتے ہیں)

علی اکبر۔ یا حضرت میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گا۔

عباسؓ۔ میں بھی۔

حسینؑ۔ نہیں میں نے اُس سے تنہا ملنے کا وعدہ کیا ہے۔ تمھارے ساتھ رہنے سے میری بات میں فرق آئے گا۔

اکبر۔ وہ تو اپنے ساتھ ایک سو جوانوں سے زیادہ لایا ہے جو چند قدموں کے فاصلے پر کھڑے ہیں۔ ہم آپ کو تنہا نہ جانے دیں گے۔

عباسؓ۔ سعد کی شرافت پر مجھے بھروسہ نہیں ہے۔

حسینؑ۔ میں اُسے اتنا کمینہ نہیں سمجھتا کہ میرے ساتھ دغا کرے۔ خیر چلو اگر اُسے کوئی اعتراض نہ ہوگا تو وہاں موجود رہنا۔ اُسے بھی اپنے ساتھ دو آدمیوں کو رکھنے کی آزادی ہوگی۔

(تینوں آدمی ہتھیاروں سے سج کر چلتے ہیں۔ پردہ بدلتا ہے۔ دونوں فوجوں کے بیچ میں حسینؑ اور سعد کھڑے ہیں۔ حضرت حسینؑ کے ساتھ اکبر اور عباسؓ ہیں۔ سعد کے ساتھ اس کا بیٹا اور غلام)

سعد۔ السلام علیک یا فرزند رسولؐ۔ آپ نے مجھے اپنی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع دیا، اِس کے لیے آپ کا مشکور ہوں۔ مجھے کیا ارشاد ہے؟

حسینؑ۔ میں نے تمھیں یہ تصفیہ کرنے کے لیے تکلیف دی ہے کہ آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ تمھارے والد رسولؐ پاک کے فدائیوں میں سے تھے۔ اور اگر باپ کی طبیعت کا اثر کچھ بیٹے پر پڑتا ہے تو مجھے اُمید ہے کہ تم میں انسانیت کا جوہر موجود ہے۔ کیا نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟ میں تمھارے منہ سے سُننا چاہتا ہوں۔

سعد۔ آپ رسولؐ پاک کے نواسے ہیں۔

حسینؑ۔ اور یہ جان کر بھی تم مجھ سے جنگ کرنے آئے ہو۔ کیا تمھیں خدا کا ذرا بھی خوف نہیں۔ تم میں ذرا بھی اِنصاف نہیں ہے کہ تم مجھ سے جنگ کرنے آئے ہو، جو تمھارے ہی بھائیوں کی دغا کا شکار بن کر یہاں آپھنسا ہے۔ اور اَب یہاں سے واپس

جانا چاہتا ہے۔ کیوں ایسا کام کرتے ہو۔ جس کے لیے تمھیں دُنیا میں رسوائی اور
عقبٰی میں رُوسیاہی حاصل ہو؟

سعد۔ یا حضرت میں کیا کروں۔ خدا جانتا ہے کہ میں کتنی مجبوری کی حالت میں یہاں آیا
ہوں۔

حسینؑ۔ سعد کوئی انسان آج تک یہ کام کرنے پر مجبور نہیں ہوا، جو اُسے پسند نہ آیا ہو۔ تم
کو یقین ہے کہ میرے قتل کے صلے میں تمھاری جاگیر بڑھے گی۔ رَے کی حکومت
ہاتھ آئے گی۔ دولت حاصل ہوگی۔ لیکن سعد حرام کی دولت نے بہت دنوں تک
کسی کے ساتھ دوستی نہیں کی۔ اور نہ تمھارے لیے اپنی پُرانی عادت چھوڑے گی۔
ہوس کو چھوڑو، اور مجھے اپنے گھر جانے دو۔

سعد۔ پھر تو میری زندگی کے دن اُنگلیوں پر گِنے جاسکتے ہیں۔

حسینؑ۔ اگر یہ خوف ہے تو میں تمھیں اپنے ساتھ لے جاسکتا ہوں۔

سعد۔ یا حضرت ظالم میرے مکان برباد کردیں گے، جو شہر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

حسینؑ۔ سبحان اللہ! تم نے وہ بات منھ سے نکالی جو تمھاری شان سے بعید ہے۔ اگر حق پر
قائم رہنے کی سزا میں تمھارا مکان برباد کیا جائے تو ایسا بڑا نقصان نہیں۔ حق کے
لیے لوگوں نے اُس سے کہیں بڑے نقصان اُٹھائے ہیں۔ یہاں تک کہ جان سے بھی
دریغ نہیں کیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمھیں اُس سے اچھا مکان بنوا دوں گا۔

سعد۔ یا حضرت میرے پاس بڑی زرخیز اور آباد جاگیریں ہیں، جو ضبط کرلی جائیں گی۔ اور
میری اُولاد اِن سے محروم رہ جائے گی۔

حسینؑ۔ میں حجاز میں تمھیں اُن سے زیادہ زرخیز اور آباد جاگیریں دُوں گا۔ اطمینان رکھو کہ
میری ذات سے تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

سعد۔ یاحضرت آپ پر میری جان نثار ہو۔ میرے ساتھ ۲۲ہزار سوار اور پیدل ہیں۔ زیاد
نے ان کے سرداروں سے بڑے بڑے وعدے کررکھے ہیں۔ میں اگر آپ کی طرف
آبھی جاؤں تو یہ آپ سے ضرور جنگ کریں گے۔ اِس لیے ٹھیک یہی ہے کہ آپ
جو شرطیں پسند فرمائیں، میں زیاد کو لِکھ دوں گا۔ میں اپنے خط میں صلح پر زور دُوں
گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ زیاد میری تجویز کو منظور کرلے گا۔

حسینؑ۔ خدا تمھیں اِس کا ثواب عاقبت میں دے گا۔ میری پہلی شرط یہ ہے کہ مجھے مکہ کو لوٹنے دیا جائے۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو میں سرحدوں کی طرف جاکر اُمن سے زندگی بسر کرنے کو راضی ہوں، اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو مجھے یزید کے پاس جانے دیا جائے۔ اور سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ جب تک میں یہاں ہوں، مجھے دریا سے پانی لینے کی پوری آزادی حاصل ہو۔ میں یزید کی بیعت کسی حالت سے نہ قبول کروں گا۔ اور اگر تم نے میری واپسی کی یہ شرط قائم کی تو ہم یہاں شہید ہوجانا ہی پسند کریں گے۔ لیکن اگر یہ ارادہ ہے کہ مجھے قتل ہی کردیا جائے تو میں اپنی جان کو گراں سے گراں قیمت پر بیچوں گا۔

سعد۔ حضرت آپ کی شرط بہت معقول ہے۔

حسینؑ۔ میں تمھارے جواب کا کب تک انتظار کروں؟

سعد۔ صبح آفتاب کی روشنی کے ساتھ میرا قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔

(دونوں آدمی اپنی اپنی فوج کی طرف لوٹتے ہیں)

چھٹا سین

(آٹھ بجے شب کا وقت۔ زیاد کی خاص بیٹھک۔ شمر اور زیاد باتیں کررہے ہیں)

زیاد۔ کیا کہتے ہو؟ میں نے سخت تاکید کردی تھی کہ دریا پر حسینؑ کا کوئی آدمی نہ آنے پائے۔

شمر۔ بجا ہے، مگر میں تو حسینؑ کے آدمیوں کو دریا سے پانی لاتے برابر دیکھتا رہا ہوں۔ اور شاید میرا دریا کی حفاظت کے لیے اپنی ذمہ داری پر حکم صادر کرنا سعد کو بُرا لگا۔

زیاد۔ سعد پر مجھے اطمینان ہے۔ ممکن ہے اُسے لوگوں کو پیاسوں مرتے دیکھ کر رحم آگیا ہو۔ اور حق تو یہ ہے کہ شاید میں بھی اس موقع پر اِتنا بے رحم نہ ہوسکتا۔ اِس سے یہ تو نہیں ثابت ہوتا کہ سعد کی نیت ڈانواں ڈول ہو رہی ہے۔

شمر۔ میں سعد کی شکایت کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں نہیں حاضر ہوا ہوں۔ صرف وہاں کی حالت عرض کرنا تھی۔ حسینؑ نے آج سعد کو ملاقات کی غرض سے بُلایا بھی تو ہے۔ دیکھیے کیا باتیں ہوتی ہیں۔

زیاد۔ کیا؟ حسینؑ سے ملاقاتیں بھی ہورہی ہیں؟ تم ثابت کرسکتے ہو؟

شمر۔ حضور ثبوت کی ضرورت نہیں۔ ان کا قاصد آتا ہی ہوگا۔

زیاد۔ کیا کئی بار ملاقتیں ہوئی ہیں؟

شمر۔ آج کی ملاقات کا تو مجھے علم ہے۔ پر شاید اور بھی ملاقاتیں تنہائی میں ہوئی ہوں۔

زیاد۔ کوئی اور آدمی ساتھ نہیں رہا؟

شمر۔ میں نے خود ساتھ چلنا چاہا تھا۔ لیکن میری عرض قبول نہ ہوئی۔

زیاد۔ کلام پاک کی قسم! میں اسے برداشت نہیں کرسکتا۔ میں نے اُسے حسینؑ سے جنگ کرنے کو بھیجا ہے۔ مصالحت کرنے کے لیے نہیں۔ میں اس سے اس کا جواب طلب کروں گا۔

شمر۔ حضور نے اُن کے ساتھ جو سُلوک کیے ہیں اور اس کام کے لیے جو صِلہ تجویز کیا ہے وہ تو کسی دُشمن کو بھی آپ کا دوست بنا دیتا۔ مگر اپنا اپنا مزاج ہی تو ہے۔

(ایک قاصد کا آنا)

قاصد۔ السّلام علیک۔ یا امیر عمر بن سعد کا خط لایا ہوں۔

(زیاد کو خط دیتا ہے اور زیاد اُسے پڑھنے لگتا ہے۔ قاصد باہر چلا جاتا ہے)

زیاد۔ اس مصالحت کا نتیجہ تو اچھا نکلا۔ حسینؑ واپس جانے کو رضامند ہیں۔ اور سعد نے اس کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اِن کی جانب سے کسی خطرے کا اندیشہ نہیں۔ خلیفہ یزید کا منشا بھی یہی ہے۔ سعد نے خوب کیا کہ بغیر جنگ و جدال کے فتح حاصل کرلی۔

شمر۔ بیشک بڑی شاندار فتح ہے۔

زیاد۔ کیوں، یہ فتح نہیں ہے؟ طعنہ کیوں دیتے ہو؟

شمر۔ جِسے آپ فتح سمجھ رہے ہیں، وہ فتح نہیں، آپ کی شکست ہے۔ ایسی شکست جو پھر آپ کو اُٹھنے نہ دے گی۔ آگ، پھوس میں پڑ کر اتنی خوفناک نہیں ہوسکتی جتنے اِس محاصرے سے نکل کر حُسینؑ ہوجائیں گے۔ شیر کسی شکار کے پیچھے دوڑتا ہوا بستی میں آگیا ہے۔ اُسے آپ گھیر کر مار سکتے ہیں۔ لیکن ایک بار وہ پھر جنگل میں پہنچ جائے تو کون ہے، جو اُس کے پنجوں کے سامنے جانے کی ہمت کرسکے۔ کربلا سے نکل کر حسینؑ وہ دریا ہوں گے جو باندھ کو توڑکر باہر نکل آیا ہو۔ اور آپ کی حالت اُسی ٹوٹے ہوئے باندھ کی طرح ہوگی۔

زیاد۔ ہاں، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اگر وہ نکل کر حجاز اور یمن چلے جائیں تو شاید خلیفہ یزید کی خلافت ڈگمگا جائے۔ مگر ایک شرط یہ بھی تو ہے کہ انھیں یزید کے پاس جانے دیا جائے۔ اس میں ہمیں کیا عذر ہوسکتا ہے؟

شمر۔ اگر باز کبوتر کے نزدیک پہنچ جائے تو دُنیا کی کوئی فوج اُسے باز کے چنگل سے نہیں بچاسکتی، کوئی عجب نہیں کہ اپنی عقل کے زور سے امروز کا قیدی فردا کا خلیفہ ہو اور خلیفہ کو اُلٹے اُن کی بیعت قبول کرنی پڑے۔

زیاد۔ تمھارا یہ خیال بھی بہت دُرست ہے، کاش مجھے تمھاری وفاداری کا اِتنا علم پہلے ہوتا تو تمھیں فوج کے سپہ سالار ہوتے۔

زیاد۔ تم صبح چلے جاؤ، اور سعد سے کہو کہ فوراً جنگ شروع کردے۔

شمر۔ حضور کو جو حکم دینا ہو، بذریعہ خط عطا فرمائیں۔ ماتحت کے ذریعہ افسر کو حکم دینا افسر
کو ماتحت کے خون کا پیاسا بنانا ہے۔
زیاد۔ بہتر میں خط ہی لکھے دیتا ہوں۔

(زیاد خط لکھ کر شمر کو دیتا ہے)

شمر۔ اِس میں حضور نے ایسا کوئی کلمہ تو نہیں لکھا جس میں سعد کو شبہہ ہوکہ میرے
اِشارے سے لکھا گیا ہے؟
زیاد۔ مطلق نہیں۔ ہاں یہ البتہ لکھ دیا ہے کہ اگر تونے سرتابی کی تو تیری جگہ شمر لشکر کا
سردار ہوگا۔
شمر۔ حضور کی قدردانی کی کہاں تک تعریف کروں!
زیاد۔ اس کی ضرورت نہیں۔ اگر سعد میرے حکم کی تعمیل کرے تو بہتر، نہیں تو وہ معزول
ہوگا اور تم لشکر کے سردار ہوگے۔ پہلا کام جو تم کروگے وہ سعد کا سر قلم کرکے
میرے پاس بھیجنا ہوگا۔ یہی تمھاری بحالی کی سند ہوگی۔
شمر۔ (اُٹھ کر) آداب بجا لاتا ہوں۔

(شمر باہر چلا جاتا ہے اور زیاد مکان میں آرام کرنے جاتا ہے)

ساتواں سین

(صبح۔ شام کا لشکر۔ حُر اور سعد گھوڑوں پر سوار فوج کا معائنہ کر رہے ہیں)

حُر۔ ابھی تک زیاد نے آپ کے خط کا جواب نہیں دیا؟

سعد۔ اُس کے انتظار میں رات بھر آنکھیں نہیں لگیں۔ جب کسی کی آہٹ ملتی تھی تو گمان ہوتا تھا کہ قاصد ہے۔ مجھے تو یقین ہے کہ امیر زیاد میری تجویز منظور کرلیں گے۔

حُر۔ کاش ایسا ہوتا۔ اگر جنگ کی نوبت آئی تو فوج کے کتنے ہی سپاہی لڑنے سے اِنکار کردیں گے۔

(سامنے سے شمر گھوڑا دوڑاتا ہوا آتا ہے)

سعد۔ لو قاصد بھی آگیا۔ خدا کرے، اچھی خبر لایا ہو؟ اَرے یہ تو شمر ہے۔

حُر۔ ہاں شمر ہے۔ خدا خیر کرے، جب یہ خود زیاد کے پاس گیا تھا تو مجھے آپ کی تجویز منظور ہونے میں بہت شک ہے۔

شمر۔ (قریب آکر) السلام علیک، میں کل ایک ضرورت سے مکان چلاگیا۔ آخر زیاد کو خبر ہوگئی۔ اُس نے مجھے بلایا اور آپ کو یہ خط دیا۔

(خط سعد کو دیتا ہے۔ سعد خط پڑھ کر جیب میں رکھ لیتا ہے اور ایک لمبی سانس لیتا ہے)

سعد۔ شمر میں نے سمجھا تھا، تم صلح کی خبر لائے ہوگے۔

شمر۔ آپ کی سمجھ کی غلطی تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ امیر زیاد ایک مرتبہ فیصلہ کرکے پھر اُسے نہیں بدلتے۔ اَب آپ کی کیا منشا ہے۔

سعد۔ مجبوراً حکم کی تعمیل کروں گا۔

شمر۔ تو میں فوج کو تیار ہونے کا حکم دیتا ہوں۔

سعد۔ جیسا دُرست سمجھو۔

(شمر فوج کی طرف چلا جاتا ہے)

حُر۔ خدا سب کچھ کرے، لیکن اِنسان کا باطن سیاہ نہ بنائے۔

سعد۔ یہ سب انھیں حضرت کی کارگزاری ہے۔ زیاد میری طرف سے کبھی اِتنے بدگمان نہ تھے۔

حُر۔ مجھے تو فرزندِ رسولؐ سے لڑنے کے خیال ہی سے وحشت ہوتی ہے۔

سعد۔ حُر۔ تم سچ کہتے ہو، مجھے یقین ہے کہ اِن سے جو لڑے گا، اُس کی جگہ جہنم میں ہے۔ مگر مجبور ہوں۔ اس کی پرواہ نہ کروں تو بھی گھر کی طرف سے بے فکر تو نہیں ہوسکتا۔ افسوس میں تو ہوس کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ کاش میرا دل اتنا مضبوط ہوتا کہ رَے کی نظامت پر لٹو نہ ہوجاتا تو آج میں فرزندِ رسولؐ کے مقابلے پر کھڑا نہ ہوتا۔ حُر کیا اس جنگ کے بعد کسی طرح مغفرت نہیں ہوسکتی؟

حُر۔ فرزندِ رسولؐ کے خون کا داغ کیسے دُھلے گا؟

سعد۔ حُر، میں اِتنے روزے رکھوں گا، کہ میرا جسم گھُل جائے گا۔ اتنی نمازیں ادا کروں گا کہ آج تک کسی نے نہ کی ہوں گی۔ رَے کی ساری آمدنی خیرات کردوں گا۔ پیادہ پا حج کروں گا اور رسولؐ پاک کے مزار شریف پر بیٹھ کر روؤں گا۔ گنہگاروں کی خطائیں معاف کروں گا اور ایک چیونٹی کو بھی ایذا نہ پہنچاؤں گا۔ ہائے ظالم شمر سوچنے کا بھی موقع نہیں دینا چاہتا۔ فوجیں تیار ہو رہی ہیں۔ قیس، حجاج، اشعث اپنے اپنے آدمیوں کو صفوں میں کھڑا کرنے لگے، وہ دیکھیے، نقارے پر چوب بھی پڑگئی۔

حُر۔ میں بھی جاتا ہوں، اپنے آدمیوں کو سنبھالوں۔

(آہستہ آہستہ جاتا ہے)

سعد۔ (دل میں) اَے خدا! بہت بہتر ہوتا کہ تو نے مجھے شمر کی طرح سیاہ باطن بنایا ہوتا کہ عذاب کی کشمکش سے آزاد ہوجاتا۔ یا ہانی اور کثیر کی طرح دل دیا ہوتا کہ اپنے کو غیر پر قربان کردیتا۔ کمزور اِنسان جس کی اپنی مرضی پر قابو نہ ہو، غلام سے بھی بدتر ہے۔ میرے قبیلے والوں نے بھی صف بندی شروع کردی۔ مجھے بھی اب جاکر اپنی جگہ پر سب سے آگے چلنا چاہیے اور وُہی کرنا چاہیے، جو شمر کرائے۔ کیونکہ اَب میں فوج کا سردار نہیں ہوں، شمر ہے۔

(آہستہ آہستہ جاکر فوج کے سامنے کھڑا ہوجاتا ہے)

شمر۔ (اُونچی آواز سے) اَے خلافت کو زندہ رکھنے کے لیے اَپنے تئیں قربان کرنے والے بہادرو! خدا کا نام لے کر قدم آگے بڑھاؤ۔ دُشمن تمھارے سامنے ہے۔ وہ ہمارے رسولؐ پاک کا نواسہ ہے۔ اور اُس رِشتے سے ہم سب اُس کے آگے سر جُھکاتے

ہیں۔ لیکن جو آدمی حرص کا اتنا بندہ ہے کہ رسول پاکؐ کے حکم کو جو اُنھوں نے خلافت کو اب تک قائم رکھنے کے لیے دیا تھا، پیروں تلے کچلتا ہے اور قوم کی بیعت کی پرواہ نہ کرکے اپنی وراثت کے حق کے لیے خلافت کو خاک میں ملا دینا چاہتا ہے، وہ رسولؐ کا نواسہ ہوتے ہوئے بھی مسلمان نہیں ہے۔ ہماری نگاہوں میں رسولؐ کے حکم کی عزت اُس کے نواسہ کی عزت سے کہیں زیادہ ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم نے جس خلیفہ کی بیعت قبول کی ہے، اُسے ایسے حملوں سے بچائیں، جو مذہب کے نام پر کیے جاتے ہیں۔ چلو فرض کے میدان میں قدم بڑھاؤ۔

(نقارہ پر چوب پڑتی ہے اور پورا لشکر حضرت امام حسینؑ کی طرف پڑاؤ کی طرف بڑھتا ہے۔

سعد آگے قدم بڑھاتا ہوا حسینؑ کے قریب پہنچ جاتا ہے)

عباسؓ۔ (حضرت حسینؑ کے خیمے سے نکل کر) سعد یہ دغا! ہم تمھارے جواب کا انتظار کر رہے ہیں اور تم ہمارے اُوپر حملہ کر رہے ہو۔ کیا یہی آئینِ جنگ ہے؟

سعد۔ حضرت، کلام پاک کی قسم۔ میں دغا کے اِرادے سے نہیں آیا (زیاد کا خط عباسؓ کے ہاتھ میں دے کر) یہ دیکھیے، میرے ساتھ اِنصاف کیجیے۔ میں اس وقت نام کے لیے سردار ہوں۔ اختیار شمر کے ہاتھوں میں ہے۔

عباسؓ۔ (خط پڑھ کر) آخر تم دُنیا کی طرف جھکے۔ یاد رکھو خدا کی درگاہ میں شمر نہیں تم خطاوار سمجھے جاؤگے۔

سعد۔ یا حضرت یہ جانتا ہوں۔ لیکن زیاد کے غصّے کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ وہ بلّی ہے میں چوہا ہوں۔ وہ باز ہے، میں کبوتر ہوں۔ وہ ایک اِشارے سے میرے خاندان کا نشان مٹاسکتا ہے۔ اپنی حفاظت کی فکر نے مجھے مجبور کردیا ہے۔ میرے دین اور ایمان کو خوفناک کردیا ہے۔

عباسؓ۔ خلاصہ یہ کہ تم ہمارا محاصرہ کرنا چاہتے ہو۔ ٹھہرو کہ میں جاکر بھائی صاحب کو اِطلاع کردوں۔

(عباسؓ حضرت حسینؑ کے خیمے کی جانب جاتے ہیں)

شمر۔ (سعد کے نزدیک آکر) کیا اب کوئی دُوسری چال چلنے کے لیے سوچ رہے ہیں؟

سعد۔ نہیں، حضرت حسینؑ کو ہماری آمد اور اِرادہ کی اطلاع دینے گئے ہیں۔

شمر۔ یہ اس موقعہ کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لینے کا حیلہ ہے۔ شاید قبیلوں سے امداد طلب کرنے کا قصد کر رہے ہیں۔ ایک دن کی دیر بھی اُنھیں موقع کا بادشاہ بناسکتی ہے۔

(عباسؓ خیمے سے واپس آتے ہیں)

عباسؓ۔ میں نے حضرت حسینؑ کو تمھارا پیغام دیا۔ حضرت کو اِس کا بے حد صدمہ ہے کہ اُن کی کوئی شرط منظور نہیں ہوئی۔ ہمیں صلح کی اِس سے زیادہ کوشش اُن کے امکان میں نہ تھی۔ گو ہم سب جنگ کے لیے تیار ہیں لیکن انھوں نے ایک دن کی مہلت مانگی ہے کہ دعا اور نماز میں گزاریں۔ صبح کو جو ہمیں خدا کا حکم ہوگا، اُس کی تعمیل کریں گے۔

سعد۔ اس کا جواب میں اپنی فوج کے دُوسرے سرداروں سے مشورہ کر کے دُوں گا۔

(عباسؓ اپنے خیمے کی طرف جاتے ہیں اور حر، حجاج، اشعث، قیس سب سعد کے پاس آکر کھڑے ہوجاتے ہیں)

سعد۔ شمر، تمھاری اِس معاملے میں کیا صلاح ہے؟

شمر۔ یہ ان کی حیلہ بازی ہے۔ آئندہ آپ امیر ہیں، جو جی چاہے کریں۔

سعد۔ (دوسرے سرداروں سے مخاطب ہوکر) حضرت حسینؑ نے ایک دن کی مہلت کی درخواست کی ہے۔ آپ لوگوں کی کیا صلاح ہے؟

شمر۔ اس کا آپ لوگ خیال رکھیے گا، کہ یہ مہلت میزان کو پلٹ سکتی ہے۔

حر۔ مہلت کے منظور کرنے میں پس و پیش کا کوئی موقع نہیں۔

حجاج۔ حسینؑ اگر کافر ہوتے اور مہلت کی درخواست کرتے تو بھی اُس کو قبول کرنا لازم تھا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ کل تک آپس میں صلاح کر کے یزید کی بیعت قبول کرلیں تو ناحق خونریزی کیوں ہو۔

شمر۔ اور اگر شام تک بنی اسد اور دُوسرے قبیلے اِن کی مدد کے لیے آجائیں تو؟

اشعث۔ حضرت حسینؑ نے ابھی تک کسی قبیلے سے امداد نہیں طلب کی، ورنہ ہم اتنے اطمینان سے یہاں نہ کھڑے ہوتے۔

سعد۔ بنی اسد ہی نہیں، اگر عراق کے سارے قبیلے آجائیں، تب بھی ہم آج اُنھیں جنگ کے لیے مجبور نہیں کرسکتے۔ یہ اِنسانیت سے بعید ہے۔ میرا فیصلہ یہی ہے، آئندہ

آپ لوگوں کو اختیار ہے۔

(سعد غصّے میں بھرا ہوا وہاں سے چلا جاتا ہے)

شمر۔ کیا آپ لوگوں کی یہی مرضی ہے، کہ آج جنگ ملتوی کی جائے؟

حُر۔ یہاں جتنے اصحاب موجود ہیں، سب اپنی رائے دے چکے۔ امیر لشکر بھی چلا گیا۔ ایسی حالت میں مُہلت کے سوائے اور ہو ہی کیا سکتا ہے؟ اگر آپ اپنی ذمہ داری پر جنگ کرنا چاہتے ہیں تو شوق سے کیجیے۔

(حُر، حجاج وغیرہ بھی چلے جاتے ہیں)

شمر۔ (دل میں) کون کہتا ہے، کہ حُسینؑ کے ساتھ دغا کی گئی؟ یہاں سب کے سب حُسین کے دوست نظر آتے ہیں، اس فوج میں رہنے سے کہیں یہ بہتر تھا کہ سب کے سب حُسینؑ کی فوج میں ہوتے، تب بھی اِن کی اتنی مدد نہ کرسکتے۔ مجھے ذرا بھی تعجب نہ ہوگا، اگر کل سب لوگ ہتھیار رکھ کر حُسین کے قدموں پر گر پڑیں۔ زیاد کو اس مہلت کی اطلاع تو دے ہی دوں۔

(سعد کا قاصد مہلت کا پیغام لے کر حُسینؑ کی لشکر کے جانب آتا ہے۔ شمر اپنے خیمے کی طرف جاتا ہے)

آٹھواں سین

(وقت آٹھ بجے رات۔ حسینؑ ایک کرسی پر میدان میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اِن کے
دوست اور عزیز سب فرش پر بیٹھے ہوئے۔ شمع جل رہی ہے)

حسینؑ۔ شکر ہے خدائے پاک کا، جس نے ہمیں ایمان کی روشنی عطا کی، تاکہ ہم نیکی کو قبول کریں اور بدی سے بچیں۔ میرے سامنے اِس وقت میرے بیٹے اور بھتیجے، بھائی اور بھانجے، دوست اور رفیق سب جمع ہیں۔ میں سب کے لیے خدا سے دعا کرتا ہوں۔ مجھے اس کا فخر ہے کہ اُس نے مجھے ایسے سعادت مند عزیز اور ایسے جاں نثار دوست عطا کیے۔ آپ نے اپنی دوستی کا حق پوری طرح ادا کردیا۔ آپ نے ثابت کردیا کہ حق کے سامنے آپ جان اور مال کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اسلام کی تاریخ میں آپ کا نام ہمیشہ روشن رہے گا۔ میرا دل، اس خیال سے پاش پاش ہوا جاتا ہے کہ کل میرے باعث وہ لوگ جنھیں زندہ رہنا چاہیے، جن کا حق ہے زندہ رہنا، جن کی ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا باقی ہے، شہید ہوجائیں گے۔ مجھے سچی خوشی ہوگی اگر تم لوگ میرے دل کا یہ بوجھ ہلکا کردوگے۔ میں بڑی خوشی سے ہر ایک کو اجازت دیتا ہوں، کہ اس کا جہاں جی چاہے چلا جائے۔ میرا کسی پر کوئی حق نہیں ہے۔ میں تم سے التماس کرتا ہوں۔ اسے قبول کرو۔ تم سے کسی کی دُشمنی نہیں ہوئی ہے۔ جہاں جاؤگے، لوگ تمھاری عزّت کریں گے۔ تم زندہ شہید ہوجاؤگے جو مرکر شہادت کا درجہ پانے سے کم عزّت کی بات نہیں۔ دُشمن کو صرف میرے خون کی پیاس ہے۔ میں ہی اُس کے راستے کا پتھر ہوں۔ اگر حق اور انصاف کو صرف میرے خون سے آسودگی ہوجائے تو اُس کے لیے اور خون کیوں بہایا جائے۔ سعد سے ایک شب کی مہلت مانگنے میں یہی میرا خیال تھا۔ یہ دیکھو، میں شمع ٹھنڈی کیے دیتا ہوں۔ جس میں کسی کو حجاب نہ ہو۔

(سب لوگ رونے لگتے ہیں اور کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا)

عباسؓ۔ یاحضرت، اگر آپ ہمیں مارکر بھگائیں تو بھی ہم نہیں جاسکتے۔ خدا وہ دن نہ دکھائے

کہ ہم آپ سے جُدا ہوں۔ آپ کی شفقت کے سائے میں پَل کر اَب ہم سوچ ہی نہیں سکتے کہ آپ کے بغیر ہم کیا کریں گے، کیسے رہیں گے۔

علی اکبر۔ ابا جان، یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ ہم آپ کے قدموں پر نثار ہونے کے لیے آئے ہیں۔ آپ کو یہاں تنہا چھوڑکر جانا تو کیا محض، اُس کے خیال سے رُوح کو نفرت ہوتی ہے۔

حبیبؓ۔ خدا کی قسم ہم آپ کو اُس وقت تک نہیں چھوڑسکتے، جب تک دُشمنوں کے سینہ میں تیز برچھیاں نہ چُبھولیں۔ اگر میرے پاس تلوار بھی نہ ہوتی تو میں آپ کی حمایت پتھروں سے کرتا۔

عبداللہ کلبی۔ اگر مجھے اِس کا یقین ہوجائے کہ میں آپ کی حمایت میں زندہ جلایا جاؤں گا اور پھر زندہ ہوکر جلایا جاؤں گا۔ یہ عمل ستّر مرتبہ ہوتا رہے گا، تو بھی میں آپ سے جُدا نہیں ہوسکتا۔ آپ کے قدموں پر نثار ہونے سے جو مرتبہ حاصل ہوگا، وہ ایسی ایسی بے شمار زندگیوں سے بھی نہیں ہوسکتا۔

ظہیر۔ آپ نے زبان مبارک سے باتیں نکال کر کے میری جتنی دل شکنی کی ہے، اُس کا کافی اظہار نہیں کرسکتا۔ اگر ہمارے دل دُنیائی ہوس سے مغلوب بھی ہوجائیں تو بھی ہمارے قدم کسی دوسری طرف جانے سے گُریز کریں گے۔ کیا آپ ہمیں دُنیا میں رُوسیاہ اور بے عزّت بن کر زندہ رکھنا چاہتے ہیں؟

حسینؑ۔ آہ! کاش رسولؐ پاک آج زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ اُن کی اَولاد اور اُن کی اُمت حق پر کتنے شوق سے فدا ہوتی ہے۔ میری خدا سے یہی التجا ہے کہ اسلام میں حق پر شہید ہونے والوں کی کبھی کمی نہ رہے۔ دوستو آؤ نماز پڑھ لیں۔ شاید یہ ہماری آخری نماز ہو۔

(سب لوگ پڑھنے لگتے ہیں)

نواں سین

(صبح۔ حسینؓ کے لشکر میں جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں)

عباسؓ۔ خیمے ایک دوسرے سے ملا دیے گئے اور ان کے چاروں جانب خندقیں کھود ڈالی گئیں۔ نقارہ بجا دوں؟

حسینؓ۔ نہیں ابھی نہیں۔ میں جنگ میں پہلے قدم بڑھانا نہیں چاہتا۔ میں ایک مرتبہ پھر صلح کی تحریک کروں گا۔ ابھی تک میں نے شام کے لشکر سے کوئی تقریر نہیں کی۔ سرداروں ہی سے کام نکالنے کی کوشش کرتا رہا۔ اَب میں جوانوں سے دوبدُو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ کہہ دو سانڈنی تیار کرے۔

عباسؓ۔ جیسا ارشاد۔

(باہر جاتے ہیں)

حسینؓ۔ (دُعا کرتے ہوئے) اے خدا! تو ہی ڈوبتی ہوئی کشتیوں کو پار لگانے والا ہے۔ مجھے تیری ہی پناہ ہے۔ تیرا ہی بھروسہ ہے۔ جس رنج سے دل کمزور ہو، اُس میں تیری ہی مدد مانگتا ہوں۔ جو آفت کسی طرح سر سے نہ ٹلے، جس میں دوستوں سے کام نہ نکلے، جہاں کوئی حیلہ نہ ہو، وہاں تو ہی میرا مددگار ہے۔

(خیمے سے باہر نکلتے ہیں۔ حبیبؓ اور ظہیر آپس میں نیزے بازی کی مشق کر رہے ہیں)

حبیبؓ۔ یاحضرت۔ میری خدا سے یہی دُعا کہ یہ نیزہ سعد کے جگر میں چُبھ جائے اور رَے کی صوبیداری کا ارمان اِس کے خون کے راستے سے نکل جائے۔

ظہیر۔ اسے صوبہ داری ضرور ملے گی جہنّم کی، یا رَے کی۔ اِس کا فیصلہ میری تلوار کرے گی۔

حبیبؓ۔ واہ! وہ میرا شکار ہے۔ اِدھر نگاہیں نہ اُٹھائیے گا۔ آپ کے لیے میں نے شمر کو چھوڑ دیا۔

ظہیر۔ بخدا وہ میرے مقابلے آئے تو میں اس کی ناک کاٹ کر چھوڑ دوں۔ ایسے بدنیّت آدمی کے لیے جہنّم سے زیادہ تکلیف دُنیا ہی میں ہے۔

عباسؑ۔ اور میرے لیے کون سا شکار تجویز کیا؟
ظہیر۔ آپ کے لیے زیاد حاضر ہے۔
حسینؑ۔ میں ذرا سعد کے لشکر سے باتیں کر کے آجاؤں تو اس کا فیصلہ ہو۔
حبیبؓ۔ گمراہوں کی فہمائش کرنا بے کار ہے۔ اُن کے دِل اِتنے سخت ہوگئے ہیں کہ ان پر کوئی تقریر اثر نہیں کرسکتی۔
حسینؑ۔ تاہم کوشش کرنا میرا فرض ہے۔

(پردہ بدلتا ہے۔ حسینؑ اپنی سانڈنی پر سعد کی فوج کے سامنے کھڑے ہیں)

حسینؑ۔ اے لوگو! کوفہ اور شام کے دلیر جوانو اور سردارو! میری بات سُنو۔ جلدی نہ کرو۔ مُسلمان اپنے بھائی کی گردن پر تلوار چلانے میں جتنی دیر کریں عین ثواب ہے۔ میں اس وقت تک خونریزی نہیں کرنا چاہتا۔ جب تک تمھیں اِتنا نہ سمجھالوں، جتنا مجھ پر واجب ہے۔ میں خدا اور انسان دونوں ہی کے نزدیک اِس جنگ کی ذمہ داری سے پاک رہنا چاہتا ہوں، جہاں بھائی کی تلوار بھائی کے گردن پر ہوگی۔ تمھیں معلوم ہے میں یہاں کیوں آیا؟ کیا میں نے عراق اور شام پر فوج کشی کی؟ سُنو اور اِنصاف کرو، اگر تمھیں خدا کا خوف اور ایمان کا لحاظ ہے کہ میں یہاں تمھارے ہی سرداروں کے بُلانے سے آیا۔ میں نے عہد کرلیا تھا کہ میں دُنیا سے الگ رہ کر خدا کی عبادت میں اپنی زندگی کے بچے ہوئے دن گزاروں گا۔ مگر تمھاری ہی فریاد نے مجھے اپنے گوشے سے نکالا۔ رسولؐ کی اُمت کی فریاد سُن کر میں کانوں میں اُنگلی نہ ڈال سکا۔ اگر اس حمایت کی سزا قتل ہے تو یہ سر حاضر ہے۔ شوق سے قتل کرو۔ میں حجاج سے پُوچھتا ہوں، کیا تم نے مجھے خط نہیں لکھے تھے؟
حجاج۔ میں نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا۔
حسینؑ۔ قیس تمھیں بھی خط لکھنے میں اِنکار ہے؟
قیس۔ میں نے کب آپ سے فریاد کی تھی؟
حسینؑ۔ اور شمر تم نے تو دستخط کیے تھے؟
شمر۔ سراسر غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔
حسینؑ۔ خدا گواہ ہے میں نے اپنی زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن آج یہ داغ بھی لگا۔

اشعث۔ آپ یزید کی بیعت کیوں نہیں کرلیتے کہ اسلام ہمیشہ کے لیے فتنہ اور فساد سے پاک ہو جائے۔

حسینؑ۔ کیا اس کے سوا اور مصالحت کی کوئی صورت نہیں ہے؟ تو اِس شرط پر صُلح کرنا میرے لیے غیر ممکن ہے۔ خدا کی قسم میں ذلیل ہوکر تمھارے سامنے سر نہ جھکاؤں گا اور نہ خوف مجھے یزید کی بیعت قبول کرنے پر مجبور کرسکتا ہے۔ اَب تمھیں اختیار ہے۔ ہم بھی جنگ کے لیے تیار ہیں۔

شمر۔ پہلا تیر چلانے کا ثواب میرا ہے۔

(حضرت امام حسینؑ پر تیر چلاتا ہے)

کسی طرف سے آواز آتی ہے۔ ”جہنّم میں جانے کا فخر بھی پہلے تجھی کو ہوگا“۔

(امام حسینؑ اونٹنی کو اپنی فرودگاہ کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ حُر اپنی فوج سے نکل کر آہستہ آہستہ حضرت امام حسینؑ کے پیچھے چلتے ہیں)

شمر۔ واللہ۔ حُر تمھارا اس طرح آہستہ آہستہ اپنے تئیں تول تول کر چلنا میرے دل میں شُبہ پیدا کررہاہے۔ میں نے تم کو کبھی لڑائی میں اِس طرح کانپتے ہوئے چلتے نہیں دیکھا۔

حُر۔ اپنے کو جنّت اور جہنّم کے لیے تول رہا ہوں۔ اور حق یہ ہے کہ جنت کے لیے مقابلے میں کسی چیز کو نہیں سمجھتا۔ چاہے کوئی مار ہی کیوں نہ ڈالے۔

(گھوڑے کو ایک ایڑ لگاکر حُر حضرت امام حسینؑ کے پاس پہنچ جاتے ہیں)

اے فرزند رسولؐ میں بھی آپ کے ہمراہ ہوں۔ خداوند مجھے آپ پر فدا کرے۔ میں وہی ہوں، جس نے آپ کو راستے سے واپس کرنے کی کوشش کی تھی۔ خدا کی قسم مجھے اُمید نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ یہ برتاؤ کریں گے اور صُلح کی کوئی شرط نہ قبول کریں گے، ورنہ میں آپ کو اِدھر آنے ہی نہ دیتا، جب تک آپ میرے سر پر سے نہ آتے۔ اب اُدھر سے مایوس ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی مدد کرتے ہوئے اپنے تئیں آپ کے قدموں پر پھر نثار کردوں۔ کیا آپ کے نزدیک میری توبہ قبول ہوگی؟

حسین۔ میری خدا سے دُعا ہے کہ وہ تمھاری توبہ قبول کرلے۔

حُر۔ اَب مجھے معلوم ہوگیا کہ میں یزید سے بیعت واپس لینے میں کوئی گناہ نہیں کر رہا ہوں۔

(دونوں چلے جاتے ہیں، تیروں کی بارش ہونے لگتی ہے)

دسواں سین

(شام کا وقت۔ کوفہ کا ایک گاؤں۔ نسیمہ باغ میں زمین پر بیٹھی ہوئی گاتی ہے)

دبے ہوؤں کو دباتی ہے اَے زمینِ لحد — یہ جانتی ہے کہ دمِ جسمِ ناتواں میں نہیں
قفس میں جی نہیں لگتا ہے آہ پھر بھی مرا — یہ جانتا ہوں کہ تنکا بھی آشیاں میں نہیں
اُجاڑ دے کوئی یا پھونک دے اُسے بجلی — یہ جانتا ہوں کہ رہنا اَب آشیاں میں نہیں
خود اَپنے دِل سے مرا حال پوچھ لو سارا — مری زباں سے مزا میری داستاں میں نہیں
کریں گے آج سے ہم ضبط چاہے جو کچھ ہو — یہ کیا کہ لب پہ فغاں اور اَثر فغاں میں نہیں
خیال کرکے خود اَپنے کیے کو روتا ہوں — تباہیوں کے سِوا کچھ مرے مکاں میں نہیں

(وہب کا آنا)

نسیمہ۔ بڑی دیر کی اکیلے بیٹھے بیٹھے جی اُکتا گیا۔ کچھ اُن لوگوں کی خبر ملی۔

وہب۔ ہاں نسیمہ ملی، جبھی تو دیر ہوئی۔ تمھارا خیال دُرست نکلا۔ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ہیں۔

نسیمہ۔ کیا حضرت حسینؑ کی فوج آگئی؟

وہب۔ کیسی فوج، کل بُوڑھے جوان اور بچّے ملاکر ۷۲ آدمی ہیں۔ دس پانچ آدمی کوفہ سے بھی آگئے ہیں۔ کربلا کے بے پناہ میدان میں اُن کے خیمے پڑے ہوئے ہیں۔ ظالم زیاد نے بیس پچیس ہزار آدمیوں سے اُنھیں گھیر رکھا ہے۔ نہ کہیں جانے دیتا ہے۔ نہ کوئی بات مانتا ہے۔ یہاں تک کہ دریا سے پانی بھی نہیں لانے دیتا۔ پانچ ہزار جوان دَریا کی حفاظت کے لیے تعینات کردیئے ہیں، شاید کل تک جنگ شروع ہوجائے۔

نسیمہ۔ مُٹھی بھر آدمیوں کے لیے بیس پچیس ہزار سپاہی! کتنا غضب ہے! ایسا غُصّہ آتا ہے کہ زیاد کو پاؤں، تو سر کُچل ڈالوں۔

وہب۔ بس اس کی یہی ضد ہے کہ یزید کی بیعت کرو۔ حضرت امام حسینؑ کہتے ہیں کہ یہ مجھ

سے نہ ہوگا۔

نسیمہ۔ حضرت حسینؑ نبیؐ کے نواسہ ہیں۔ قول پر جان دیتے ہیں۔ میں ہوتی تو زیاد کو ایسا جُل دیتی کہ وہ بھی یاد کرتا۔ کہتی ہاں مجھے بیعت قبول ہے۔ وہاں سے جاکر بڑی فوج جمع کرتی اور یزید کے دانت کھٹے کر دیتی۔ رسولؐ پاک کو شرع میں ایسے نازک موقع کے لیے کچھ رعایت رکھنی چاہیے تھی۔ تو کیا حضرت کی فوج میں بڑی گھبراہٹ ہے؟

وہب۔ مطلق نہیں۔ نسیمہ، سب لوگ شہادت کے شوق سے متوالے ہو رہے ہیں۔ سب سے زیادہ تکلیف پانی کی ہے۔ ذرا ذرا سے بچّے پیاسے تڑپ رہے ہیں۔

نسیمہ۔ آہ! ظالمو۔ تم سے خُدا سمجھے۔

وہب۔ نسیمہ، مجھے رُخصت کرو۔ اَب دِل نہیں مانتا۔ میں بھی حضرت حُسینؑ کے قدموں پر نثار ہونے جاتا ہوں۔ آؤ گلے مِل لیں۔ شاید پھر ملاقات نہ ہو۔

نسیمہ۔ ہائے وہب، کیا مجھے چھوڑ جاؤگے؟ میں بھی چلوں گی۔

وہب۔ نہیں نسیمہ۔ اُس لُو کے جھونکوں میں یہ پھول مُرجھا جائے گا۔ (نسیمہ کو گلے لگا کر) پھر دل کمزور ہوا جاتا ہے۔ ساری راہ کم بخت کو سمجھاتا آیا تھا۔ نسیمہ تم مجھے بھگا دو۔ ہاں بھگا دو۔ خدا تُو نے محبت کو ناحق پیدا کیا۔

نسیمہ۔ (روکر) وہب، یہ پھول کس کام آئیں گے؟ کون اِس کو سُونگھے گا، کون اسے سینہ سے لگائے گا! میں بھی حضرت زینبؑ کے قدموں پر نثار ہوں گی۔

وہب۔ وہ پیاس کی شدّت، وہ گرمی کی تکلیف، وہ ہنگامے، کیسے لے جاؤں؟

نسیمہ۔ جن تکلیفوں کو سیدانیاں برداشت کرسکتی ہیں، کیا میں نہ جھیل سکوں گی؟ حیلے مت کرو۔ وہب میں تمھیں تنہا نہ جانے دُوں گی۔

وہب۔ نسیمہ تمھیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے میرے قدم میدان کی طرف نہ اُٹھیں گے۔

نسیمہ۔ (وہب کے کندھوں پر سر رکھ کر) پیارے، کیوں کسی ایسی جگہ نہیں چلتے، جہاں ہم ایک گوشہ میں بیٹھ کر اِس زندگی کا لُطف اُٹھائیں۔ تم چلے جاؤگے۔ خدانخواستہ دشمنوں کو کچھ ہوگیا تو میری زندگی روتے ہی گزرے گی۔ کیا ہماری زندگی رونے ہی کے لیے ہے؟ میرا دل ابھی دُنیا کی لذتوں سے آسودہ نہیں ہوا۔ جنت کی خوشیوں کی اُمید پر اس زندگی کو قربان نہیں کرتے بنتا۔ حضرت حسینؑ کی فتح تو ہونے سے

رہی۔ پچیس ہزار کے سامنے جیسے سَو۔ ویسے ہی ایک سَو ایک۔

وہب۔ آہ نسیمہ! تم نے دل کے سب سے نازک حصّے پر نشانہ مارا۔ میری بھی یہ ہی دلی تمنا ہے۔ کہ ہم کسی عافیت کے گوشے میں بیٹھ کر زندگی کی بہار لوٹیں۔ پر ظالم کی یہ بیدردی دیکھ کر خون میں جوش آجاتا ہے۔ اور دل بے اختیار یہی چاہتا ہے کہ چل کر حضرت حسینؓ کی حمایت میں شہید ہوجاؤں۔ جو آدمی اپنی آنکھوں سے ظلم ہوتے دیکھ کر ظالم کا ہاتھ نہیں روکتا، وہ بھی خدا کی نگاہوں میں ظالم کا شریک ہے۔

نسیمہ۔ میں اپنی آنکھیں تم پر صدقے کروں۔ مجھے عذاب و ثواب کے مخمصوں میں مت ڈالو۔ سوچو، کیا یہ ستم نہیں ہے کہ ہماری زندگی کی بہار اِتنی جلد رُخصت ہوجائے؟ ابھی میرے عروسی کپڑے بھی نہیں میلے ہوئے، حنا کا رنگ بھی نہیں پھیکا پڑا۔ تمھیں مجھ پر ذرا بھی ترس نہیں آتا؟ کیا یہ آنکھیں رونے ہی کے لیے بنائی گئی ہیں؟ کیا یہ ہاتھ دِل کو دبانے کے لیے بنائے گئے ہیں؟ یہی میری زندگی کا انجام ہے۔

(وہب کے گلے میں ہاتھ ڈال دیتی ہے)

وہب۔ (دل میں) اَے خدا مدد! اب تیرا ہی بھروسہ ہے۔ یہ عاشق کی دلِ سوز اِلتجا نہیں؟ معشوق کا ایمان شکن تقاضا ہے۔

(ساہس رائے کی فوج سامنے سے چلی آرہی ہے)

نسیمہ۔ اَرے! یہ فوج کہاں سے آرہی ہے؟ سپاہیوں کا ایسا عجیب لباس کہیں نہیں دیکھا۔ ان کے ہاتھوں پر یہ سُرخ بیل بُوٹے کیسے بنے ہیں! قسم ہے ان آنکھوں کی! ایسے سجیلے، ایسے حسین جوان آج تک میری نظر سے نہیں گزرے۔

وہب۔ میں جاکر پوچھتا ہوں۔ کون لوگ ہیں (آگے بڑھ کر ایک سپاہی سے پُوچھتا ہے۔) اَے جوانو! تم فرشتے ہو یا انسان؟ عرب میں تو ہم نے ایسے آدمی نہیں دیکھے۔ تمھارے چہروں سے جلال برس رہا ہے۔ اِدھر کہاں جا رہے ہو؟

سپاہی۔ تم نے سلطان ساہس رائے کا نام سُنا ہے؟ ہم اُنھیں کے تابعدار ہیں۔ اور حضرت حسینؓ کی مدد کرنے جا رہے ہیں، جو اس وقت کربلا کے میدان میں گھرے ہوئے ہیں۔ تم نے یزیؔد کی بیعت کی ہے یا نہیں؟

وہب۔ میں اُس ظالم کی بیعت کیوں قبول کرنے لگا؟

سپاہی۔ تعجب ہے کہ تم حضرت حسینؑ کی فوج میں کیوں نہیں ہو۔ تم صورت سے منچلے معلوم ہوتے ہو۔ پھر یہ کم ہمتی کیسی؟

وہب۔ (شرماتے ہوئے) ہم بھی وہیں جا رہے ہیں۔

سپاہی۔ تو پھر آؤ ساتھ چلیں۔

وہب۔ میرے ساتھ مستورات بھی ہیں۔ تم لوگ چلو، ہم ابھی آتے ہیں۔

(فوج چلی جاتی ہے)

نسیمہ۔ یہ ساہس رائے کون ہیں؟

وہب۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اِتنا کہہ سکتا ہوں کہ ایسا حق پرست، دلیر، انصاف پر نثار ہونے والا آدمی دُنیا میں نہ ہوگا۔ بیکسوں کی حمایت میں کبھی اُسے پیچھے قدم ہٹاتے نہیں دیکھا۔ معلوم نہیں کس مذہب کا آدمی ہے؟ مگر جس مذہب اور جس قوم میں ایسی پاک روحیں پیدا ہوں، وہ دُنیا کے لیے برکت ہے۔

نسیمہ۔ان کے اہل و عیال ہوں گے؟

وہب۔ بہت بڑا خاندان ہے۔ سات تو بھائی ہی ہیں۔

نسیمہ۔ اور مسلمان نہ ہوتے ہوئے بھی یہ لوگ حضرت حسینؑ کی اِمداد کے لیے جا رہے ہیں؟

وہب۔ ہاں اور کیا!

نسیمہ۔ تو ہمارے لیے کتنی شرم کی بات ہے کہ ہم اِس طرح پہلو تہی کریں۔

وہب۔ پیاری نسیمہ، چلے چلیں گے، دو چار دن تو زندگی کی بہار لوٹ لیں۔

نسیمہ۔ نہیں وہب، ایک لمحہ کے لیے بھی دیر نہ کرو۔ خدا ہمیں جنت میں پھر ملائے گا اور تب ہم اَبد تک زندگی کی بہار لوٹیں گے۔

وہب ۔ آج اور صبر کرو۔

نسیمہ۔ ایک لمحہ بھی نہیں۔ وہب مجھے امتحان میں نہ ڈالو۔ سانڈنی لاؤ، اور فوراً چلو۔

پانچواں ایکٹ

پہلا سین

(نو بجے دن کا وقت۔ دونوں فوجیں لڑائی کے لیے تیار ہیں)

حُر۔ یا حضرت مجھے میدان میں جانے کی اجازت ملے۔ اَب شہادت کا شوق بے قابو کیے ہوئے ہے۔

حسینؑ۔ ابھی آئے ہو، اور ابھی چلے جاؤگے۔ مہمان نوازی کا یہ تقاضا نہیں کہ ہم تمھیں آتے ہی رُخصت کردیں۔

حُر۔ یا فرزندِ رسولؐ، میں آپ کا مہمان نہیں، غلام ہوں۔ آپ کے قدموں پر نثار ہونے کے لیے آیا ہوں۔

حسینؑ۔ (باچشم نم حُر سے گلے مِل کر) اگر تمھاری خوشی اِسی میں ہے تو جاؤ خدا کو سونپا۔

دُنیا کے شہیدوں میں ترا نام ہو بھائی
عقبےٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی

(حُر میدان کی طرف جاتے ہیں۔ حضرت حسینؑ خیمے کے دروازے تک اُنھیں پہنچانے آتے ہیں۔ خیمے سے نکلتے ہوئے حُر، حسینؑ کے قدموں کو بوسہ دیتے ہیں اور چلے جاتے ہیں)

حُر۔ (میدان میں جاکر)۔

غُلام حضرت شبیر رَن میں آتا ہے !   وہی جو دین کا ہے بندہ، وہ میرا آقا ہے
وہ آئے ٹھونک کے خم جس کی موت آئی ہے   اُسی کا پینے کو خون میری تیغ آئی ہے

(صفوان اُدھر سے گھومتا ہوا آتا ہے)

حُر۔ صفوان، کتنے شرم کی بات ہے کہ تم فرزند رسولؐ سے جنگ کرنے آئے ہو۔

صفوان۔ ہم سپاہیوں کو مال و دولت و جاگیر چاہیے۔ ہمیں دین اور عاقبت سے کیا سروکار؟

ہوشیار ہو جاؤ۔

(دونوں پہلوانوں میں چوٹیں چلنے لگتی ہیں)

عباسؓ۔ وہ مارا، صفوان کا سینہ ٹوٹ گیا۔ زمین پر تڑپنے لگا۔

حبیبؓ۔ صفوان کے تینوں بھائی دوڑے چلے آتے ہیں۔

عباسؓ۔ واہ میرے شیر؟ ایک کو تلوار سے لیا۔ دُوسرا بھی گرا، تیسرا بھاگا جاتا ہے۔

حبیبؓ۔ یا خدا خیر کر، حُر کا گھوڑا گر گیا۔

حسینؑ۔ فوراً ایک گھوڑا روانہ کرو۔

(ایک آدمی حُر کے پاس گھوڑا لے کر جاتا ہے)

عباسؓ۔ یہ پیرانہ سالی اور دلیری! ایسا بہادر آج تک نظروں سے نہیں گزرا، تلوار بجلی کے مانند کوند رہی ہے۔

حسینؑ۔ دیکھو دُشمن کا لشکر کیسا پیچھے ہٹا جاتا ہے۔ مرنے والوں کے سامنے کھڑا ہونا آسان نہیں ہے۔ دلیری کی اِنتہا ہے۔

عباسؓ۔ حیف اب ہاتھ نہیں اُٹھتے۔ تیروں سے سارا جسم چھلنی ہوگیا۔

شمر۔ تیروں کی بارش کرو، مار لو۔ حیف ہے تم پر کہ ایک آدمی سے اِتنے خائف ہو۔ وہ گرا۔ کاٹ لو سر، اور حسینؑ کی فوج میں پھینک دو۔

(کئی آدمی حُر کا سر قلم کرنے کو جاتے ہیں کہ حسینؑ میدان کی جانب دوڑتے ہیں)

ایک۔ وہ حضرت امام حسینؑ دوڑے چلے آتے ہیں۔ بھاگو نہیں تو جان نہ بچے گی۔

حسینؑ۔ (حُر کی نعش سے لپٹ کر)۔

ٹکڑے ہے بدن زخم بہت کھائے ہیں بھائی
اَب ہوش میں ہو نعش پہ ہم آئے ہیں بھائی

(حُر آنکھیں کھول دیتے ہیں، اور اپنا سر ان کی آغوش میں رکھ دیتے ہیں)

حُر۔ یا حضرت، آپ کے قدموں پر نثار ہوگیا۔ زندگی ٹھکانے لگی۔

تکیہ تیرے زانوں کا مُیسّر ہوا آقا! ذرہ تھا یہ اب مہر منوّر ہوا آقا!

حسینؑ۔ ہائے! میرا جانباز رفیق جہان سے رُخصت ہوگیا۔ یہ وہ دِلاور تھا، جس نے حق پر اپنے رُتبہ اور دولت کو نثار کردیا۔ جس نے دین کے لیے دُنیا پر لات مار دی۔ یہ

حق پر جان دینے والے ہیں۔ جنھوں نے اسلام کے نام کو روشن کیا ہے اور ہمیشہ روشن رکھیں گے۔ جا۔ محمدؐ کے پیارے، جنت تیرے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔ جا اور حیات اَبدی کے لطف اُٹھا۔ میرے نانا سے کہہ دینا کہ حسینؑ بھی جلد ہی سارے کنبہ کو ساتھ لیے ہوئے حاضر خدمت ہونے والا ہے۔ قابل تعظیم ہیں وہ مائیں جو اَیسے بیٹے پیدا کرتی ہیں!!

دُوسرا سین

(میدان جنگ، سعد کی جانب سے دو پہلوان آتے ہیں۔ یسار، اور سالم)

یسار۔ کون نکلتا ہے۔ حُر کا ساتھ دینے کے لیے؟ چلا آوے، جِسے موت کا ذائقہ چکھنا ہو۔ ہم وہ ہیں۔ جس کے تیغ سے قضا کی رُوح بھی لرزتی ہے۔

(عبد اللہ کلبی حضرت شبیرؑ لشکر سے نکلتے ہیں)

یسار۔ تو کون ہے؟

عبداللہ۔ میں عبداللہ بن امیر کلبی ہوں۔ جس کی تلوار ہمیشہ بے دینوں کے خُون کی پیاسی رہتی ہے۔

یسار۔ تیرے مقابلے میں تلوار اُٹھاتے ہمیں شرم آتی ہے۔ جا حبیبؓ یا ظہیر کو بھیج۔

عبداللہ۔ تو جس کی زندگی زیاد کی غلامی میں گزری ان سردارانِ فوج سے کیا لڑے گا؟ تجھے اِن رئیسوں کو للکارتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی۔ تجھ جیسوں کے لیے میں ہی کافی ہوں۔

(یسار تلوار لے کر جھپٹتا ہے۔ عبداللہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردیتے ہیں۔ عبداللہ کی پانچوں اُنگلیاں کٹ جاتی ہیں۔ تلوار زمین پر گر پڑتی ہے۔ وہ بائیں ہاتھ میں نیزہ لے لیتے ہیں اور سالم کے سینے میں نیزہ چُبھا دیتے ہیں، وہ بھی گر پڑتا ہے۔ زیاد کی فوج سے نکل کر لوگ عبداللہ کو گھیر لیتے ہیں۔ اِدھر سے قمر لکڑی لے کر دوڑتی ہے)

قمر۔ میری جان تم پر فِدا ہو، رسولؐ کے نواسے کے لیے لڑتے لڑتے جان دے دو۔ میں بھی تمھاری مدد کو آئی۔

عبداللہ۔ نہیں! نہیں قمر۔ میرے لیے تمھاری دُعا کافی ہے۔ اِدھر مت آؤ۔

قمر۔ میں اِن شیطانوں کو لکڑی سے مار کر گرا دُوں گی۔ ایک کے لیے دو بھیجے۔ جب دونوں جہنّم میں پہنچ گئے تو ساری فوج نکل پڑی۔ یہ کون سی جنگ ہے؟

عبداللہ۔ میں ایک ہی ہاتھ سے ان سب کو مار کر گراؤں گا۔ تم خیمے میں جاکر بیٹھو۔

قمر۔ میں جب تک زندہ ہوں۔ تمھارا ساتھ نہ چھوڑوں گی۔ تمھارے ساتھ ہی رسولؐ پاک

کی خدمت میں حاضر ہوں گی۔

حسینؑ۔ (قمر سے) اے نیک خاتون، تجھ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ تم وہاں جاؤگی تو یہاں مستورات کی خبرگیری کون کرے گا۔ عورتوں کو جہاد کرنا ناجائز ہے۔ لوٹ آؤ، اور دیکھو تمھارا جانباز شوہر ایک ہاتھ سے کتنے آدمیوں کا مقابلہ کر رہا ہے۔ آفرین ہے تم پر میرے شیر! تم نے اپنے رسولؐ کی جو خدمت کی ہے، اُسے ہم کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔ خدا تمھیں جزائے نیک دے گا۔ آہ! ظالموں نے تیر مارکر غریب کو گرا دیا۔ خدا اُسے جنت دے۔

قمر۔ یا حضرت اس کا غم نہیں۔ وہ آپ پر نثار ہوگئے۔ اِس سے بہتر اور کون سی موت ہوسکتی تھی؟ کاش میں بھی اُن کے ساتھ چلی جاتی! میرے جانباز سچّے دِلاور۔ جا اور جنت میں آرام کر! تو وہ تھا جس نے کبھی سائل کو نہیں پھیرا۔ جس کی نیت کبھی خراب اور نِگاہ کبھی بُری نہیں ہوئی۔ جا اور جنت میں آرام کر۔

حسینؑ۔ قمر، صبر کرو کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

قمر۔ مجھے اُن کے مرنے کا غم نہیں ہے۔ میں خوش ہوں کہ اُنھوں نے حق پر جان دی۔ اس وقت اگر میرے سو بیٹے ہوتے تو میں اسی طرح انھیں بھی آپ کے قدموں پر نثار کردیتی۔ کاش وہبؔ اِتنا زن پرست نہ ہوتا۔

(وہب کا آنا)

وہب۔ السلام علیک یا حضرت حسینؑ۔

قمر۔ (وہب کو گلے لگاکر) ذرا دیر پہلے ہی کیوں نہ آگئے بیٹا کہ اَپنے باپ کا آخری دیدار کرلیتے؟ نسیمہ کہاں ہے؟

وہب۔ اِسی خیمے کے پیچھے کھڑی ہے۔

قمر۔ میں ابھی تمھارا ہی ذکر کررہی تھی۔ کیوں بیٹا اَپنے باپ کا نام روشن نہ کروگے؟ میرا تمھارے اُوپر بڑا حق ہے! تم نے میرے جگر کا خُون پی کر پرورش پائی ہے۔ میرا دُودھ حلال نہ کروگے؟ میری تمنا ہے کہ حسینؑ پر اپنی جان نثار کر دو۔ تاکہ جہان میں قمر کا نام قمر کی طرح چمکے۔ جس کا شوہر اور بیٹا دونوں ہی حق پر شہید ہوئے۔

وہب۔ اماں جان میری بھی دلی تمنا یہی تھی اور ہے۔ میں اپنے والد کے نام کو داغ نہیں

لگانا چاہتا۔ مگر نسیمہ کو کیا کروں؟ اُس کی مصیبتوں کا خیال ہمّت کو پست کر دیتا ہے۔
جاتا ہوں۔ اگر اُس نے اجازت دے دی تو میری لیے اِس سے بڑھ کر اور کیا خوشی
ہوسکتی ہے۔

قمر۔ بیٹا، تم اُس کی عادت سے واقف ہوکر پھر اُسی سے پُوچھنے جاتے ہو۔ اِس کا مطلب اس
کے سِوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ تم خود میدان میں جاتے ہوئے ڈرتے ہو۔

(وہب نسیمہ کے پاس جاتا ہے)

نسیمہ۔ کاش! ہم ذرا دیر قبل آجاتے تو ابّا جان کی آخری دُعائیں مِل جاتیں۔

وہب۔ ہماری بدنصیبی!

نسیمہ۔ میں جانتی ہوں، تم مجھے ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنے آئے ہو۔ جاؤ پیارے، ایک سپوت
بیٹے کی طرح اپنے والد کا نام روشن کرو۔ کاش عورتوں پر جہاد حرام نہ ہوتا تو میں
بھی تمھارے ساتھ حق کی حمایت میں نثار ہوجاتی۔ جب سے میں نے فرزندِ رسولؐ
کی پاک صورت دیکھی ہے، مجھے ایسا معلوم ہورہا ہے کہ میرا دل روشن ہوگیا ہے۔
اور اس زندگی کی تمنّائیں اور خواہشیں نظر سے مِٹتی جاتی ہیں۔ جاؤ پیارے جاؤ۔ اور
حق پر قُربان ہوجاؤ۔ نسیمہ جب تک زندہ رہے گی، تمھارے مزار پر فاتحہ اور درود
پڑھے گی۔ جاؤ جنت میں مجھے بھُول نہ جانا۔ میں نے ہوس کے دام میں پھنس کر
تمھیں فرض کی راہ سے ہٹا دیا تھا۔ رسولؐ پاک سے کہنا، میرا گُناہ معاف کریں۔ جاؤ
اِن آنسوؤں کا خیال نہ کرنا۔ ورنہ یہ آنسو تمھارے جوش کو بُجھا دیں گے۔ میں بھی
بہت دنوں تک روؤں گی۔ تم اس کا غم نہ کرو۔ جاؤ کارِخیر میں دیر نہ کرو۔ تمھیں
خُدا کو سونپا۔ آہ! دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ کیسے صبر کروں؟

(وہب آنسو پونچھتا ہوا باہر جاتا ہے)

قمر۔ (اندر لاکر) بیٹی آؤ تجھے گلے سے لگا لوں اور تجھ پر اپنی جان فدا کروں۔ تُونے خاندان
کی لاج رکھ لی۔

نسیمہ۔ امّاں جان۔ رسولؐ پاک نے اگر کوئی بے انصافی کی تو یہی کہ عورتوں پر جہاد حرام
کردیا۔ ورنہ اس وقت نسیمہ وہب کے پہلو میں ہوتی۔ دیکھیے، دُشمن اُن پر چاروں
طرف سے کتنی بیدردی کے ساتھ نیزے اور تیروں کی بارش کررہے ہیں۔ کسی کی

ہمت نہیں ہے کہ ان کے سامنے خم ٹھونک کر آئے۔ وہ دیکھیے ان کے ہاتھ کتنی تیزی سے چل رہے ہیں۔ جس پر اُن کا ایک ہاتھ پڑجاتا ہے، وہ پھر نہیں اُٹھتا۔ دُشمن بھاگے جاتے ہیں۔ ہائے بزدلو، نامردو۔ اَرے وہب اِدھر چلے آرہے ہیں۔ بدن لہو سے تر ہے۔ سر پر بھی زخم لگے ہیں۔

(وہب آکر خیمے کے سامنے کھڑا ہوجاتا ہے)

وہب۔ اماں جان۔ مجھ سے خوش ہوئیں؟

قمر۔ بیٹا تجھ پر ہزارجان سے نثار ہوں۔ تونے باپ کا نام روشن کردیا۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ جب تک تیرے ہاتھ میں طاقت ہے، تب تک دُشمنوں کو آرام نہ لینے دو۔

وہب۔ (دل میں) آہ! حق پر جان دینا بھی اتنا آسان نہیں ہے۔ جتنا لوگ خیال کرتے ہیں۔ (ظاہرا) اماں جان یہی میرا اِرادہ ہے۔ لیکن نسیمہ کے آنسوؤں کی یاد مجھے کھینچ لائی۔ (قمر چلی جاتی ہے) پیاری نسیمہ معاف کرنا۔ تمھارے آخری دیدار کی تمنا مجھے میدان سے کھینچ لائی ہے۔ صنم کا پجاری صنم پر قربان ہوسکتا ہے۔ دین اور ایمان، حق اور انصاف یہ سب اس کی نظروں میں کھلونے ہیں۔ محبت دُنیا کی سب سے مضبوط سیڑھی ہے۔ سب سے سخت زنجیر ہے۔ (چونک کر) کوئی پہلوان میدان میں آکر للکار رہا ہے۔ ہائے لعنت ہو اُن پر جو حق کو پامال کرکے ہزاروں کو نامُراد مرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ نسیمہ ہمیشہ کے لیے رخصت ، میری طرف ایک مرتبہ محبت کی نگاہوں سے دیکھ لو ...... اُن میں محبت کا ایسا جام ہو کہ ان کا نشہ قیامت تک میرے سر سے نہ اُترے۔

نسیمہ۔ میری جان آہ، دِل بیٹھا جاتا ہے۔

(وہب میدان کی طرف چلا جاتا ہے)

خدایا کاش مجھے موت آجاتی کہ یہ دل خراش نظارہ آنکھوں سے نہ دیکھنا پڑتا۔ میرا جوان، دلیر جانباز شوہر موت کے مُنھ میں چلا جا رہا ہے۔ اور میں بیٹھی دیکھ رہی ہوں۔ زمین تو کیوں نہیں پھٹ جاتی کہ میں اس میں سما جاؤں۔ بجلی آسمان سے گِرکر کیوں میری مصیبتوں کا خاتمہ نہیں کر دیتی۔ وہ دیو اُن پر تلوار لیے جھپٹا۔ یاخدا مجھ نامُراد پر رحم کر، دُور ہو ظالم، سیدھا جہنم کو چلا جا۔ اَب کوئی آگے نہیں آتا۔ وہ ملعون شمر اپنی جمعیت لیے اُن

کی طرف دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ ہائے ظالموں نے گھیرلیا۔ خدا تو بے انصافی دیکھ رہا ہے۔ اور ان مُوذیوں پر اپنا قہر نہیں نازل کرتا۔ ایک کے لیے ایک فوج کو بھیج دینا کون سا آئینِ جنگ ہے، ہائے! ہائے غضب ہوگیا۔ یا خدا نہیں دیکھا جاتا۔

(چھاتی پیٹ کر رونے لگتی ہے۔ شمر وہب کا سر کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔ قمر دوڑکر سرکو گود میں اُٹھا لیتی ہے۔ اور اُسے آنکھوں سے لگاتی ہے)

قمر۔ میرے سپُوت بیٹے مبارک ہو یہ گھڑی، کہ میں تجھے اپنی آنکھوں سے حق پر شہید ہوتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔ آج تو میرے قرض سے ادا ہوگیا۔ آج میری مُراد پوری ہوگئی۔ میں اپنی ساری تکلیفوں کا صلہ پاگئی۔ خدا تجھے شہیدوں کے پہلو میں جگہ دے۔ نسیمہ میری جان، آج تو نے سچّا سہاگ پایا ہے، جو قیامت تک تجھے سُہاگن بنائے رکھے گا۔ اب حُوریں تیرے تلوؤں کے نیچے آنکھیں بچھائیں گی۔ اور فرشتے تیرے قدموں کی خاک کا سُرمہ بنائیں گے۔

(وہب کا سر نسیمہ کی گود میں رکھ دیتی ہے۔ نسیمہ سر کو گود میں رکھے ہوئے بین کرکے روتی ہے)

کاجل بنا بنا کے تیری خاکِ در کو میں — روشن کروں گی اپنی سوادِ نظر کو میں
آنسو بھی خشک ہوگئے اللہ رے سوزِ غم — کیوں کر بجھاؤں آتشِ داغِ جگر کو میں
تیرے سوا ہے کون جو بیکس کی لے خبر — آتی نہ تیرے دَر پہ تو جاتی کدھر کو میں
تلوار کہہ رہی ہے، جوانانِ قوم سے — مدت سے ڈھونڈتی ہوں تمھاری قمر کو میں
باز آئی میں دُعا ہی سے یارب کہ کب تلک — کرتی پھِروں تلاش جہاں میں اثر کو میں

گر تیری خاکِ در سے نہ مِلتا یہ افتخار
کرتی نہ میں بلند کبھی اپنے سر کو میں

ہائے پیارے تم کتنے بے وفا ہو۔ مجھے اکیلے چھوڑکر چلے جاتے ہو۔ لو میں بھی آتی ہوں۔ اِتنی جلدی نہیں ذرا ٹھہرو۔

(ساہس رائے کا آنا)

ساہس رائے۔ ستی تمھیں نمسکار کرتا ہوں۔

نسیمہ۔ صاحب آپ خوب آئے۔ آپ کا شکریہ، تہ دل سے شکریہ۔ آپ نے مجھے آج اس

درجہ پر پہنچایا۔ سُنا ہے کہ آپ کے وطن میں عورتیں اپنے شوہروں کے مرنے کے بعد زندہ نہیں رہتیں۔ وہ بڑی خوش نصیب ہوتی ہیں۔

ساہس رائے۔ ستی ہم لوگوں کو آشیرباد دو۔

نسیمہ۔ (ہنس کر) یہ درجہ! اللہ رے میں۔ یہ وہب کی بدولت۔ اس کی شہادت کا طفیل۔ خدایا تجھ سے میری یہی دعا ہے، میری قوم میں کبھی شہیدوں کی کمی نہ رہے۔ کبھی وہ دن نہ آئے کہ حق کو جانبازوں کی ضرورت ہو، اور اُس پر سر کٹانے والے نہ ملیں۔ اسلام میرا پیارا اسلام، شہیدوں سے ہمیشہ سرسبز رہے!

(اپنے دامن سے ایک سلائی نکال کر وہب کے لہو میں ڈباتی ہے)

کیوں ساہس رائے تمھارے یہاں ستی کے جسم سے آگ نکلتی ہے اور وہ اُس میں جل جاتی ہے۔ کیا بغیر آگ کے جان نہیں نکلتی؟

ساہس۔ نسیمہ تو دیوی ہے، ایسی عورتوں کے دیدار مُشکل سے ہوتے ہیں۔ آکاش کے دیوتا تجھ پر پھولوں کی بارش کررہے ہیں۔

(نسیمہ آنکھوں میں سلائی پھیر لیتی ہے۔ اور ایک آہ کے ساتھ اُس کی جان نکل جاتی ہے)

تیسرا سین

(دوپہر کا وقت۔ حضرت حسینؑ عباسؓ کے ساتھ خیمے کے دروازے پر کھڑے میدانِ جنگ کی طرف دیکھ رہے ہیں)

حسینؑ۔ کیسے کیسے جانباز رفیق رخصت ہوگئے اور ہوتے جارہے ہیں۔ پیاس سے کلیجہ مُنھ کو آرہا ہے۔ اور یہ ظالم نماز تک کی مہلت نہیں دیتے۔ آہ! زُہیر ایسا دیندار اُٹھ گیا۔ مُسلم بن عوسجہ اس عالم ضعیفی میں بھی کتنے جوش سے لڑے۔ کس کس کے نام گناؤں؟

عباسؓ۔ یاحضرت مجھے خدشہ ہورہا ہے کہ شمر کوئی نیا ستم ڈھانے کی تیاری نہ کررہا ہو۔ یہ دیکھیے سپاہیوں کا ایک بڑا گروہ لیے ہوئے اِدھر آرہا ہے۔

حبیبؓ۔ (زور سے) شمر! خبردار، اگر اِدھر ایک قدم بھی بڑھایا تو تیری نعش پر کتّے روئیں گے۔ تجھے شرم نہیں آتی ظالم! اہل بیت کے خیموں پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

شمر۔ ہم اس حملے سے جنگ کا فیصلہ کر دینا چاہتے ہیں۔ جوانو! تیر برساؤ۔

حسینؑ۔ افسوس گھوڑے مرے جارے ہیں! گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاؤ۔ اور تیروں کا جواب دو۔ خدا ہی ہمارا والی اور حافظ ہے۔

شمر۔ بڑھو۔ بڑھو۔ تھوڑی دیر میں فیصلہ ہوا جاتا ہے۔

سپاہی۔ دیکھتے نہیں ہو، ہماری صفیں خالی ہوتی جاتی ہیں۔ یہ تیر ہیں یا خدا کا غضب ہے۔ ہم آدمیوں سے لڑنے آئے ہیں، دیوؤں سے نہیں۔

شمر۔ لکڑیاں جلاؤ۔ فوراً اِس خیمے پر آگ کے انگارے پھینکو۔ جلتے ہوئے کُندے پھینکو۔ جلا کر خاک سیاہ کر دو۔

(آگ کی بارش ہونے لگتی ہے۔ عورتیں خیمے سے چلاتی ہوئی باہر نکل آتی ہیں)

زینبؓ۔ تف ہے تجھ پر ظالم۔ مردوں سے نہیں۔ عورتوں پر اِتنی دلیری دِکھاتا ہے۔

حسینؑ۔ سعد، کیا یہ ستم ہے؟ تم لوگوں کا میں دُشمن ہوں۔ مجھ سے لڑو۔ خیموں میں عورتوں اور بچّوں کے سوا کوئی مرد نہیں۔ وہ غریب نکل کر بھاگ نہ سکیں تو ہم ادھر چلے

جائیں گے۔ تم سے لڑ نہ سکیں گے۔ حیف ہے کہ اِتنی جمعیت ہوتے ہوئے بھی تم
ایسی بدعتیں کر رہے ہو۔

اشعث۔ شمر، یہ تمھاری حرکت آئینِ جنگ سے بعید ہے۔ روزِحساب تمھیں سے اس کا
مواخذہ ہوگا۔

قیس۔ روکو اپنے آدمیوں کو۔

شمر۔ میں اپنے فعل کا مختار ہوں۔ آگ برساؤ۔ لگادو آگ۔

اشعث۔ سعد خدا کو کیا منہ دکھاؤگے؟

حبیبؓ۔ دوستو! ٹوٹ پڑو شمر پر۔ باز کی طرح ٹوٹ پڑو۔ ناموسِ حسینؑ پر نثار ہو جاؤ۔
یک بارگی نیزوں کا وار کرو۔

(حبیبؓ اور ان کے ساتھ دس آدمی نیزے لے کر شمر پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ شمر
بھاگتا ہے اور اس کی فوج بھی بھاگ جاتی ہے)

حسینؑ۔ حبیبؓ تم نے آج اہل بیت کی آبرو رکھ لی۔ خدا تم کو جزائے خیر دے۔

حبیبؓ۔ یا مولا۔ دُشمن دوچار لمحوں کے لیے ہٹ گیا ہے۔ نماز کا وقت آگیا ہے۔ ہماری تمنا
ہے کہ آپ کے ساتھ آخری نماز پڑھ لیں۔ شاید اب پھر یہ موقع نہ ملے۔

حسینؑ۔ خدا تم پر رحم کرے۔ اذان دو۔ اے سعد، کیا تو اسلام کی شریعت کو بھی بھول گیا؟
کیا اِتنی مہلت نہ دے گا کہ نماز پڑھ کر جنگ کی جائے؟

شمر۔ خدائے پاک کی قسم ہرگز نہیں۔ تم بے نماز پڑھے قتل کیے جاؤگے۔ شریعت باغیوں
کے لیے نہیں ہے۔

حبیبؓ۔ یا مولا، آپ نماز اَدا فرمائیں۔ اس موذی کو بکنے دیں۔ اس کی اتنی مجال نہیں ہے
کہ نماز میں مخل کرے۔

(لوگ نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ ساہس رائے اور اُن کے ساتوں بھائی حسینؑ کی پشت پر کھڑے شمر کے
تیروں سے اُن کو بچاتے رہتے ہیں۔ اِتنے میں نماز ختم ہوجاتی ہے)

حسینؑ۔ دوستو! میرے پیارے غمگسارو! یہ نماز اسلام کی تاریخ میں یادگار رہے گی۔ اگر خدا
کے اُن دلیر بندوں نے ہماری پُشت پر کھڑے ہوکر ہمیں دُشمنوں کے تیروں سے نہ
بچایا ہوتا تو ہماری نماز ہرگز نہ پوری ہوتی۔ اے حق پرستو، ہم تمھیں سلام کرتے

ہیں۔ اگرچہ تم مومن نہیں ہو، لیکن جس مذہب کے پیرو ایسے حق پرور، انصاف پر جان دینے والے، زندگی اِس طرح ناچیز سمجھنے والے، مظلوموں کی حمایت میں سر کٹانے والے ہوں وہ ضرور سچا اور منجانب خدا ہے۔ وہ مذہب ہمیشہ دُنیا میں قائم رہے۔ اور نُورِ اسلام کے ساتھ اُس کی روشنی بھی چاروں طرف پھیلے۔

ساہس رائے۔ حضرت۔ آپ نے ہمارے حق میں جو دُعائے خیر کی ہے، اس کے لیے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ میری بھی ایشور سے یہی دُعا ہے کہ جب کبھی اسلام کو ہمارے لہو کی ضرورت ہو تو ہماری قوم میں اپنا سینہ کھول دینے والوں کی کمی نہ رہے۔ اَب ہمیں اجازت ہو کہ میدانِ جنگ میں جاکر حق کی حمایت میں اپنی جانیں نثار کر دیں۔

حسینؑ۔ نہیں۔ میرے دوستو۔ جب تک ہم باقی ہیں۔ اپنے مہمانوں کو میدانِ جنگ میں نہ جانے دیں گے۔

ساہس رائے۔ حضرت۔ ہم آپ کے مہمان نہیں خدمت گار ہیں۔ سچائی اور انصاف پر مرنا ہماری زندگی کا خاص اُصول ہے۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ کسی پر احسان نہیں۔

حسینؑ۔ کِس منھ سے کہوں کہ جایئے۔ خدا کرے کہ اس میدان میں ہمارے اور آپ کے خون سے جس عمارت کی بنیاد پڑی ہے، وہ زمانہ کی نظر سے ہمیشہ محفوظ رہے، یہ کبھی ویران نہ ہو۔ اِس میں سے ہمیشہ نغمے کی صدائیں بلند ہوں اور آفتاب کی کرنیں اِس پر چمکتی رہیں۔

(ساتوں بھائی گاتے ہوئے میدان میں جاتے ہیں)

عباسؓ۔ غضب کے جانباز ہیں۔ اَب مجھ پر یہ حقیقت کھلی کہ اسلام کے دائرہ کے باہر بھی اسلام ہے۔ یہ سچّے مسلمان ہیں اور رسول پاکؐ ایسے آدمیوں کی شفاعت نہ کریں، ممکن نہیں۔

حسینؑ۔ کتنی دلیری سے لڑ رہے ہیں۔

عباسؓ۔ فوج میں بے خوف گھُس جاتے ہیں۔ ایسی بے جگری سے کسی کو موت کے مُنہ میں جاتے نہیں دیکھا۔

علی اکبر۔ ایسے پانچ سو آدمی بھی ہمارے ساتھ ہوتے تو میدان ہمارا تھا۔

حسینؑ۔ آہ! وہ ساہس رائے گھوڑے سے گرے۔ مکار شمر نے پیچھے سے وار کیا۔ اسلام کو بدنام کرنے والا موذی۔

عباسؓ۔ وہ دُوسرا بھائی بھی گرا۔

حسینؑ۔ ان کے رواج کے مطابق لاشوں کو جلانا ہوگا۔ لکڑیوں کا انبار جمع کرو۔

اکبر۔ تیسرا بھائی بھی مارا گیا۔

عباسؓ۔ ظالموں نے چاروں طرف سے گھیرلیا۔ مگر کس غضب کے تیرانداز ہیں۔ تیروں سے شعلے نکلتے ہیں۔

اکبر۔اللہ اللہ ان کے تیروں سے آگ نکل رہی ہے۔ بھگدڑ پڑگئی۔ ساری جمعیت پریشان ہوکر بھاگی جاری ہے۔

اکبر۔ یا خدا! چاروں دیکھتے دیکھتے غائب ہوگئے۔

حسینؑ۔ شاید اُن کے سامنے کوئی خندق کھودی گئی ہے۔

عباسؓ۔ جی ہاں۔ یہی میرا بھی خیال ہے۔

حسینؑ۔ چتائیں تیار کراؤ۔ اگر فریب نہ کیا جاتا تو یہ جانباز ساری فوج کو خاک کردیتے۔ تیر ہیں یا معجزہ!

عباسؓ۔ خدا کے ایسے بندے بھی ہیں جو بے غرض سر کٹاتے ہیں۔

حسینؑ۔ یہ لوگ اُس پاک ملک کے رہنے والے ہیں جہاں سب سے پہلے توحید کی صدا بلند ہوئی تھی۔ میری خدا سے دُعا ہے کہ انھیں شہیدوں میں اُونچا رُتبہ دے۔ وہ چتا میں شعلے اُٹھے۔ اے خدا یہ سوز اسلام کے دل سے کبھی نہ مٹے۔ اس قوم کے لیے ہمارے دلیر ہمیشہ اپنا خون بہاتے رہیں۔ یہ بیج جو آج آگ میں بویا گیا ہے۔ قیامت تک سرسبز رہے۔

چوتھا سین

(شام کا وقت ہے اور زینب اپنے خیمے میں بیٹھی ہوئی ہیں)

زینب۔ (دل میں) عباس اور علی اکبر کے علاوہ اَب بھیا کا کوئی بھی رفیق باقی نہیں رہا۔ سب لوگ ان پر نثار ہوگئے۔ ہائے قاسم کا سا جوان۔ مسلم کے بیٹے، عباسؑ کے بھائی، بھیا امام حسن کے چاروں بیٹے سب داغ دے گئے۔ دیکھتے دیکھتے ہرابھرا باغ ویران ہوگیا۔ گلزار بستی اُجڑگئی۔ سبھی ماؤں کے کلیجے ٹھنڈے ہوئے۔ باپوں کے دل باغ باغ ہوئے۔ ایک میں ہی بدنصیب نامُراد رہ گئی۔ خدا نے مجھے بھی دو بیٹے دیئے ہیں۔ پر جب وہ کام ہی نہ آئیں تو اِن کو دیکھ کر کیا جگر ٹھنڈا ہو۔ اس سے تو یہی بہتر ہوتا کہ میں نے اولاد کا مُنھ ہی نہ دیکھا ہوتا۔ تب یہ بے وفائی کا داغ تو ماتھے پر نہ لگتا۔ حسینؑ نے لڑکوں کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھا۔ اَولاد کی طرح پالا۔ پر وہ مصیبت میں اس طرح ساتھ چھوڑتے ہیں، جیسے تاریکی میں سایہ۔ دغا کررہے ہیں۔ ہاں یہ دغا کررہے ہیں۔ ہاں یہ دغا نہیں تو اور کیا ہے؟ آخر بھیا اپنے دل میں کیا سمجھ رہے ہوں گے! کہیں یہ خیال نہ کرتے ہوں کہ میں نے ہی انھیں میدان میں جانے سے روک دیا ہے! یہ خیال نہ پیدا ہو کہ بھائی صاحب کے ساتھ اپنی غرض نکالنے کے لیے زمانہ سازی کررہی تھی۔ آہ! انھیں کیوں کر اپنا دل کھول کر دِکھاؤں کہ وہ ان کے لیے کتنا بے قرار ہے۔ پر اپنے لڑکوں پر قابو نہیں۔ جاؤ جیسے تم نے میرے مُنھ پر کالکھ لگائی ہے، میں بھی تمھیں دُودھ نہ بخشوں گی، یہ اِتنے کم ہمت کیسے ہوگئے؟ جن کے نانا میدان جنگ میں طوفان پیدا کر دیتے تھے۔ جن کے والد کی للکار سُن کر دُشمنوں کے کلیجہ دہل جاتے تھے، وہی لڑکے اِتنے بودے پست ہمت ہوں! یہ میری تقدیر کی خرابی ہے اور کیا؟ جب میدانِ جنگ میں جانا ہی نہیں تو وہ ہتھیار سج کر مجھے جلاتے کیوں ہیں؟ بھیا کو کون سا مُنھ دِکھاؤں گی؟ سامنے آنکھیں کیسے اُٹھاؤں گی؟

(دونوں لڑکوں کا آنا)

عون۔ اماں جان، ہمارا آپ فیصلہ کر دیجیے۔ میں پہلے میدان میں جاتا ہوں، پر محمدؑ مجھے جانے
نہیں دیتے۔ کہتے ہیں پہلے میں جاؤں گا۔ صبح سے یہی بحث چھڑی ہوئی ہے۔ کسی
طرح چھوڑتا ہی نہیں۔ بتاؤ بڑے بھائی کے ہوتے ہوئے چھوٹا بھائی شہید ہو، یہ
کہاں کا انصاف ہے؟

محمدؑ۔ تو اماں جان یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بڑا بھائی تو مرنے جائے اور چھوٹا بھائی بیٹھا
رہے اور اُس کی لاش پر ماتم کرے۔ اماں آپ چاہے خوش ہوں یا ناراض، مجھ سے
یہ تو نہ ہوگا۔ شاید ان کا یہ خیال ہو کہ میں جنگ کے قابل نہیں ہوں۔ کیا جواب
دُوں، لیکن خدا دے گا تو۔

ایک حملے میں گر ہم نہ اُلٹ دیں صفِ لشکر
پھر دُودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر
شہ کے قدمِ پاک پہ سر دے کے پھریں گے
یا جنگ سے سر شمرو عمر لے کے پھریں گے

اماں جان، آپ نہ میری خاطر کیجیے نہ اِن کی، اِنصاف سے فرمائیے، پہلے کِس کو
جانے کا حق ہے۔

زینبؑ۔ اچھا تم لوگوں کے جنگ میں نہ جانے کا یہ مطلب تھا! میں کچھ اور سمجھ رہی تھی۔
پیارو تمھاری ماں نے تمھاری دلیری پر شک کیا۔ اُسے معاف کرو۔ معلوم نہیں، مجھے
کیا ہوگیا تھا۔ کہ میرے دل میں تمھاری طرف سے ایسے شبہے پیدا ہوئے۔ لو میں
جھگڑا ختم کیے دیتی ہوں۔ تم دونوں خدا کا نام لے کر ساتھ ساتھ روانہ ہو، اور دکھا
دو کہ تم کسی سے شبیر کی اُلفت میں کم نہیں ہو۔ میری اور میرے خاندان کی عزّت
تمھارے ہاتھ ہے۔

شیروں کے لیے ننگ ہے تلوار سے ڈرنا　　میدان میں تن تن کے سپر سینوں کو کرنا
ہر زخم پہ دم اُلفت شبیرؑ کا بھرنا　　قربان گئی جینے سے بہتر ہے یہ مرنا
دُنیا میں بھلا عزتِ اسلام تو رہ جائے
تم جیتے رہو یا نہ رہو نام تو رہ جائے

نانا کی طرح کون وفا کرتا ہے دیکھوں   سر کون ہزاروں کے جُدا کرتا ہے دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں   ایک ایک صف جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں

دکھائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
میں خیمے سے دیکھوں گی لڑائی کا تماشا

یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم نام کروگے، پر کمسن بہت ہو اِس لیے سمجھاتی ہوں۔ جاؤ تمھیں خُدا کے سُپرد کیا۔

(دونوں میدان جنگ کو جاتے ہیں اور لڑتے ہیں۔ زینبؓ پردے کے پیچھے سے دیکھتی ہیں)

شہربانو کا آنا۔

شہربانو۔ ہے ہے بہن تم نے کیا ستم کیا! اِن ننھے ننھے بچّوں کو جنگ میں جھونک دِیا۔ ابھی علی اکبر بیٹھا ہوا ہے۔ عباسؓ موجود ہی ہیں۔ ایسی کیا جلدی پڑی تھی؟

زینبؓ۔ یہ کسی کے روکے رُکتے تھے؟ کل ہی سے ہتھیار سجے منتظر بیٹھے تھے۔ رات بھر تلواریں صاف کی گئی ہیں اور یہاں آئے ہی کس لیے تھے؟ زندگی باقی ہے تو دونوں پھر آئیں گے مرجانے کا غم نہیں۔ آخر کس دِن کام آتے؟ جہاد میں چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں رہتی۔ رسولؐ پاک کو کیا مُنھ دِکھاتی؟

شہربانو۔ دیکھو۔ ہائے ہائے دونوں کو دُشمنوں نے کس طرح گھیر رکھا ہے، کوئی جاکر بے چاروں کو پھیر بھی نہیں لاتا۔ شبیر بھی بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں یہ نہیں کہ کسی کو بھیج دیں۔ ہیں تو ذرا سے، پر کیسے مچھلیوں کی طرح چمکتے پھرتے ہیں۔ خیر اچھا ہوا۔ عباسؓ دوڑے جارہے ہیں۔

(حضرت عباسؓ کا میدان کی طرف دوڑتے ہوئے جانا)

زینبؓ۔ (خیمے سے نکل کر) عباسؓ تمھیں۔ رسول پاکؐ کی قسم جو تم انھیں لوٹانے جاؤ۔ ہاں اُن کا دل بڑھائے جاؤ۔ کیا مجھے شہادت کے ثواب میں سے کچھ بھی حصہ دینے کا اِرادہ نہیں ہے؟ بھیّا تم اِتنے خودغرض کبھی نہ تھے۔

(دونوں بھائی مارے جاتے ہیں۔ حسینؓ اور عباسؓ ان کی لاش اُٹھانے جاتے ہیں اور جناب زینبؓ ایک آہ سرد بھرکر بے ہوش ہوجاتی ہیں)

پانچواں سین

(بارہ بجے رات کا وقت ہے۔ لڑائی ذرا دیر کے لیے بند ہوگئی ہے۔ دُشمن کی فوج غافل ہے۔ دریا کا کنارہ۔ حضرت عباسؓ ہاتھوں میں مشک لیے دریا کے کنارے کھڑے ہیں)

عباسؓ۔ (دل میں) ہم دریا سے اِتنے قریب ہیں، تھوڑی ہی دُور پر دریا موجیں مار رہا ہے، پرہم ایک ایک بُوند پانی کو ترس رہے ہیں۔ دو دن سے کسی کے مُنھ میں ایک قطرہ بھی نہیں گیا۔ بچّے پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ عورتوں کے لب خُشک ہوگئے ہیں۔ خود حضرت حسینؑ کا بُرا حال ہو رہا ہے۔ مگر کوئی اپنی تکلیف کسی سے نہیں کہتا۔ بے چاری سکینہ بلبلا رہی تھیں۔ کاش یہ ظالم اِسی طرح غافل پڑے رہتے اور میں مشک لیے ہوئے بچکر نکل جاتا! جی چاہتا ہے دریا کا دریا پی جاؤں، پر غیرت گوارا نہیں کرتی۔ گھرکے سب آدمی تو پیاسے مررہے ہوں اور میں اپنی پیاس بُجھا لوں! گھوڑے نے بھی پانی میں مُنھ نہیں ڈالا۔ وفادار جانور! تو حیوان ہوکر اتنا غیرت مند ہے۔ میں انسان ہوکر بے غیرت ہوجاؤں؟

(دریا سے پانی لے کر گھاٹ پر چڑھتے ہیں)

ایک سپاہی۔ یہ کون پانی لیے ہوئے جاتا ہے؟

عباسؓ۔ (خاموش)۔

کئی آدمی۔ کیا کوئی پانی لے رہا ہے؟ کون ہے کھڑا وہ؟

(کئی سپاہی حضرت عباسؓ کو گھیر لیتے ہیں)

ایک۔ یہ تو حسینؑ کے لشکر کا آدمی ہے۔ کیوں جی تمھارا کیا نام ہے؟

شمر۔ مشک چھین لو۔

عباسؓ۔ اِتنا آسان نہ سمجھنا۔ ایک ایک بُوند پانی کے لیے ایک ایک سر دینا پڑیگا۔ اِتنا مہنگا پانی کبھی نہ پڑا ہوگا۔

(حضرت عباسؓ تلوار کھینچ کر دُشمنوں پر جھپٹ پڑتے ہیں اور اُن کے حلقے سے نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شمر دوڑا ہوا آتا ہے)

شمر۔ خبردار۔ چاروں طرف سے گھیر لو۔ مشک میں نیزے مارو۔ مشک میں۔

عباسؑ۔ اَرے ظالم بیدرد۔ تو مسلمان ہوکر نبی کی اَولاد پر اتنی سختیاں کررہا ہے۔ بچّے پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ حضرت حسینؑ کا بُرا حال ہو رہا ہے۔ اور تجھے ذرا بھی درد نہیں آتا؟

شمر۔ خلیفہ سے بغاوت کرنے والا مسلمان، مسلمان نہیں۔ اور نہ اس کے ساتھ کوئی رعایت کی جاسکتی ہے۔ دلیرو! بس، جنگ کا اِسی پر خاتمہ ہے۔ عباسؑ کو لیا، اور پھر وہاں حسین کے سوا اور کوئی باقی نہ رہے گا۔

(سپاہی عباسؑ پر نیزے چلاتے ہیں اور عباسؑ نیزوں کو تلوار سے کاٹ دیتے ہیں)

(سعد کا آنا)

سعد۔ ٹھہرو۔ ٹھہرو! دشمن کو دوست بنالینے میں جتنا فائدہ ہے، اتنا قتل کرنے میں نہیں۔

عباسؑ میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دَم کے لیے تلوار روک دیجیے۔ تنی ہوئی تلوار مصلحت کی زبان بند کردیتی ہے۔

عباسؑ۔ مصالحت کی گفتگو کرنا ہوتو حضرت حسینؑ کے پاس کیوں نہیں جاتے۔ حالانکہ شاید اب وہ کچھ نہ سُنیں گے۔ دو بھانجے، دو بھتیجے مارے جاچکے ہیں۔ کتنے ہی احباب شہید ہوگئے۔ وہ خود بھی زندگی سے بیزار ہیں۔ مرنے پر کمر باندھ چکے ہیں۔

سعد۔ تو ایسی حالت میں آپ کو اپنی جان کی اور بھی قدر کرنا چاہیے۔ دُنیا میں علیؑ کی کوئی نشانی تو باقی رہ جائے۔ خاندان کا نام تو نہ مٹے۔

عباسؑ۔ بھائی کے بعد جینا بے کار ہے۔

سعد۔ مابین لحد برادر نہیں جاتا
بھائی کوئی بھائی کے لیے مر نہیں جاتا

عباسؑ۔ بھائی کے لیے جی سے گزر جاتا ہے بھائی
جاتا ہے برادر بھی جدھر جاتا ہے بھائی
کیا بھائی ہو تیغوں میں تو ڈر جاتا ہے بھائی
آنچ آتی ہے بھائی پہ تو مرجاتا ہے بھائی

سعد۔ آپ سے تو خلیفہ کو کوئی دشمنی نہیں۔ آپ ان کی بیعت قبول کرلیجیے۔ آپ کی

ہر طرح بھلائی ہوگی۔ جو رُتبہ چاہیں گے، وہ آپ کو مِل جائے گا۔ اور آپ حضرت علیؓ کے جانشیں سمجھے جائیں گے۔

عباسؓ۔ جب حسینؑ جیسے صُلح پسند آدمی کو جنھوں نے کبھی غصے کو پاس آنے نہیں دیا، جنگ پر کبھی سبقت نہیں کی، اور انھوں نے آج بھی مجھ سے تاکید کردی تھی کہ راہ نہ ملے تو دریا پر نہ جانا۔ تو میں جو اِن اوصاف میں سے ایک بھی نہیں رکھتا، کس طرح تمھاری باتیں مان سکتا ہوں!

سعد۔ تمھیں اختیار ہے۔

شمر۔ ٹوٹ پڑو۔ ٹوٹ پڑو۔

(ایک سپاہی پیچھے سے آکر تلوار مارتا ہے۔ جس سے حضرت عباسؓ کا داہنا ہاتھ کٹ جاتا ہے۔ عباسؓ بائیں ہاتھ میں تلوار لے لیتے ہیں)

شمر۔ ابھی ایک ہاتھ باقی ہے، جو اُسے گرادے، اُسے ایک لاکھ دینار انعام ملے گا۔

(چاروں طرف سے زخمی سپاہیوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ حضرت عباسؓ صفوں کو چیرتے، سپاہیوں کو گراتے، حضرت امام حسینؑ کے خیمے کے سامنے پہنچ جاتے ہیں۔ اِتنے میں ایک سپاہی تلوار سے اُن کا بایاں ہاتھ بھی گرادیتا ہے۔ شمر اُن کی چھاتی میں بھالا چبھو دیتا ہے۔ حضرت عباسؓ مشک کو دانتوں سے پکڑ لیتے ہیں۔ تب سر پر ایک گُرز پڑتا ہے اور جناب عباسؓ گھوڑے سے گر پڑتے ہیں)

عباسؓ۔ (چلاکر) بھیا تمھارا غلام اَب جاتا ہے۔ اُس کا آخری سلام قبول کرو۔

(حسینؑ خیمے سے باہر نکل کر دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ اور حضرت عباسؓ کے پاس پہنچ کر انھیں گود میں اُٹھا لیتے ہیں)

حسینؑ۔ آہ! میرے پیارے بھائی، میرے قوتِ بازو۔ تمھاری موت نے کمر توڑ دی۔ ہائے اب کوئی سہارا نہیں رہا۔ تمھیں اپنے پہلو میں دیکھتے ہوئے مجھے وہ بھروسہ ہوتا تھا جو بچّے کو اپنی ماں کی گود میں ہوتا ہے۔ تم میرے پُشت پناہ تھے۔ ہائے اَب کِسے دیکھ کر دل کو ڈھارس ہوگی۔ آہ! اگر تم کو اِتنی جلدی رُخصت ہونا تھا تو پہلے مجھ ہی کو مرجانے دیتے۔ میں نے تمھیں اَب تک اِس طرح بچایا تھا جیسے آندھی میں کوئی چراغ کو بچاتا ہے۔ پر قضا سے کچھ بس نہ چلا۔ ہائے میں پانی لینے کیوں نہ گیا۔ خیر بھیا اِتنی

تسکین ہے کہ پھر ہماری تم سے جلد ملاقات ہوگی، اور ہم قیامت تک جُدا نہ ہوں گے۔

چھٹا سین

(دوپہر کا وقت۔ حضرت حسینؑ اپنے خیمے میں کھڑے ہیں۔ زینبؓ۔ کلثوم، سکینہ شہربانو سب انھیں گھیرے ہوئے ہیں)

حسینؑ۔ زینبؓ۔ عباسؓ کے بعد علی اکبر سے دل کو تسکین رہتی تھی۔ اب کیسے دیکھ کر دل کو ڈھارس دُوں۔ ہائے میرا جوان بیٹا تڑپ تڑپ کر مرگیا۔ کس شان سے میدانِ جنگ میں گیا تھا! کتنا خوش مزاج و ہمت کا دھنی! زینبؓ! میں نے اس کو کبھی اُداس نہیں دیکھا۔ ہمیشہ مسکرایا کرتا تھا۔ مگر میں روتا کیوں ہوں؟ اچھا اگر اَب یہ آنکھیں روئیں تو ان کو نکال کر پھینک دُوں گا۔ خدا کی مرضی میں رونا کیسا؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمام قدرت مجھے تباہ کرنے ہی پر تُلی ہوئی ہے یہ دُھوپ، کہ اُس کی طرف دیکھنے ہی سے آنکھیں جلنے لگتی ہیں۔ یہ جلتا ہوا ریت، یہ لُو کے جُھلسانے والے جھونکے اور یہ پیاس! اس طرح زندہ جلنا تیروں اور بھالوں کے زخموں سے بھی کہیں زیادہ سخت ہے۔

(علی اصغر آتے ہیں اور بے ہوش ہوکر گر پڑتے ہیں)

شہربانو۔ ہائے میرے بچّے کو کیا ہوا؟

حسینؑ۔ (اصغر کو گود میں اُٹھاکر) آہ! یہ پھول پانی کے بغیر مرجھایا جارہا ہے۔ خدایا اِس رنج میں اگر میری زبان سے تیری شان میں کوئی بے ادبی ہوجائے، تو معاف کرنا۔ میں اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہوں۔ ایک کٹورے پانی کے لیے جنت سے ہاتھ دھونے کو تیار ہوں۔

(اصغر کو گود میں لیے خیمے سے باہر آکر)

اے ظالم قوم! اگر تمھارے خیال میں مَیں گنہگار ہوں تو اس بچّے سے تو کوئی خطا نہیں ہوئی ہے۔ اِسے ایک گھونٹ پانی پلادو۔ میں تمھارے نبیؐ کا نواسا ہوں۔ اگر اس میں تمھیں شک ہے تو کعبہ کا ایک بیکس مُسافر سمجھ لو اور اس میں بھی تمھیں تامل ہو تو آخر مسلمان ہی ہوں۔ یہ بھی نہیں تو اللہ کا ایک ناچیز بندہ تو ضرور ہوں۔ کیا میرے مرتے

ہوئے بچے پر تمھیں اتنا بھی رحم نہیں آتا؟ ـ

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ پانی مجھے لا دو

تم آن کے چلّو سے اسے آپ پلا دو

مرتا ہے یہ مرتے ہوئے بچّے کو جلا دو

للہ کلیجے کی مری آگ بُجھا دو!

جب مُنھ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے

اے ظالمو اُٹھتا ہے دُھواں میرے جگر سے

(شمر ایک تیر مارتا ہے، جو اصغر کے گلے کو چھیدتا ہوا حسینؑ کے بازو میں چُبھ جاتا ہے۔ حسینؑ جلدی سے تیر نکال دیتے ہیں۔ مگر تیر نکلتے ہی اصغر کی جان نکل جاتی ہے۔ حسینؑ اصغر کو لیے پھر خیمہ میں آتے ہیں)

شہربانو۔ ہائے میرا پھول سا بچّہ!

حسینؑ۔ ہمیشہ کے لیے اس کی پیاس بُجھ گئی۔ (خُون سے چلّو بھر کر آسمان کی جانب اُچھالتے ہوئے، اِن سب بدعتوں کا گواہ خدا ہے۔ اب کون ہے، جو ظالموں سے اس خون کا بدلہ لے؟

(حضرت سجّاد چارپائی سے اُٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے میدان کی طرف چلتے ہیں)

زینبؓ۔ اَرے بیٹا۔ تم میں تو کھڑے ہونے کی بھی تاب نہیں۔ مہینوں سے تو آنکھیں نہیں کھولیں۔ تم کہاں جاتے ہو؟

سجّاد۔ بستر پر مرنے سے میدان میں مرنا بہتر ہے۔ جب سب جنت کو سُدھار چکے تو میں یہاں کیوں پڑا رہوں؟

حُسینؑ۔ بیٹا، خدا کے لیے باپ کے اُوپر رحم کرو۔ واپس آؤ۔ رسولؐ کی تم ہی ایک نشانی رہ گئے ہو۔ تمھارے ہی اُوپر عورتوں کی حفاظت کا بار ہے۔ آہ! اور کون ہے، جو اِس فرض کو اَدا کرے گا۔ تم ہی میرے جانشین ہو۔ ان سب کو تمھارے حوالے کرتا ہوں۔ خدا حافظ۔ اے زینبؓ! اے کلثوم! اے سکینہ! تم سب میرا سلام قبول کرو، کہ یہ آخری ملاقات ہے۔

(زینبؓ روتی ہوئی حسینؑ سے لپٹ جاتی ہیں)

حسینؑ۔ زینبؑ۔

مرکر بھی نہ بھولوں گا میں احسان تمھارے　　بیٹوں کو بھلا کون بہن بھائی پہ وارے
پیارا نہ کیا اُن کو جو تھے جان سے پیارے　　بس ماں کی محبت کے یہ انداز ہیں سارے

فاقے میں ہمیں برچھیاں کھانے کی رضا دو
بس اَب یہی اُلفت ہے کہ جانے کی رضا دو

ہمیشرہ کا غم ہے کِسی بھائی کو گوارا　　مجبور ہے لیکن اسداللہ کا پیارا
رنج اور مصیبت سے کلیجہ ہے دوپارا　　کس سے کہوں جیسا مجھے صدمہ ہے تمھارا

اِس گھر کی تباہی کے لیے روتا ہے شبیرؑ
تم چھٹتی نہیں ماں سے جُدا ہوتا ہے شبیرؑ

(ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرتے ہیں)

یا رب ہے یہ سادات کا گھر تیرے حوالے　　رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے　　سب ہیں مرے دَریا کے گُہر تیرے حوالے

(میدان کی طرف جاتے ہیں)

شمر۔ (فوج سے) خبردار۔ خبردار۔ حسینؑ آئے۔ سب کے سب سنبھل جاؤ۔ اور سمجھ لو اب میدان تمھارا ہے۔

(حضرت حسینؑ فوج کے سامنے کھڑے ہو کر کہتے ہیں)

بیٹا ہوں علیؑ کا و نواسہ رسولؐ کا
ماں ایسی کہ جس کی شفاعت کے ہیں محتاج
باپ ایسا صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج
بیٹا ہوں علیؑ کا و نواسہ رسولؐ کا
لڑنے کو اگر حیدر و صفدر نہ نکلتے
بُت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے
بیٹا ہوں علیؑ کا و نواسہ رسولؐ کا

کِس جنگ میں سینے کو سپر کرکے نہ آئے
کِس فوج کی صف زیر و زبر کرکے نہ آئے
بیٹا ہوں علیؑ کا و نواسہ رسولؐ کا
ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
کچھ خاک کی دُنیا میں سِوا خاک نہ ہوتا
بیٹا ہوں علیؑ کا و نواسہ رسولؐ کا
یہ شور اذاں کا سحر و شام کہاں تھا؟
ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا؟
بیٹا ہوں علیؑ کا و نواسہ رسولؐ کا
لازم ہے کہ سادات کی اِمداد کرو تم
اے ظالمو اس گھر کو نہ برباد کرو تم
بیٹا ہوں علیؑ کا و نواسہ رسولؐ کا

(فوج پر ٹوٹ پڑتے ہیں)

شمر۔ ارے نامردو، کیوں بھاگے جاتے ہو۔ کوئی شیر نہیں ہے جو سب کو کھا جائے گا۔
ایک سپاہی۔ ذرا سامنے آکر دیکھو تو معلوم ہو۔ پیچھے کھڑے کھڑے مُنھ کے آگے خندق کیا ہے۔
دوسرا۔ اَرے پھر اِدھر آرہے ہیں، خدا بچانا۔
تیسرا۔ اُن پر تلوار چلانے کو تو ہاتھ ہی نہیں اُٹھتے۔ اُن کی صورت دیکھتے ہی کلیجہ تھرّا جاتا ہے۔
چوتھا۔ میں تو ہَوا میں تیر چھوڑتا ہوں۔ کون جانے کہیں میرے ہی تیر سے شہید ہوجائیں۔ تو عاقبت میں کون مُنھ دکھاؤں گا۔
پانچواں۔ میں بھی ہوا ہی میں چھوڑتا ہوں۔
شمر۔ تُف ہے تم پر۔ ڈوب مرو نامردو! گھیر کر نیزوں سے کیوں نہیں وار کرتے۔
سعد۔ (شمر سے) ہمارے لیے انھیں گھیرنا اِتنا ہی دُشوار ہے، جتنا چوہوں کے لیے بلّی کا۔ اِن

کے سامنے کون ہے۔ جس کے قدم رُکیں؟ وہ یونہی قتل کرتے خود پیاس اور تکان سے بے دم ہوجائیں گے۔

شمر۔ (تیر چلاکر) کیوں بھاگتے ہو؟ کیوں بھاگتے ہو؟ اپنے منہ میں کالکھ لگاتے ہو؟ دُنیا کیا کہے گی، اِس کی بھی تمھیں شرم نہیں؟

قیس۔ ساری فوج دہل گئی۔ ان کو اب کھڑا رکھنا مُشکل ہے۔

اشعث۔ علیؑ کے سِوا اور کسی کا یہ دم خم نہیں دیکھا۔

شمر۔ (تیر چلاکر) صفوں کو خوب پھیلا دو۔ تاکہ دَوڑتے دَوڑتے گر پڑیں۔

حسینؑ۔ سعد اور شمر، میں تمھیں پھر موقع دیتا ہوں۔ مجھے لوٹ جانے دو۔ کیوں اِن غریبوں کی جان کے دُشمن ہورہے ہو؟ تمھارا میدان خالی ہوگیا۔ تمھیں سامنے آجاؤ۔ جنگ کا فیصلہ ہوجائے۔

سعد۔ شمر جاتے ہو؟

شمر۔ کیوں جاؤں گا؟ یہاں جان دینے نہیں آیا ہوں۔

سعد۔ میں جاؤں بھی تو لڑ نہیں سکتا۔

(حسینؑ دریا کی طرف جاتے ہیں)

شمر۔ اَب اور بھی غضب ہوگیا۔ پانی پی کر لوٹے تو خدا جانے کیا کریں گے۔ حجاؔج کو تاکید کرنی چاہیے۔ کہ دریا کا راستہ نہ دے۔

(حجاج کو بُلاکر)

حجاج، حسینؑ کو ہرگز دریا کی طرف جانے نہ دینا۔

حجاج۔ (دل میں) یہ عذاب کیوں اپنے سر لوں؟ مجھے بھی تو قیامت میں رسولؐ ہی سے کام پڑے گا۔ (ظاہراً) جی ہاں آدمیوں کو جمع کررہا ہوں۔

(حضرت حسینؑ گھوڑے کی باگ ڈھیلی کردیتے ہیں۔ پر وہ پانی کی طرف گردن نہیں بڑھاتا۔ مُنھ پھیر کر حسینؑ کی رکاب کو کھینچتا ہے)

حسینؑ۔ آؤ میرے پیارے بے زبان رفیق، تو حیوان ہوکر آقا کا اتنا خیال رکھتا ہے۔ یہ انسان ہوکر آلِ رسولؐ کے لہو کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ خیر میں اُس وقت تک پانی نہ پیوں گا۔ جب تک تُو نہ پی لے گا۔

(پانی پینا چاہتے ہیں)

حجاج۔ حسینؑ تم یہاں پانی پی رہے ہو۔ اور لشکری خیموں میں گھسے جاتے ہیں۔

حسینؑ۔ کیا تو سچ کہہ رہا ہے؟

حجاج۔ یقین نہ آئے تو جاکر دیکھ آیئے۔

حسینؑ۔ (دل میں) اس بیکسی کی حالت میں کوئی مجھ سے دغا نہیں کرسکتا۔ مرتے ہوئے آدمی سے دغا کر کے کیوں کوئی اپنی عزت سے ہاتھ دھوئے گا۔

(گھوڑے کو پھیر دیتے ہیں، اور دوڑاتے ہوئے خیمے کی طرف آتے ہیں)

(آہ! انسان اس سے کہیں زیادہ کمینہ کورباطن ہے۔ جتنا میں سمجھتا تھا اس آخری وقت میں مجھ سے دغا کی۔ اور محض اِس لیے کہ میں پانی نہ پی سکوں۔ پھر میدان میں آکر لشکر پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ سپاہی ادھر اُدھر بھاگنے لگتے ہیں)

شمر۔ (تیر چلاکر) تم میرے ہی ہاتھوں مروگے۔

(تیر حضرت حسینؑ کے مُنھ میں لگتا ہے۔ اور وہ گھوڑے سے گرپڑتے ہیں۔ پھر سنبھل کر اُٹھتے ہیں، اور تلوار چلانے لگتے ہیں)

سعد۔ شمر تمھارے سپاہی حسینؑ کے خیموں کی طرف جارہے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے۔

شمر۔ عورتوں کی حفاظت کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔

حسینؑ۔ (ڈاڑھی سے خُون پُونچھتے ہوئے) سعد، اگر تمھیں دین کا خوف نہیں ہے تو اِنسان تو ہے۔ تمھارے بھی تو عیال و اطفال ہیں۔ ان بدمعاشوں کو میرے خیموں میں آنے سے کیوں نہیں روکتے؟

سعد۔ جب تک میں زندہ ہوں، آپ کے خیمے میں کوئی نہیں جاسکے گا۔

(خیموں کے سامنے جاکر کھڑا ہوجاتا ہے)

زینبؓ ۔ باہر نکل کر کیوں سعد حسینؑ اس بیکسی سے مارے جائیں اور تم کھڑنے دیکھتے رہو؟ مال اور دُنیا تم کو اس قدر پیاری ہے؟

(سعد مُنھ پھیر کر رونے لگتا ہے)

شمر۔ تُف ہے تم پر اے جوانو! ایک پیادہ بھی تم سے نہیں مارا جاتا! تم اَب ناحق ڈرتے ہو۔ حسینؑ میں اَب جان نہیں ہے۔ اُن کے ہاتھ نہیں اُٹھتے۔ پیر تھرّا رہے ہیں۔

آنکھیں جھپکی جاتی ہیں۔ پھر بھی تم ان کو شیر سمجھ رہے ہو۔

حسینؑ۔ (دل میں) معلوم نہیں، میں نے کتنے آدمیوں کو مارا۔ اور اب بھی مار سکتا ہوں۔ پر ہیں تو یہ میرے نانا ہی کی اُمت میں، ہیں تو یہ سب مسلمان ہی، پھر انھیں کس لیے ماروں؟ اَب کِس کے لیے زندہ رہوں؟ ہائے اکبر!

کِس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے

بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

(ہائے عباسؓ۔ ہائے عباسؓ)

عباسؓ غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے

اُلفت ہمیں لے آئی ہے پھر پاس تمھارے

اِن سُوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو مِلادو

کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں مُنھ کو چھپائے

غافل ہو برادر تمھیں کس طرح جگائے

خوش ہوں گا میں آگے جو عَلم لے کے بڑھوگے

کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھوگے

لڑتے لڑتے شام ہوگئی۔ ہاتھ نہیں اُٹھتے۔ آخری نماز پڑھ لوں۔ کاش نماز پڑھتے ہوئے سر کٹ جاتا تو کتنا اچھا ہوجاتا۔

(حسینؑ نماز میں جھک جاتے ہیں۔ اشعث پیچھے سے آکر اُن کے کندھے پر تلوار چلاتا ہے۔ حسینؑ اُٹھتے ہیں اور پھر گر پڑتے ہیں۔ فوج میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ سب کے سب انھیں گھیر لیتے ہیں)

شمر۔ خلیفہ یزیدؔ نے حضرت حسینؑ کا سر مانگا تھا۔ کون یہ فخر حاصل کرنا چاہتا ہے؟

(ایک سپاہی آگے بڑھ کر تلوار چلاتا ہے۔ مُسلم کی چھوٹی لڑکی دوڑی ہوئی خیمے سے آتی ہے اور حسینؑ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے)

نسیمہ۔ او خبیث، کیا تو میرے چچا کو قتل کرے گا؟

(تلوار نسیمہ کے دونوں ہاتھوں پر پڑتی ہے۔ اور ہاتھ کٹ جاتے ہیں)

(اشعث تلوار لے کر آگے بڑھتا ہے اور حسینؑ کا مُنھ دیکھتے ہی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹی جاتی ہے۔)

شمر۔ کیوں تلوار کیوں ڈال دی؟

اشعث۔ انھوں نے جب آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ کی آنکھیں ہیں۔ میرے ہوش اُڑ گئے۔

قیس۔ میں جاتا ہوں۔

(تلوار لے کر جاتا ہے۔ تلوار ہاتھ سے گر پڑتی ہے۔ اور اُلٹے قدم کانپتا ہوا لوٹ آتا ہے۔)

شمر۔ کیوں تمھیں کیا ہوگیا ہے؟

قیس۔ یہ حسینؑ نہیں خود رسول پاکؐ ہیں۔ رُعب سے میرے ہوش غائب ہوگئے۔ یا خدا جہنم کی آگ میں نہ جلائیو۔

شمر۔ ان کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔ تم سب دل کے بودے ہو۔

(تلوار لے کر حضرت حسینؑ کے سینہ پر چڑھ بیٹھتا ہے)

حسینؑ۔ (آنکھیں کھولتے ہیں اور اِس کی طرف دیکھتے ہیں۔)

شمر۔ میں اُن بُزدلوں میں نہیں ہوں، جو تمھاری نگاہوں سے دہل اُٹھتے ہیں۔

حسینؑ۔ تو کون ہے؟

شمر۔ میرا نام شمر ہے۔

حسینؑ۔ مجھے پہچانتا ہے؟

شمر۔ خوب پہچانتا ہوں۔ تم علیؑ اور فاطمہؓ کے بیٹے اور محمدؐ کے نواسے ہو۔

حسینؑ۔ یہ جان کر بھی تو مجھے قتل کرتا ہے؟

شمر۔ مجھے جنت سے جاگیریں زیادہ پیاری ہیں۔

سعد۔ (روتا ہوا) شمر، زیاد سے کہہ دینا مجھے رَے کی جاگیر سے معاف کریں۔ شاید اَب بھی نجات ہوجائے۔

(اپنے سینہ میں نیزہ چُبھا لیتا ہے۔ اور بے جان ہوکر گر پڑتا ہے۔ کتنے ہی سپاہی ہاتھوں سے مُنھ چھپاکر رونے لگتے ہیں۔ اور خیموں سے رونے کی آوازیں آنے لگتی ہیں)

ختم شد ۔

روحانی شادی

افرادِ ڈرامہ

۱۔ مِس جنی	
۲۔ مسز گارڈن	جنی کی ماں
۳۔ ولیم	ایک نوجوان جنی سے شادی کرنے کا خواہشمند
۴۔ اُما	جنی کی سہیلی
۵۔ یوگراج	اُما کا شوہر

پہلا منظر

ایک بنگلہ نما مکان۔ سامنے کھپریل کا برآمدہ۔ برآمدے میں دو مونڈھے بے ترتیب پڑے ہوئے ہیں۔ برآمدے کے پیچھے تین دروازوں کا ایک کمرہ۔ کمرے کے دونوں بازوؤں پر دوچھوٹے چھوٹے حجرے ہیں۔ کمرے میں دری کا فرش جو جا بجا سے پھٹی ہوئی ہے۔ فرش پر وسط میں ایک چائے کی میز ہے۔جس پر سفید میزپوش پڑا ہوا ہے اس پر ایک گلدستہ رکھا ہے۔ جس کے پھول خشک ہوگئے ہیں؟ میزکے چاروں طرف چاربیت کی تکیہ دار چوکیاں ہیں۔ دیواروں پر کئی عیسائی مذہب کی پُرانی گرد آلود تصویریں ہیں۔ ایک جانب ایک سالِ رواں کا کیلنڈر ہے۔ داہنے حجرے میں دوبیت کے ٹوٹے ہوئے کوچ ہیں۔ جو غالبًا نیلام میں لیے گئے ہیں۔ بائیں جانب والے حجرے میں ایک کُرسی اور پیانو ہے۔ کمرے کی پشت کی دیوار میں ایک دروازہ ہے۔ جس سے مکان کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اندر ایک چھوٹا سا صحن ہے۔ جس میں پانی کا نل، مرغیوں کا دڑبہ اور لکڑیوں کا انبار ہے۔ ایک جانب باورچی خانہ ہے۔ دوسری جانب غسل خانہ۔ کمرے کے تمام دروازوں پر میلے پردے پڑے ہوئے ہیں۔

شام کا وقت ہے۔ اپریل کا مہینہ۔ بائیں حجرے میں مِس جنی پیانو پر بیٹھی گارہی ہے۔ اِس کا سِن اٹھارہ اُنیس سال کا ہوگا۔ خوبصورت کتابی چہرہ بڑی بڑی آنکھیں۔ گورا رنگ۔ لمبی ناک۔ کٹے ہوئے بال۔ سکرٹ پہنے ہوئے۔ بُود و باش سے ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی معمولی حیثیت عیسائی خاندان ہے۔

مِس جنی گاتی ہے۔ ”کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمھیں یاد ہوکہ نہ یاد ہو۔“

(اس کی ماں مسز گارڈن اندرسے آنکھیں ملتی آتی ہے۔ وہ اُدھیڑ عمر کی عورت ہے۔ گوری۔ فربہ اندام۔ مگر چہرہ متفکر۔ سرکے بال کھچڑی۔ بالوں کا جُوڑا بندھا ہوا ہے)

مسز گارڈن۔”ولیم آتا ہوگا تو ابھی یوں ہی بیٹھی ہوئی ہے۔ سیر کرنے جائے گی یا نہیں؟“

جنی۔ ''جی نہیں چاہتا۔ آپ نے خواہ مخواہ انھیں بلایا۔''

مسز گارڈن۔ ''میں نے خواہ مخواہ بلایا؟''

جنی۔ ''ہاں اور کیا۔ میں نے کہہ دیا میری طبیعت ان سے نہیں ملتی۔ مگر آپ ہیں کہ ان کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔''

مسز گارڈن۔ ''تم تو بیٹی کبھی کبھی ایسی باتیں کرنے لگتی ہو، گویا تمھیں گھر کا حال معلوم نہیں ہے۔ آخر ولیم میں کیا عیب ہے۔ ذرا سنوں۔ یا یہ بھی کوئی ضد ہے کہ میری طبیعت ان سے نہیں ملتی۔ وجیہہ خوش رو، توانا آدمی ہے، بہت ہی ہنس مکھ، نہایت ہی شائستہ مزاج، بڑا نیک چلن، سب سے بڑی بات یہ کہ چار پیسے کماتا ہے۔ گھر میں کچھ جائداد بھی ہے۔ مانا تعلیم اُونچی نہیں پائی۔ لیکن ہزاروں سے اچھا ہے۔ میں سچ کہتی ہوں کہ بوڑھی نہ ہوتی تو اس سے ضرور شادی کرلیتی۔ مرد میں جتنے اوصاف دیکھے جاتے ہیں، وہ سب اِس میں کم و بیش موجود ہیں۔ ہاں فیشن ایبل نہیں ہے۔ سیدھا سادہ منکسر مزاج آدمی ہے۔ شاعری نہیں سمجھتا۔ مگر فارغ البال تو ہے۔ ایسے ہی آدمیوں کے ساتھ آرام سے زندگی بسر ہوتی ہے۔ رنگین مزاج چھبیلے محض تفریح کے لیے ہیں۔ شوہر بنانے کے قابل نہیں۔ تمھارے پاپا کو گزرے آج پانچواں سال ہے۔ ہاتھ میں جو کچھ تھا۔ سب نکل گیا۔ تیرے میوزک کے سبقوں سے مکان کے کرایہ کے سوا اور کیا آتا ہے۔ خانہ داری کے اور ہزاروں اخراجات ہیں۔ وہ کہاں سے آئیں۔ مانا تو گریجویٹ ہوگئی۔ لیکن ایسی کون سی بڑی نوکری تجھے ملی جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ سو روپئے کی۔ تیرے پاپا پانچ سو ماہوار لاتے تھے۔ تب گزر ہوتی تھی۔ ولیم کی آمدنی چارسو سے کم نہیں۔ پھر یہ اچھا بھی تو نہیں معلوم ہوتا کہ عورت اپنی معاش کے لیے نوکری کرے۔ بعض عورتیں کرتی ہیں۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتی۔ مجھے خود سو روپئے کی جگہ ملتی تھی مگر تیرے پاپا راضی نہ ہوئے۔

جنی۔ ''میں تو آپ سے عرض کرچکی ہوں۔ میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

مسز گارڈن۔ ''آخر کیوں؟ یہ ہی تو پوچھتی ہوں۔''

جنی۔ ''اس لیے کہ میں کسی مرد کی غلامی پسند نہیں کرتی۔''

مسز گارڈن۔ ''شادی کرنا غلامی ہے؟ سب عورتیں جو شادی کرچکی ہیں غلام ہیں؟''

جنی۔ ''غلام نہیں تو اور کیا ہیں؟ رانیاں ہیں وہ بھی غلام ہیں۔ باندیاں ہیں وہ بھی غلام ہیں۔ مرد کی دُنیا وہ ہے جہاں تہذیب ہے، روشنی ہے، دولت ہے، عزّت ہے، شہرت ہے۔ عورت کی دُنیا وہ ہے جہاں پسنا اور گھٹنا اور کڑھنا ہے۔ ہرکام میں عورت مرد کی جواب دہ ہے۔ اگر اُس نے اپنی ضرورتوں پر پانچ روپئے زیادہ خرچ کردیئے تو مرد کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اگر اس کا ناشتہ ذرا دیر میں تیار ہوا تو بیوی کے سر آفت آگئی۔ اگر وہ کسی سہیلی کے گھر دن بھر کے لیے رُک گئی۔ تو مرد اس کے خون کا پیاسا ہوگیا۔ اگر کسی مرد سے ہنس کر بولی تو پھر سمجھ لو کہ بچاری کی زندگی محال ہے۔ دکھانے کو مرد بیوی کی بڑی تعظیم کرتاہے۔ موٹر پر اچھی جگہ عورت کی ہے۔ سلام پہلے مرد کرتا ہے۔ عورت کا اوورکوٹ مرد سنبھالتا ہے۔ لیکن یہ سب نمائشی اخلاق ہے۔ مرد دل میں خوب سمجھتا ہے، میں نے عورت کی اس چیز پر تصرف کرلیا ہے، جس کی تلافی ہر ممکن ظاہرداری سے کرنی چاہیے۔ اور وہ چیز عورت کی آزادی ہے۔

مسز گارڈن۔ ''تیرے خیالات بڑے عجیب ہیں جنی۔''

جنی۔ ''عجیب نہیں ہیں واقعی ہیں۔ ہم اپنے ٹامی کی کتنی خاطر کرتے ہیں۔ اسے گود میں بٹھاتے ہیں۔ اس کا مُنہ چومتے ہیں۔ اسے صابون سے نہلاتے ہیں۔ لیکن ان ساری نازبرداریوں میں بھی کیا ہمارے دل میں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ ہمارا کتا ہے؟ اس نے ہماری مرضی کے خلاف ذرا بھی کوئی حرکت کی۔ اورہم اس کے ہنٹر جمائیں گے۔ مرد شادی کرکے عورت کا آقا ہوجاتا ہے۔ عورت شادی کرکے مرد کی لونڈی بن جاتی ہے۔ اگر وہ مرد کی نازبرداری کرتی رہے۔ اس کے اشاروں پر ناچتی رہے۔ تو اس کے لیے روپئے ہیں، زیورات ہیں، نفیس کپڑے ہیں۔ اس پر جان چھڑکی جاتی ہے دل نثار کیا جاتا ہے۔ لیکن اس نے ذرا بھی خودداری کا اظہار کیا۔ ذرا بھی آزادی برتی۔ بس وہ گردن زدنی ہے۔ مرد اسے کسی طرح معاف نہیں کرسکتا لیکن مرد کتنا ہی نفس پرور ہو۔ عورت زبان نہیں ہلا سکتی۔ عورت کا فرض ہے کہ مرد کو اپنا خدا سمجھے۔ میں یہ برداشت نہیں کرسکتی۔''

مسز گارڈن۔ (لاجواب ہو کر مایوسانہ اندازسے) "تو گزارے کی کیا صورت ہوگی؟"

جنی۔ "میں اس کی فکر میں ہوں۔ اگر تقدیر نے یاوری کی تو دکھا دوں گی کہ میں جتنا کما سکتی ہوں۔ ولیم اس کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

اس کی سہیلی اُما کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ یہ نہایت نازک اندام عورت ہے۔ جس کی مانگ کا سیندور اور پیشانی کا ٹیکہ بتلا رہاہے کہ اس کی شادی ہوچکی ہے۔ اس کی بھری ہوئی کلائیوں میں جڑاؤ کنگن ہے۔ گلے میں مُرصّع ہار۔ نہایت نفیس بنارسی ساڑھی زیب تن ہے۔ بہت ہی خندہ رُو اور شگفتہ مزاج۔ گویا دُنیا میں اس کے لیے بہار ہی بہار ہے پھول ہی پھول ہیں۔"

جنی۔ (کرسی پر بیٹھے بیٹھے) "میں پہلے کُرسی سے اُٹھ کر تمھاری تعظیم کرتی تھی۔ لیکن آج نہ اُٹھوں گی۔ میری نگاہ میں تم اب وہ نہیں رہیں۔ جو پہلے تھیں۔ تم مجھ سے مُبارک باد کی مستحق نہیں۔"

اُما۔ (مُسکراتی ہوئی) "کیوں! کیا میں کچھ اور ہوگئی ؟"

جنی۔ "بیشک۔ پہلے تم آزاد عورت تھیں۔ اب تم ایک مرد کی غلام ہو۔"

اُما۔ (ہنس کر) "لیکن تمھاری سہیلی تو ہوں۔ تمھارے ساتھ پڑھا ہے تمھارے ساتھ کھیلی ہوں۔ اگر میں اپنے رُتبہ سے گر گئی ہوں۔ تب تو تمھیں اور میری تعظیم کرنی چاہیے۔ تاکہ مجھے ملال نہ ہو۔"

جنی۔ "اگر تمھارے اوپر خدانخواستہ کوئی مصیبت آگئی ہوتی۔ تو میں تمھارے تلوے سہلاتی۔ لیکن تم نے دیدہ دانستہ حماقت کی ہے۔ اپنی رُوح کو اپنی آزادی کو۔ سونے اور ریشم پر بیچا ہے۔ میں اِسے معاف نہیں کر سکتی۔"

اُما ۔ (قہقہہ مار کر) "اچھا ایمان کی کہنا۔ میں پہلے سے زیادہ حسین نہیں معلوم ہو رہی ہوں؟"

جنی۔ "اپنے آقا کی نظروں میں حسین ہوگئی ہوگی۔ مگر میری نظروں میں تو تم مکروہ ہوگئی ہو۔"

اُما۔ "دیکھو یہ کنگن کتنا باریک کام ہے۔"

جنی۔ "غلامی کی ہتھکڑی ہے۔"

اُما۔ "یہ ہار دیکھو۔ ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔"

جنی۔ ''غلامی کا طوق ہے۔''

اُما۔ (چیں بہ جبیں ہوکر) ''جسے تم غلامی کی ہتھکڑی اور غلامی کا طوق کہتی ہو اُسے میں محبت کی اور فرض کی نشانیاں سمجھتی ہوں۔''

جنی۔ ''تو یہ نشانیاں یک طرفہ کیوں ہیں۔ تمھارے ہی لیے کیوں فرض اور محبت کا اعلان کرنا ضروری ہے۔ تمھارے شوہر کے لیے کیوں اِس کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ ان کے ہاتھ میں نہ چوڑیاں ہیں۔ نہ کنگن ہے نہ گلے میں ہار ہے نہ اس کے ماتھے پر سیندور کا ٹیکہ ہی نظر آتا ہے۔''

(اُما لاجواب ہوجاتی ہے اور چشم فریاد سے مسز گارڈن کی طرف دیکھتی ہے)

اُما۔ ''سنتی ہیں ماما آپ اِن کی باتیں۔''

مسز گارڈن۔ ''میں اِسے فتورِ عقل کہتی ہوں۔''

جنی۔ (فاتحانہ انداز سے) ''جواب دو نہ۔ کیوں تمھارے شوہر نے اپنے اوپر یہ پابندیاں نہیں عائد کیں؟ کیوں تمھارے لیے یہ قیدیں لازمی سمجھی گئیں فرض اور محبت کی یاد دہانی ان کے لیے بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ جتنی تمھارے لیے۔ اگر تمھیں فرض اور محبت کی یاد دلاتے رہنے کی لیے نشانی کی ضرورت ہے۔ تو ان کے لیے کیوں اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی؟ اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ ان پابندیوں کا غلام نہیں۔ یا یہ کہ تم اِن نشانیوں کے بغیر فرض اور محبت کے معیار سے گرجاؤگی۔ یعنی تم اخلاقاً کمزور ہو۔''

اُما۔ (ایک جواب پاکر) اگر مرد اپنے فرض کی طرف سے آنکھیں بند کرلے۔ تو کیا عورت بھی اس کی نقل کرے! اگر مرد اپنے عہد کی پابندی نہ کرے اپنی آتما کو بھول جائے۔ تو کیا عورت بھی گمراہ ہوجائے میرا خیال ہے کہ عورت خاندان کا زیادہ ضروری جزو ہے اور اس لیے اُسے پابندیوں کی زیادہ ضرورت ہے۔ اسی طرح جیسے شودروں کے لیے کسی نشانی کی ضرورت نہیں۔ لیکن اُونچی ذات والوں کے لیے زُنار ضروری چیز ہے۔

مسز گارڈن۔ ''تو اس محقق کے دماغ میں کوئی فتور ہوگا۔ مرد نے ہمیشہ عورت کی پرستش کی ہے۔اور اُسے زمین کے پردے پر جو قیمتی سے قیمتی شے ملتی تھی، وہ عورت پر نثار

کر دیتا تھا۔ اس کا صلہ عورت وفاداری اور کامل اعتماد کی صورت میں ادا کرتی تھی۔
جب مرد سے اُسے ہر طرح کا آرام اور فراغت ملتی تھی، تو وہ کیوں نہ اس کے نام
کی مالا جپتی۔ اور کیوں نہ اسے اپنا سب کچھ سمجھتی۔ اور کیوں نہ اس کی رضا کو سب
سے مقدم سمجھتی۔ عورت کو مرد نے جبر سے مُطیع نہیں کیا۔ بلکہ محبت سے۔ وہ
اپنے سورماؤں کے ساتھ اپنے گھر پر ڈاکہ ڈالنے نہیں بلکہ اس کا استقبال کرنے جاتا
تھا۔ تمھارا محقق آج کل کا کوئی سفریجٹ ہوگا۔ جسے مرد میں برائیاں ہی برائیاں نظر
آتی ہیں۔ لیکن قدرت نے دُنیا کا کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے کہ ایک کے بغیر
دوسرے کا کام نہیں چل سکتا۔ اگر ایسے مرد ہیں جو عورتوں پر ظلم کرتے ہیں تو
ایسی عورتیں بھی ہیں جو مردوں پر ظلم کرتی ہیں۔ یہ میں مان لوں گی کہ مرد اس
لحاظ سے زیادہ خطاوار ہے۔ لیکن اس کی ذمہ داری عورتوں کے سر ہے۔ جنھوں نے
آرام طلبی کے باعث جفاکشی سے پرہیز کیا۔ یا قدرتی رکاوٹوں کے باعث مردوں کے
برابر کام نہ کرسکیں۔ جس سے مردوں کو یہ غرور ہوگیا کہ وہ عورت کے لیے
روزی مہیا کرسکتے ہیں۔ اس لیے عورتوں پر حکومت کرنے کا اُنھیں حق ہے۔ جو مرد
مسرّت کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ وہ خوب سمجھتا ہے۔ عورت پر پورا اعتبار
اور اس کے ساتھ کمال محبت سے ہی یہ نعمت اُسے میسر آسکتی ہے۔ جو عورت
اطمینان کی زندگی چاہتی ہے۔ اس کے لیے یہی بہترین روّیہ ہے۔"

جنی۔ "تو آپ کا خیال ہے کہ مرد عورت کو برابر سمجھتا ہے۔ اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں
ڈالتا۔"

مسز گارڈن۔ "ہاں جو مرد زندگی کے صحیح معنی سمجھتا ہے۔ اس کا یہی وطیرہ ہوتا ہے۔ تعلیم
یافتہ جوڑوں میں اس کا خیال ہی نہیں آتا کہ کون چھوٹا ہے کون بڑا۔ بیوی سے
غلطی ہوئی میاں نے ڈانٹا۔ میاں سے غلطی ہوئی بیوی نے ڈانٹا۔ دونوں ہرحالت میں
متفق رہتے ہیں۔"

جنی۔ "تو آپ غالبًا یہ بھی خیال کرتی ہوں گی کہ مرد پارسا بھی ہوتا ہے۔"

مسز گارڈن۔ "نہیں میں یہ نہیں کہتی۔ نہ ہر مرد پارسا ہوتا ہے نہ ہر عورت دیوی ہوتی
ہے۔ لیکن مرد سے لغزش ہوجائے تو اس کے لیے عذر کی گنجائش ہے۔ عورت کے

لیے کوئی عذر نہیں ہے۔ پھر بھی زیادہ ترمرد سمجھتے ہیں کہ بدعہدی اور بے وفائی ان کی عافیت میں مخل ہوگی۔ اور اس لیے انھیں جبراً پارسا بننا پڑتا ہے۔"

اُما۔ (خوش ہوکر) "اب کہو جنی۔ ماما نے تمھاری زبان بند کردی یا نہیں؟"

جنی۔ "چہ خوش۔ ان خیالات سے میری زبان بند ہوجاتی تو اب تک میری شادی ولیم سے ہوگئی ہوتی۔ میں تو سمجھتی ہوں۔ کہ جن عورتوں میں کوئی شخصیت نہیں ہے۔ اپنے اوپر اعتماد نہیں۔ خودداری نہیں ہے۔ شادی انھیں کے لیے مخصوص ہے۔ جن میں حوصلہ ہے۔ شخصیت ہے۔ اپنے خیالات ہیں۔ جو گھر کی چار دیواری کے اندر نہیں۔ دُنیا کے وسیع میدان میں کچھ کام کرنا چاہتی ہیں۔ جنھیں نیک نامی اور شہرت کی تمنّا ہے۔ انھیں شادی سے دُور رہنا چاہیے۔ اپنی ہستی کو شوہر کی ہستی میں مدغم کر دینا اتنی بڑی قربانی ہے۔ جو میں نہیں کرسکتی۔"

(موٹر کی آواز آتی ہے)

اُما۔ "لو وہ حضرت آپہنچے۔ گھر سے نکلنا مشکل ہے۔"

(موٹر دروازے پر رُکتی ہے اور اس میں سے لالہ یوگراج اُتر کر اندر داخل ہوتے ہیں۔ اُما شوہر کا تعارف کراتی ہے)

یوگراج (اُما سے) "تم نے مجھ سے کیوں نہ کہا کہ مس گارڈن کے پاس جا رہی ہوں۔ ورنہ میں بھی تمھارے ساتھ آتا (جنی سے) آپ کی انھوں نے اتنی تعریفیں کیں کہ میں آپ کا نادیدہ مداح ہوگیا۔"

اُما۔ "تم نے اپنے دوستوں سے میرا تعارف کب کرایا۔"

یوگراج۔ "میرے دوستوں میں شاید ہی ایسا کوئی ہو۔ جو تمھیں دیکھ کر میرا دشمن نہ ہوجاتا۔ میرا خیال ہے یہ شکایت تمھیں اپنے دوستوں کی جانب سے نہ ہوگی۔"

اُما (شرارت آمیز نگاہ سے دیکھتی ہوئی) "آپ اپنے دوستوں میں جس کمزوری سے خائف ہیں۔ کیا آپ خود اس سے مستثنٰی ہیں۔"

یوگراج۔ (مسکراکر) "تھا تو نہیں۔ لیکن اب ہوگیا ہوں۔"

اُما۔ "میری یہ بہن کہتی ہیں۔ عورت شادی کرکے مرد کی غلام ہوجاتی ہے۔"

جنی ۔(شرمندہ ہوکر)"یہ موقع اس بحث کا نہیں ہے اُما۔ آپ ہمارے بہنوئی ہیں۔ آپ کی

کچھ خاطر کرنے دو۔ آپ کے لیے چائے بناؤں۔"

یوگراج۔ "جی نہیں۔ میں چائے پی چکا ہوں۔ آپ تکلیف نہ کریں۔"

(جنی ولیم کی اس تصویر کی طرف دیکھتی ہے۔ جو دیوار سے لٹک رہی ہے اور اوپر سے مُنہ پھیر لیتی ہے)

یوگراج۔ (حجرے میں پیانو دیکھ کر) "اچھا آپ کو پیانو کا بھی شوق ہے۔"

مسز گارڈن۔ "کوئی چیز سُنا جنی۔ بہت اچھا بجاتی ہے بابو جی۔"

یوگراج۔ "میں یہ کہنے کی جرأت کیسے کروں۔"

اُما۔ (بدگمانی کے انداز سے) "مگر دیر بھی تو ہو رہی ہے۔"

مسز گارڈن۔ "ابھی کیا دیر ہو رہی ہے۔ بیٹی تمھیں آئے آدھ گھنٹہ بھی تو نہیں ہوا۔ ایسے موقعے کہاں آتے ہیں۔ پھر نہ جانے آپ سے ملاقات ہو یا نہ ہو۔"

جنی۔ "میرا بجانا سُن کر آپ ہنسیں گے۔"

یوگراج۔ "میں آپ کی تعریف سُن چُکا ہوں۔ اس حیلہ سے آپ مجھے......

اُما (بے صبری سے) "بھئی دیر ہو تو میں ذمہ دار نہیں۔ میں نے اماں سے کہا بھی نہیں اور چلی آئی۔ وہ مُجھ پر ناراض ہونے لگیں گی۔"

مسز گارڈن۔ "ذرا دیر بیٹھ بھی جاؤ۔ بیٹی اماں سے کہہ دینا۔ جنی نے روک لیا۔ آخر ہم اپنے مہمان کی خاطر کیا کریں۔ ہم اور ہیں ہی کس قابل۔"

یوگراج۔ "نہیں مسز گارڈن آج معاف رکھیے۔ اب یہ ذمہ داری مجھ پر آجائے گی۔"

(دونوں ہاتھ ملاکر رخصت ہوجاتے ہیں)

مسز گارڈن۔ "بڑے اخلاق کا لڑکا ہے۔"

جنی۔ "ایک یہ بھی آدمی ہیں۔ ایک آپ کے مسٹر ڈگلس ولیم ہیں۔ صورت سے دہقانیت برستی ہے۔"

مسز گارڈن۔ "سب انسان کیا ایک سے ہوتے ہیں۔ ولیم کا باپ ریلوے کا گارڈ تھا۔ ان لوگوں میں خاندانی شرافت ہے۔"

جنی۔ "اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اس سے شادی کرلوں!"

مسز گارڈن۔ "اُما کے فادر نے تھیلیاں نہیں خرچ کیں۔"

جنی۔ ”اسی لیے تو میں نے طے کرلیا ہے۔ کہ شادی نہ کروں گی۔ تم نے دیکھا اُما کتنی جلی جاتی تھی۔“

مسز گارڈن۔ ”ابھی نئی محبت ہے نہ۔ مگر دیکھ لینا۔ ان دونوں میں بہت دن پٹے گی نہیں۔ یوگراج صحبت یافتہ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اُما الھڑ چھوکری ہے۔ وہ اس کی سخت گیریوں سے سال چھ مہینے میں تنگ آجائے گا۔“

جنی۔ ”اُما بڑی نازک طبع ہے اس کی جان پر گزر جائے گی۔“

مسز گارڈن۔ ”کچھ بھی ہو۔“

جنی۔ ”اتنے سنگ دل ہوجائیں گے!“

مسز گارڈن۔ ”وہ اسے ہرگز برداشت نہ کرے گا۔ کوئی اِس کے گلے میں رسّی ڈال کر پھرائے۔“

جنی پھر پیانو پر بیٹھ کر گانے لگتی ہے۔

”کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا۔ تمھیں یاد ہوکہ نہ یاد ہو۔“

...... پردہ ......

دوسرا منظر

(وہی مکان، اندر کا باورچی خانہ، ولیم ایک بیت کے شکستہ مونڈھے پر بیٹھا ہوا ہے۔ مسز گارڈن پتیلی میں کچھ پکا رہی ہے۔ ولیم بڑا قوی ہیکل، دہقان صورت، غیر فیشن ایبل، پکّے رنگ کا آدمی ہے، بڑی بڑی مونچھیں چوڑا سینہ فوجی جوان معلوم ہوتا ہے۔)

مسز گارڈن۔ "تم نے کبھی پروپوز بھی کیا یا یوں ہی سمجھ لیا کہ وہ انکار کردے گی۔"

ولیم۔ "میری ہمت نہیں پڑتی۔ کروں کیا۔ عورت کے روبرو مرد اِتنا بزدل ہوجاتا ہے۔ یہ تجربہ مجھے اب ہوا۔"

مسز گارڈن۔ "ایسے بُزدل کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ تم تاکتے ہی رہ جاؤ گے۔ اور کوئی دوسرا آدمی آکودے گا۔"

ولیم۔ "اس کا تو مجھے خوف نہیں ہے۔ اس کا اور اپنا خون ایک کردوں گا۔ میں چاہے جنی کو نہ پاسکوں۔ مگر کوئی دوسرا ہرگز نہیں پاسکتا۔"

مسز گارڈن۔ "پھر وہی اُجڈپن کی بات۔ ارے تُو پروپوز کیوں نہیں کرتا بھائی۔"

ولیم۔ "کیسے پروپوز کروں۔ یہی فن تو مجھے نہیں آتا۔ کئی کتابیں دیکھیں کچھ صاف نہ کھُلا۔ آپ ہی کوئی ترکیب بتائیں۔"

مسز گارڈن۔ "کسی پارک وارک میں لے جاؤ۔ وہاں پروپوز کرو اور میں کیا بتاؤں۔"

ولیم۔ "وہ میرے ساتھ جب کہیں جاتی بھی ہے میری صورت دیکھتے ہی اس کے چہرے پر افسردگی چھا جاتی ہے۔ اگر کبھی خاطر سے بٹھائے۔ کچھ بات چیت کرے۔ تب تو میرا دل بڑھے۔"

مسز گارڈن۔ "اتنے دنوں سے تم یوں ہی خاک چھانتے رہے۔"

ولیم۔ "میری رسائی تو آپ ہی تک ہے۔"

مسز گارڈن۔ "تو کیا مجھ سے شادی کرے گا۔ نہ جانے تو کیسا نوجوان ہے۔ مرد ایک گھنٹہ

میں عورت سے بے تکلف ہوجاتا ہے تمھیں سال بھر سے زیادہ دوڑتے ہوگئے۔ اور ابھی الف بے کی نوبت نہیں آئی کچھ تم میں بُوتا ہو۔ تو میں بھی زور لگاؤں۔ آخر تم نے اسے اپنی طرف مائل کرنے کے لیے اب تک کیا کیا ترکیبیں کیں۔"

ولیم۔ "انگریزی بولنے کی مشق کر رہا ہوں۔ بہت کچھ کر بھی لی ہے بالکل انگریزوں کی طرح بولتا ہوں۔ کوئی سُنے تو سمجھے کہ انگریز بول رہا ہے۔ Awful bloody اَیسے لفظوں کا خوب استعمال کرتا ہوں۔"

مسز گارڈن۔ "یہ تمھیں خوب سُوجھی۔ جنی بہت اچھی انگریزی بولتی ہے۔"

ولیم۔ "پیانو بھی سیکھ لیا ہے۔"

مسز گارڈن۔ "سچ۔ تب تم نے بازی مارلی۔ جنی گانے میں ماہر ہے۔ میاں بیوی ایک ہی مذاق کے ہوں تو پھر کیا پوچھنا۔"

ولیم۔ "ابھی تو مِس جنی کے آنے میں دیر ہے۔ کہیے تو آپ کو کچھ سُناؤں؟"

مسز گارڈن۔ "ہاں ہاں ضرور میں شوق سے سُنوں گی۔"

(دونوں پیانو کے حجرے میں جاتے ہیں۔ ولیم ایک بے سُرا راگ الاپتا ہے)

مسز گارڈن۔ "لاحول ولاقوۃ۔ یہی ہے تمھارا گانا۔ خدا کے لیے کہیں جنی کے سامنے یہ حرکت نہ کر بیٹھنا۔ ورنہ اسے تمھاری صورت سے نفرت ہوجائے گی۔"

ولیم۔ "ابھی تو سیکھ رہا ہوں میڈم۔ کچھ دنوں میں دیکھیے گا۔ ٹینس بھی خوب کھیلنے لگوں گا۔ رات دن اسی کی مشق کرتا رہتا ہوں۔"

مسز گارڈن۔ "یہ بھی تمھیں خوب سُوجھی۔ جنی بہت اچھا کھیلتی ہے لیکن کہیں ٹینس بھی تو اسی طرح نہیں کھیلتے۔"

ولیم۔ "نہیں صاحب۔ وہ کس کس کے ہاتھ چلاتا ہوں کہ کسی کے لگ جائے تو وہیں دھرا رہ جائے۔"

مسز گارڈن۔ "یہ تو ٹینس کھیلنے کی کوئی تعریف نہ ہوئی۔"

ولیم۔ "مجھ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے نہیں بنتا۔ بس یہی سمجھ لیجیے کہ میں کھیلنے لگتا ہوں تو تماشا لگ جاتا ہے۔ میں نازک بدن عورتوں کی طرح پھٹ پھٹ گیند نہیں مارتا۔ مردانہ ہاتھ چلاتا ہوں۔ کیا مجال کہ میرے ساتھ کا کھلاڑی مجھ سے گیند چھین لے۔

جی میں نے ہاکی اور فٹ بال میں میڈل پایا ہے۔ ایسا ویسا کھلاڑی نہیں ہوں۔"

مسز گارڈن۔ "اچھا ذرا ریکٹ لے کر دکھاؤ تو۔ تم کیسے ہاتھ چلاتے ہو۔ مجھے تو خوف ہورہا ہے کہ کہیں تمھیں کھیلنا نہ آتا ہو۔"

(ولیم پیانو کے حجرے سے جنی کا ریکٹ اور گیند اُٹھا لاتا ہے۔ اور صحن میں کھڑا ہوکر فرضی حریف کے سامنے گیند سرو کرتا ہے۔ لیکن اس کا ہاتھ اتنے زور سے پڑتا ہے کہ گیند لاپتہ ہوجاتی ہے)

مسز گارڈن۔ "اجی رہنے بھی دو۔ یہ ٹینس نہیں گلی ڈنڈے کا ہاتھ ہے۔ خدا کے لیے کہیں جنی کے سامنے نہ کھیلنا۔ نہیں مفت کی بھد ہو۔"

ولیم۔ "ابھی تو مشق کررہا ہوں۔ دو چار دن میں دیکھیے گا۔ کیسا کھیلتا ہوں۔"

مسز گارڈن۔ "اچھا ٹینس سوٹ تو بنوا لیا ہے؟"

ولیم۔ "جی نہیں۔ کھیلنے میں مہارت ہوجائے تو بنواؤں۔"

مسز گارڈن۔ "شاباش۔ تو یہی فل بوٹ پہن کر مشق کرتے ہو۔"

ولیم۔ "وہ ہلکے ہلکے جوتے تو پیروں میں کچھ معلوم نہیں ہوتے ایسا خیال پڑتا ہے میں ننگے پاؤں ہوں۔"

مسز گارڈن۔ "جی نہیں۔ اس فل بوٹ کو دفتر کے لیے رکھیے ٹینس کے لیے آپ کو ہلکے ہلکے جوتے خریدنے پڑیں گے اور یہ جنگل سی مُونچھیں کیوں بڑھا رکھی ہیں۔ انھیں آج ہی صاف کرا ڈالو۔ وہ زمانہ دوسرا تھا جب عورتیں مرد کی مُونچھیں دیکھ کر خوش ہوتی تھیں۔ مثلاً مجھے مُنڈی ہوئی مونچھیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ لیکن اب زمانہ تبدیل ہوگیا ہے۔ اب عورت چاہتی ہے کہ مرد کا چہرہ صاف ہو۔ بال کا نشان تک نہ ہو۔"

ولیم۔ "تو کل ہی لیجیے۔ اس میں کون سے چھپن ٹکے کا خرچ ہے۔ ایسا صاف کردوں۔ جیسے دریا کنارے کا ریت۔"

مسز گارڈن۔ "اچھا کچھ ناچنا واچنا بھی سیکھا؟ یہ بھی ایک کمال ہے۔ جنی بہت اچھا ناچتی ہے۔"

ولیم۔ "جی ہاں۔ ناچنا تو مجھے پہلے ہی سے آتا ہے۔ کہیے تو دکھا دُوں۔"

مسز گارڈن۔ "ہاں ہاں ضرور دکھاؤ۔"

(ولیم وہیں بندروں کی طرح اچکنے لگتا ہے۔ اپنے جسم کو سنبھالنے میں اس کا چہرہ ایسا بگڑ جاتا ہے کہ مسز گارڈن کو بے اختیار ہنسی آجاتی ہے)

مسز گارڈن۔ "رہنے بھی دو۔ یہ آپ کا ناچ ہے جیسے بنیلا سؤر قلابازیاں کھائے۔ بھئی یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں۔ ابھی تم میں بڑی خامیاں ہیں۔ ان خامیوں کو دُور کرو۔ تب کلیجہ مضبوط کرکے ایک دن پروپوز کردو۔"

ولیم۔ "خامیاں تو میں دو چار دن میں پوری کرلوں گا۔ لیکن پروپوز کرنا ٹیڑھی کھیر ہے۔"

مسز گارڈن۔ "ذراسی شراب پی لینا۔ ہمت آجائے گی۔"

ولیم۔ "ایسا نہ ہوکہ بہکنے لگوں۔"

مسز گارڈن۔ "اجی نہیں تھوڑی پینا اور اچھی قسم کی پینا۔ نہیں تو مُنہ سے بدبو آئے گی۔ بات چیت ذرا تہذیب سے کیا کرو۔ وضع لباس میں بھی کچھ نفاست ہونی چاہیے۔ ٹائی اور کالر ریشمی لے لو۔ کوٹ کے کاج میں ایک آدھ گلاب کا پھول لگا لیا کرو۔ یہ موٹا سوٹا لیڈیوں کو پسند نہیں۔ ہلکی سی سُبک خوبصورت چھڑی رکھو۔ یہ ڈبیا سی واچ اور زنجیر سی چین جو لگا رکھی ہے۔ اسے الگ کرو۔ خوبصورت گھڑی کلائی پر باندھو۔ تمھارے گھر میں کتنے نوکر ہیں؟"

ولیم ۔"نوکروں کی مجھے ضرورت ہی کیا ہے۔ ایک بوڑھی ماما ہے۔ وہ کھانا پکا دیتی ہے۔ دونوں وقت صبح کو گوالا تازہ دُودھ لاتا ہے۔ دوسیر پی جاتا ہوں۔ اور اپنے کام میں خود ہی کرلیتا ہوں۔"

مسز گارڈن۔ "اگر تمھاری یہی روش ہے تو جنی سے ہاتھ دھو رکھو۔ وہ دہقان شوہر نہیں۔ جنٹلمین شوہر چاہتی ہے۔"

ولیم۔ "تو کیا آپ مجھے کمینہ سمجھتی ہیں۔ مجھے اپنی سادہ زندگی پر فخر ہے۔ اگر اِسے دہقانیت کہتے ہیں۔ تو مجھے اِس کی پرواہ نہیں۔"

مسز گارڈن۔ "نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے بھئی۔ لیکن تمھیں کچھ تو اپنے درجے کا خیال کرنا پڑے گا۔ کچھ نہ ہو تو ایک بیرا، ایک خانساماں، باورچی، دھوبی، مہتر، باغبان۔ ان کا ہونا تو لازم ہی ہے۔ اور کیسے معلوم ہوگا کہ تم صاحب ہو۔ محض ہیٹ لگانے سے

کوئی صاحب نہیں ہوجاتا ہے۔ گھر میں کچھ تصویریں ہیں!"

ولیم۔ "جی ہاں اخباروں میں جو اچھی تصویر نظر آجاتی ہے۔ اسے پھاڑکر فریم کرا لیتا ہوں۔"

مسز گارڈن۔ "شاباش! تب تو تم آرٹ کے بڑے قدردان ہو۔ ارے صاحب اچھے آرٹسٹوں کی دس پانچ تصویریں کمرے میں لگائیے۔ جنٹلمین بننا خالہ جان کا گھر نہیں ہے۔ اچھا کبھی سینما دیکھنے جاتے ہو؟"

ولیم۔ "وہاں جاکر نیند کون خراب کرے۔ مجھے تو بالکل مزہ نہیں آتا۔"

مسز گارڈن۔ "پھر بھی تم دہقان کے نام سے بگڑتے ہو۔ جنٹلمین روزانہ سینما دیکھتا ہے۔ دعوتیں کھلاتا ہے۔ تب جاکر اس کا وقار ہوتا ہے۔"

(جنی کی آہٹ ہوتی ہے۔ ولیم عقب کے دروازے کی طرف بدحواس بھاگتا ہے)

مسز گارڈن۔ "کیوں کیوں۔ جنی سے ملوگے یا نہیں؟"

ولیم۔ "نہیں ماما۔ اب نئے سوٹ بنوا لوں تب آؤں گا۔"

(چلا جاتا ہے)

جنی۔ "آج اُما رخصت ہوگئی۔ بہت روتی تھی میرے گلے لپٹ گئی۔ مجھے بھی رونا آگیا۔ اب بچاری نہ جانے کب آئے گی۔"

مسز گارڈن۔ "ان لوگوں میں رونے کا بڑا بُرا رواج ہے۔"

جنی۔ "کیا جانے ماما۔ مجھے تو خود رونا آرہا تھا۔ میں تمھیں چھوڑکر کہیں جانے لگوں، تو مجھے بھی ضرور رونا آئے۔ یوگراج ایک فلم کمپنی کا ڈائرکٹر ہے۔ اماں ڈیڑھ ہزار تنخواہ پاتا ہے۔ اور نفع الگ۔"

مسز گارڈن۔ "اچھا! مگر ابھی عمر کچھ نہیں ہے۔"

جنی۔ "امریکہ اور انگلینڈ ہو آیا ہے۔ اماں۔ وہاں ہوتا تو اب تک اُسے چار پانچ ہزار ملتے ہوتے۔ اُما واقعی خوش نصیب ہے۔ مجھے بھی اپنی کمپنی کا سٹار بنانے کو کہتا ہے۔ شروع میں پانچ سو تنخواہ ملے گی۔"

مسز گارڈن۔ (بیٹی کو گلے لگاکر) "سچ کہنا۔"

جنی۔ "بالکل سچ۔ وہ تو مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اصرار کررہے تھے۔ میں نے حیلے کرکے جان بچائی۔ پانچ سو کا چک تیاریوں کے لیے دے گئے ہیں۔"

مسز گارڈن۔ "خدا کا شکر ہے۔ بڑا شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔"
جنی۔ (سر جھکا کر) "اگر اُما سہیلی نہ ہوتی اور مجھ سے اتنی محبت نہ کرتی ہوتی تو میں ایک بار اپنی تقدیر آزماتی۔"
مسز گارڈن۔ "کیا کہتی ہے بیٹی؟ بیاہے ہوئے مرد کے ساتھ!"
جنی۔ "شادی بیاہ بچوں کا کھیل ہے ماما۔ محض مرد و عورت کا باہمی سمجھوتہ اس میں مذہب کو گھسیٹنا حماقت ہے۔" میں شکل و صورت میں اُما جیسی نہ ہوں۔ مگر یوگراج جیسے آدمی کو جتنا میں خوش رکھ سکتی تھی۔ وہ ہرگز نہیں رکھ سکتی، کاش شادی سے پہلے میری ان سے ملاقات ہوجاتی۔"

(ماں حیرت سے جنی کا مُنہ دیکھتی ہے)

...... پردہ ......

تیسرا منظر

(صبح کا وقت۔ ایک بڑا بنگلہ۔ ایک سجے ہوئے کمرے میں اُما پلنگ پر پڑی ہوئی ہے۔ ایک عورت اس کے سر میں تیل ڈال رہی ہے۔ اُما کا چہرہ زرد ہے۔ اور جسم لاغر ہوگیا ہے۔ پلنگ کے بغل میں ایک قد آدم شیشہ لگا ہوا ہے۔ دوسری طرف دیوار میں اُما کی ایک پورے قد کی تصویر آویزاں ہے)

اُما۔ (آئینے کی طرف دیکھ کر) "چمپا۔ راجا کہیں گئے ہیں؟"

چمپا۔ ہاں بہو جی۔ تھوڑی دیر ہوئی موٹر پر کہیں گئے ہیں۔"

اُما۔ (کروٹ بدل کر اپنی تصویر کی طرف دیکھتی ہے) اِدھر کاہے کو آئے ہوں گے!"

چمپا۔ "نہیں دروازے پر تو آئے تھے۔ پردہ اُٹھا کر دیکھا مگر آپ سو رہی تھیں۔ جگایا نہیں۔"

اُما۔ (تصویر کی طرف دیکھتی ہوئی حسرت ناک لہجے میں) "کچھ میرے بارے میں تو نہ پوچھا ہوگا؟"

چمپا۔ "میں اُٹھ کر کھڑی ہوگئی تو مجھے ہاتھ سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور ذرا دیر چارپائی کے پاس کھڑے رہے پھر چلے گئے۔"

اُما۔ "پھر چلے گئے کہاں؟"

چمپا۔ "یہ تو میں نے نہیں پوچھا بہو جی۔"

اُما۔ "تو میرے پلنگ کے پاس آکر کھڑے ہوگئے۔ کیوں؟"

چمپا۔ "ہاں بہو جی۔"

اُما۔ "تو نے مجھے جگا کیوں نہ دیا۔ مگر اچھا کیا۔ میں جاگ جاتی تو انھیں بیٹھنا پڑتا اور انھیں دیر ہوجاتی۔ بیمار کے پاس بیٹھنے میں رنج ہی تو ہوتا ہے۔ اچھا کیا تونے مجھے نہیں جگایا۔ میری بیماری سے انھیں بڑی تکلیف ہورہی ہے۔ موت سے میں نہیں ڈرتی۔

چمپا لیکن بیماری خوف ناک چیز ہے۔ گھلاگھلاکر مارنا ستم ہے۔ اس زندگی سے کیا فائدہ کہ آدمی گھروالوں کی نظروں میں غبار ہوجائے۔ میری وہ صورت دیکھ (تصویر کی طرف اشارہ کرکے) معلوم ہوتا ہے وہ میری تصویر ہی نہیں ہے۔ موت سے میری ملاقات ہوجاتی تو میں کہتی کہ مارنا ہے تو یک بارگی مار ڈالو۔ گھلاتے کیوں ہو۔ یہ رات کو اتنا شور کہاں ہو رہا تھا چمپا؟"

چمپا۔ "مجھے تو معلوم نہیں ہے بہو جی۔ آپ کو دوا پلاکے میں سوگئی۔"

اُما۔ "نہیں راجا کے کمرے کی طرف سے آوازیں آرہی تھیں۔ کسی عورت کے گانے کی آواز تھی۔ (ایک منٹ خاموش رہ کر) آخر آدمی کسی طرح اپنا دل بہلائے گا ہی۔ بیمار کے ساتھ دوسرے بھی تو بیمار نہیں ہوسکتے۔ ان کی یہی کیا کم مہربانی ہے کہ بیمار کی مزاج پُرسی کرتے ہیں۔"

چمپا۔ "مجھے تو نہیں معلوم ہے بہو جی۔ آپ کو دوا پلاکے میں سوگئی۔"

اُما۔ "نہیں چمپا۔ اب میں دوا نہ پیوں گی۔ کیا فائدہ۔"

(موٹرکی آواز آتی ہے۔ اُما فوراً مُنہ ڈھانپ کر آنکھیں بندکر لیتی ہے۔

یوگراج لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ اندر آتا ہے۔)

یوگراج۔ (چمپا سے) "کیا ابھی اُٹھیں نہیں۔"

چمپا۔ "نہیں ابھی تو اُٹھیں تھیں۔ پھر سوگئیں۔"

یوگراج۔ "جگا کر کہہ دے۔ میم صاحب آئی ہیں۔"

(یوگراج کمرے کے باہر چلا جاتا ہے۔ اُما مُنہ کھول دیتی ہے)

لیڈی ڈاکٹر۔ "آج تو آپ کی طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے۔"

اُما۔ "ہوگی۔"

لیڈی۔ "مجھے خوف ہے کہ اب آپ کو کچھ دنوں کے لیے پہاڑ پر جانا پڑے گا۔"

اُما۔ "فضول ہے بس بن۔ میں صرف چندروز کی مہمان ہوں۔ چاہے یہاں مرنے دیجیے یا پہاڑ پر۔ یہاں کم سے کم اپنے عزیزوں کو مرنے سے پہلے دیکھ تو سکوں گی وہاں تو کسی سے ملاقات بھی نہ ہوگی۔"

لیڈی۔ "نہیں نہیں تم تو بہت جلد اچھی ہوجاؤگی اُما دیوی۔پہاڑوں سے سرخ ہوکر آؤگی۔

میں خود جا رہی ہوں۔ وہاں تمھیں اپنے ساتھ سیر کرنے لے جایا کروں گی۔ ایک مہینہ میں تمھارا ٹمپریچر نارمل ہوجائے گا۔ مسٹر یوگراج آج سول سرجن کے پاس گئے تھے وہ تمھیں میڈیکل کالج کے وارڈ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں سمجھتی ہوں اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ پہاڑ جانے کے سوا اور کوئی علاج نہیں ہے۔"

اُما۔ "اگر ان کی منشا ہے کہ میں وارڈ میں رہوں۔ تو آپ پہاڑ کے لیے کیوں اصرار کر رہی ہیں۔ وارڈ میں تو بڑے آرام سے رہوں گی۔ اب میں وہیں جاؤں گی۔ چمپا میرے بستر وغیرہ باندھ کر تیار کردے۔ یہاں میری وجہ سے سب کو تکلیف ہو رہی ہے۔ وہاں آرام سے اکیلی پڑی رہوں گی۔"

لیڈی۔ "نہیں میں تمھیں پہاڑ پر لے جاؤں گی۔ میں نے بابو جی سے کہہ دیا ہے۔ وہ دو ایک دن میں سارا انتظام کردیں گے۔ وہاں رہنے کا انتظام بھی ہوگیا ہے۔ جب تک وہاں نہیں پہنچتے تب تک یہی دوا پیے جاؤ۔"

(لیڈی ڈاکٹر اُما کا ٹمپریچر لیتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ یوگراج دروازے پر کھڑا ہے)

لیڈی۔ "اِن کی حالت خراب ہوتی جاتی ہے۔ وارڈ میں رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ پہاڑ پر لے چلنا ہوگا۔ میں نے سمجھا تھا۔ دواؤں سے فائدہ ہوجائے گا۔ لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹی۔بی کا آغاز ہے۔"

یوگراج۔ "یہ تو آپ نے بڑی خوف ناک خبر سنائی ۔ ٹی۔بی!"

لیڈی۔ "ہاں ٹی۔بی ہے اور آج میں صاف صاف کہتی ہوں۔ اِس کے ذمہ دار آپ اور صرف آپ ہیں۔ آپ ہی نے ان کی یہ گت بنائی ہے آپ سمجھ دار آدمی ہیں۔ دُنیا کی سیر کرچکے ہیں۔ کیا آپ کو عورتوں کے بارے میں موٹی موٹی باتوں کا بھی علم نہیں۔ شادی کی غرض و غایت کیا ہے۔ اسے خوب سمجھ کر آپ کو اس دائرہ میں قدم رکھنا چاہیے تھا۔ آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے تھا کہ شادی کا اصلی مقصد رُوحانی اتحاد ہے۔"

یوگراج۔ (نادم ہوکر) خدا کے لیے مجھے معاف کیجیے۔ میں آپ سے قسمیہ کہتا ہوں کہ میں ان معاملات سے بے خبر تھا۔"

لیڈی۔ "تو یہ کس کی خطا ہے اگر کوئی آدمی تیرنا نہ جانتے ہوئے بھی دریا میں کود پڑے تو

یہ کس کی خطا ہے۔ میں کہتی ہوں۔ کہ ایسی حالت میں آپ کو شادی کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ اُما کم سِن تھی۔ اپنے فعل کے نتائج کی اِسے خبر نہ تھی۔ شاید اس بارے میں نہ اس نے کبھی کچھ پڑھا نہ کسی سے بات چیت کی۔ وہ تو اتنا ہی جانتی تھی کہ آپ اِس کے آقا ہیں اور آپ کے ہر ارشاد کی تعمیل کرنا اس کا فرض ہے۔"

مجھ سے اس وقت مشورہ لیاگیا جب معاملہ سنگین ہوچکا تھا۔ آپ کو بھی ابھی کچھ محسوس نہ ہوتا ہو۔ لیکن جلد یا دیر میں اس کا اثر ہوگا۔ قدرت قانون شکنیوں کو معاف نہیں کرتی۔"

(یوگراج بے حس و حرکت بیٹھا رہتا ہے۔ جب لیڈی خان جانے لگتی ہیں تو وہ چونک کر کھڑا ہوجاتا ہے۔)

یوگراج۔ "لیڈی خان۔ خدا کے لیے انھیں کسی طرح بچائیے۔ میں عمر بھر آپ کی غلامی کروں گا۔ آپ مجھ سے میرا سب کچھ لے لیں۔ صرف اِنھیں بچالیں۔ مجھ پر رحم کیجیے۔"

لیڈی۔ "لالہ یوگراج بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ بچانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ میں اپنے امکان بھر کوشش کروں گی۔ یہ میرا فرض ہے۔ لیکن تم نے وہی حماقت کی جو تمھارے اکثر بھائی کیا کرتے ہیں۔ وہ جو چاہیں کرسکتے ہیں۔ بیوی کچھ نہیں کرسکتی۔ وہ غریب انھیں خوش رکھنے کے لیے کچھ کہنے کی بھی جرأت نہیں کرسکتی۔ تپ دق اس کثرت سے نہ پھیلے تو کیا ہو۔ خیر ابھی مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں خدا بڑا کارساز ہے۔ آپ کل انھیں پہاڑ پر لے چلنے کے لیے تیار رہیے۔ میں اسٹیشن پر ملوں گی۔"

(لیڈی خان چلی جاتی ہے۔ یوگراج اُما کے کمرے میں آتا ہے)

اُما۔ لیڈی خان کیا کہتی تھی؟"

یوگراج۔ "کچھ نہیں ۔ وہی پہاڑ پر جانے کا ذکر تھا۔ کل یہاں سے چلنے کا فیصلہ ہوگیا ہے۔"

اُما۔ "کیوں۔ تم نے تو مجھے وارڈ میں رکھنے کا ارادہ کیاہے۔ پہاڑ پر شاید تمھیں تکلیف ہو۔ وہاں تفریح کے سامان کہاں ملیں گے۔ کیوں نہ مجھے وارڈ میں بھیج دو۔"

یوگراج۔ (رنجیدہ ہوکر) تمھارے خیال میں میں اتنا خودغرض، نفس پرور، سفلہ مزاج ہوں۔

اُما تمھاری تیمارداری میں مجھے تکلیف ہوگی۔ ایسے شکوک تمھارے دل میں کیوں پیدا ہوئے۔ میرا خیال تھا کہ ہم ایک دوسرے کے اتنے قریب ہوگئے ہیں۔ کہ اب ظاہرداریوں کی ضرورت نہیں رہی۔ میں تمھیں اس حالت میں ایک لمحہ بھر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس وقت بھی میں اپنے آنسوؤں کو کس طرح روکے ہوئے ہوں۔ یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ میں اپنے تئیں بڑے مضبوط دل کا آدمی سمجھتا تھا۔ مگر اب مجھے تجربہ ہوا۔ کہ میرا دل نہایت کمزور ہے۔ میں یہاں بغیر روئے بیٹھ نہیں سکتا۔ روتا ہوں اپنے کمرے میں بھی مگر اس کا اثر مجھ تک ہی رہتا ہے۔ یہاں روکر میں تمھارا دل ہی تو دُکھاؤں گا۔ رات ایک نئی ایکٹرس آگئی تھی۔ اس نے کچھ گانا سُنایا تھا۔ وہ گیت میں بارہا سُن چکا ہوں۔ لیکن کل ایسی رقّت آئی کہ میں بے اختیار رو پڑا۔ لوگوں نے کہا وارڈ میں نرسیں تیمارداری کرتی ہیں۔ یہی سوچ کر آج صبح گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ وہاں کوئی جگہ خالی نہیں ہے ہر دم ایک مایوسی سی دل پر چھائی رہتی ہے نہ جانے کیسے کیسے توہمات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔"

(وہ اُما کے پلنگ پر بیٹھ جاتا ہے اور اُما کی تصویر کی طرف دیکھتا ہوا رو پڑتا ہے۔ اُما اُس کے زانو پر سر رکھ دیتی ہے اور رومال سے اس کی آنکھیں پونچھتی ہوئی تشفی انگیز انداز سے کہتی ہے)

اُما۔ "میں پہاڑوں پر جاتے ہی اچھی ہوجاؤں گی۔ آج بھی میری طبیعت اور دنوں سے اچھی ہے۔ پہاڑوں کی آب و ہوا میرے لیے بہت موافق ہے۔ وہاں ہم تم صبح کی سنہری دُھوپ میں پہاڑوں کی سیر کریں گے۔ ذرا جاکر تھوڑے سے پان بنالا چمپا۔ آج پان کھانے کو جی چاہتا ہے اور دیکھ دوا کی شیشی بھی لیتی آنا۔"

(چمپا چلی جاتی ہے)

تمھیں یاد ہے کہ راجا آج ہماری شادی کی پہلی برس گانٹھ ہے۔ آج ہی کے دن تم میرے گھر گئے تھے۔ جوں ہی مجھے برات آنے کی خبر ملی۔ میں کوٹھے پر چڑھ کر تمھیں دیکھنے گئی تھی۔ تم مجھے نہیں دیکھ سکے پر میں نے تمھیں اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ کتنی جلد پورا ایک سال گزر گیا۔ آج میں اس کا جشن مناؤں گی۔ تم بھی دفتر نہ جانا۔ تم چلے جاتے ہو تو یہ گھر بالکل اچھا نہیں لگتا۔ آج تمھارے ساتھ خوب خوب باتیں کروں گی۔ اس کمرے

کو پھولوں سے سجاؤں گی۔ اور تمھیں گانا سناؤں گی۔ لیکن ہمیں پھولوں کو نہ توڑنا چاہیے۔ اپنی شاخوں پر کتنے خوش نما معلوم ہوتے ہیں۔ توڑنے سے مُرجھا جائیں گے۔

(چمپا کو پکارتی ہے)

چمپا پان بناکر میری وہ ساری نکال لانا۔ جو کشمیر سے منگوائی تھی۔ ایک بار بھی نہیں پہن سکی۔ آج اِسے پہنوں گی۔ دوسرے کپڑوں کی تہہ نہ بگاڑنا۔ ساری میں 'اگر' مل دینا آج راجا سے انعام لوں گی۔

(چمپا چلی جاتی ہے)

بتاؤ راجا آج مجھے کیا سوغات دوگے۔ کوئی ایسی چیز دینا کہ جی خوش ہوجائے۔"

یوگراج۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) "کیا لوگی اُما! میرے پاس جو کچھ ہے وہ تمھارا ہی ہے۔"

(اُما مسکراکر اُٹھ بیٹھتی ہے اور اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیتی ہے)

اُما۔ "جی نہیں۔ میں اِن باتوں میں نہیں آؤں گی۔ میں جو کچھ مانگوں گی وہ تمھیں دینا پڑے گا۔"

یوگراج۔ "تمھارے لیے میری جان حاضر ہے اُما۔"

اُما۔ "میں تم سے ایک قول مانگتی ہوں۔"

یوگراج۔ "یہ تم نے کچھ نہ مانگا۔"

اُما۔ "نہیں تم سے میں وہی قول مانگتی ہوں۔ اس سے مجھے جتنی مسرت ہوگی۔ اتنی اور کسی چیز سے نہیں ہوسکتی۔ وعدہ کرو کہ اگر میں مرجاؤں تو میری سہاگ کی ڈبیا پر تم دو پھول چڑھا دوگے۔ اسی سیندور نے تو مجھے تمھاری محبت کی نعمت عطا کی تھی۔ تمھیں چھوڑکر مجھے اس سے زیادہ دُنیا میں کوئی دوسری چیز اتنی پیاری نہیں۔ اِس کی یاد تازہ رکھنا۔"

(یوگراج مُنہ پھیرکر رومال آنکھوں پر رکھ لیتا ہے۔ اور آنسوؤں کو روکتا ہوا کمرے کے باہر چلا جاتا ہے۔ ایک منٹ تک وہ سامنے کے اشوک کے نیچے کھڑا ہوکر پھوٹ پھوٹ کر آنسوؤں کی تاب نہ لاکر وہیں دروازے پر رُک جاتا ہے۔)

...... پردہ ......

چوتھا منظر

(شام کا وقت۔ مِس جنی کا مکان۔ ولیم ٹینس سوٹ پہنے مونچھیں منڈائے
ایک ریکٹ لیے نشہ میں چُور آتا ہے)

مِس جنی۔ "آیئے آیئے آج تو آپ نے ایک نیا روپ بھرا ہے۔ مسٹر ولیم یہ کس احمق نے تم سے کہا کہ مونچھیں منڈا لو۔ بالکل زنانوں جیسے لگتے ہو۔ اپنے سر کی قسم تمھیں یہ کیا حماقت سوجھی۔ اچھی خاصی مونچھیں تھیں۔ منڈاکر صفا کر دیا۔ ذرا جاکر آئینہ میں اپنی صورت دیکھو۔ ایک تو ماشاء اللہ آپ یوں ہی بڑے خوشرو تھے۔ اس پر مونچھیں منڈا لیں۔ ہو بڑے گاؤدی۔"

(ولیم اپنی کُرسی جنی کے قریب کھینچ لاتا ہے اور کرسی سے کرسی ملاکر بیٹھ جاتا ہے)

ولیم۔ "مونچھیں اب فیشن کے خلاف ہیں۔ کوئی عورت مونچھیں پسند نہیں کرتی۔"

جنی۔ (مُنہ پھیرکر) "ارے تم نے شراب پی ہے کیا؟ لاحول ولاقوۃ اس قدر بدبو آرہی ہے۔ الگ بیٹھیے آپ۔ آج تمھیں ہوکیا گیاہے۔"

ولیم۔ (جنی کی طرف جُھک کر) "آج میرا دماغ عرشِ معلّٰی کی سیر کر رہا ہے۔ جنی میں وہ ولیم نہیں ہوں۔ کیونکہ آج میں اس زندگی کا خواب دیکھ رہا ہوں۔ جس پر ملائک بھی رشک کریں گے۔ آج مجھے وہ لازوال دولت ملنے والی ہے۔ جس پر ساری دُنیا قربان ہے۔ آج میری تقدیر پر خوش نصیبیاں نثار ہو رہی ہیں۔ آج میں تمھیں اپنی رفیقِ زندگی بننے کی دعوت دینے آیا ہوں۔ آج میں تمھیں پروپوز کرنے آیا ہوں۔"

(کرسی سے اُٹھ کر جنی کے پَیروں پر سر رکھ دیتا ہے)

دیکھو جنی خدا کے لیے انکار مت کرنا۔ بولو میری درخواست منظور ہے؟ تمھاری زبان کے ایک لفظ پر میری قسمت کا دارو مدار ہے۔ اگر "ہاں" کہتی ہو تو مجھ سے زیادہ خوش نصیب دنیا میں کوئی نہیں ۔ نہیں کہتی ہو تو میری زندگی کا خاتمہ سمجھو۔ اگر مُنڈی ہوئی

مونچھیں تمھیں پسند نہیں ہیں۔ تو پھر مونچھیں رکھ لوں گا۔ یہ کون سی بڑی بات ہے دیکھو آج یہ ٹینس سوٹ بنوایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ مجھے بدنما نہیں معلوم ہوتا۔"

جنی۔ "ہرگز نہیں۔ چشم بد دُور۔ یوسف ثانی معلوم ہوتے ہو۔"

ولیم (اکڑکر) "میں نے ٹینس کی اچھی مشق کرلی ہے۔"

جنی۔ "سچ۔"

ولیم۔ "اپنے سر کی قسم اور پیانو بھی خوب بجا لیتا ہوں۔"

جنی۔ "اوہو تب تو تم جامع کمالات ہوگئے۔"

ولیم۔ "ناچنے کی بھی مشق کرلی ہے۔"

جنی۔ "واللہ! تب تو کوئی وجہ نہیں کہ میں تم سے شادی نہ کرلوں۔"

ولیم۔ "وہ میری زندگی کا سب سے مبارک دن ہوگا۔"

جنی۔ "اچھا تو آؤ ہماری تمھاری شرطیں طے ہوجائیں۔"

ولیم۔ "سب کچھ چرچ میں ہوجائے گا جنی۔ اوہو جس وقت میں تمھیں آنسر کی طرف لے چلوں گا۔ تم ریشمی گاؤن پہنے پھولوں سے سجی۔ ہاتھ میں گلدستے لیے اپنی سہیلیوں کے ساتھ میرے کندھے پر سر رکھے چلوگی۔ وہ کتنا دلچسپ نظارہ ہوگا۔ سارا ہال مہمانوں سے بھرا ہوگا۔ سب ہمیں مبارک باد دیں گے۔"

جنی۔ "مگر مجھے چرچ کے سوانگ سے نفرت ہے۔"

ولیم۔ (تعجب سے) "تو پھر اور کیسے شادی ہوگی جنی؟"

جنی۔ "تم میری شرطیں مان لو۔ میں تمھاری شرطیں مان لوں۔ بس شادی ہوگئی۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ کہ پادری آئے مہمان جمع ہوں۔ رسمیں ادا ہوں۔ دعوتیں دی جائیں مجھے یہ لغویت منظور نہیں۔ بولو میری شرطیں منظور کرتے ہو۔ شادی کوئی مذہبی رسم نہیں۔ محض باہمی معاہدہ ہے۔"

ولیم۔ (مایوسانہ لہجے میں) "تمھاری کیا شرطیں ہیں جنی۔"

جنی۔ "میری پہلی شرط یہ ہوگی کہ جس دن سے میں تمھیں کسی دوسری عورت کی طرف گھورتے یا اس سے ہنس کر باتیں کرتے دیکھوں۔ اسی دن تمھیں گھر سے نکال دُوں۔"

ولیم۔ ''منظور ہے بسروچشم منظور ہے۔''

جنی۔ ''میری دوسری شرط یہ ہوگی کہ شادی کے بعد بھی تم میری آزادی میں دخل نہ دوگے۔ مجھے اختیار ہوگا۔ جس سے چاہوں۔ ہنسوں بولوں جہاں چاہوں آؤں جاؤں جس سے چاہوں محبت کروں۔ بولو منظور کرتے ہو۔''

ولیم۔ ''یہ کیسے ممکن ہے جنی۔ تم مذاق کرتی ہو اس وقت اگر کوئی مرد تمھاری طرف آنکھیں بھی اُٹھائے تو اس کا خون پی جاؤں۔ کھودکر زمین میں دفن کردوں۔ زندہ نگل جاؤں مجال ہے کوئی تمھاری طرف دیکھ سکے۔''

جنی۔ ''تو پھر ہماری شادی نہیں ہوسکتی۔ میں ان دونوں میں سے ایک شرط سے بھی دست بردار نہیں ہوسکتی۔''

ولیم۔ ''دیکھو جنی میری آرزوؤں کا خون نہ کرو۔ میری زندگی برباد ہوجائے گی۔''

جنی۔ ''اچھا بس۔ اب مذاق ہوچکا تم نے کبھی سوچا ہے تم کیوں شادی کرنی چاہتے ہو؟ شادی کا منشا کیا ہے؟

ولیم۔ (ہکا بکا ہوکر) ''آخر اور سب لوگ کیوں شادی کرتے ہیں۔''

جنی۔ ''اورسب لوگ جھک مارتے ہیں میں تم سے پوچھتی ہوں تم کیوں شادی کرنی چاہتے ہو؟''

(ولیم سر کھجلانے لگتا ہے اور بغلیں جھانکتا ہے)

جنی۔ ''اچھا تو مجھ سے سنو۔ تم صرف اس لیے شادی کرنی چاہتے ہوکہ تمھارا شمار بھی خانہ داروں میں ہوجائے۔ تمھارا دل خوش کرنے کے لیے گھر میں ایک خوبصورت کھلونا آجائے۔ اس کے بچوں سے تمھارا گھر گلزار ہوجائے وہ سب تمھیں پاپا کہیں۔ ایمان سے کہنا یہی بات ہے یا نہیں؟''

ولیم۔ ''یہ بات نہیں ہے جنی۔ تمھارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔''

جنی۔ ''بالکل غلط۔ میں آج مرجاؤں پھر بھی تم اسی طرح رہوگے تم اپنے اُوپر مرتے ہو۔ تم اپنے لیے مجھے چاہتے ہو۔ محض اپنا دل خوش کرنے کے لیے، محض اپنا گھر بسانے کے لیے، محض اپنی تھوڑی سی کمائی کے لیے، وارث پیدا کرنے کے لیے، محبت کیا چیز ہے؟ تم نہیں جانتے۔''

ولیم۔ "تم میرے ساتھ بے انصافی کر رہی ہو۔ جنی۔"

جنی۔ "ہرگز نہیں تم صرف اس لیے مجھے چاہتے ہوکہ جب میں بڑھیا صوفیانہ گاؤن پہن کر نکلوں تو لوگ ہنس کر کہیں وہ جا رہا ہے خوش نصیب۔ ولیم میں نے آپ کے لیے ایک بہت موزوں عورت تلاش کرلی ہے۔ وہ مجھ سے کہیں اچھی بیوی ہوگی۔"

ولیم ۔ (خوش ہوکر) "وہ کون ہے جنی۔"

جنی۔ "سُندر۔"

ولیم۔ "تم مجھے ذلیل کررہی ہو جنی۔ میں مہترانی سے شادی کروں گا۔ میں شریف خاندان کا ہوں۔"

جنی۔ "اچھا تو تم ایسی عورت چاہتے ہو جس سے تمھارا خاندانی وقار قائم رہے۔"

ولیم۔ "اور کیا۔"

جنی۔ "تو تم شادی کے معنی ابھی نہیں سمجھے۔"

ولیم۔ (برانگیختہ ہوکر) تو کیا تم سمجھتی ہوکہ میں نالائق ہوں۔ میرے پاس ایسے ایسے سرٹیفکیٹ ہیں کہ دیکھو تو دانتوں میں انگلی دبا لو۔"

جنی۔ "جی کہیں ہو نہ۔ تمھارے پاس سرٹیفکیٹ کہاں سے آئیں گے۔"

ولیم۔ "یہی تو تم نہیں جانتیں۔ میں جو ذرا چپ چاپ رہتا ہوں۔ زیادہ دون کی نہیں لیتا تو تم نے سمجھ لیا بس یوں ہی ہے۔ میں اپنے مُنہ اپنی تعریف نہیں کرنی چاہتا۔ اسے میں کم ظرفی سمجھتا ہوں۔ شریف آدمی ہمیشہ منکسر مزاج ہوتا ہے۔ لیکن جب ایسا موقع آپڑا ہے تو مجھے مجبوراً اپنے سرٹیفکیٹ پیش کرنے پڑیں گے۔ دیکھو (جیب سے چٹھیوں کا ایک پلندا نکال کر) یہ مسزڈگلس کا خط ہے۔ انھوں نے مجھے ٹینس کا سرٹیفکیٹ دیا ہے۔"

(جنی خط لے کر پڑھتی ہے)

It is here by certified that Mr. D. William handles his tennis ball just as a skilful wife handles her husband and consequently he should not be disqualifiedS in a matrimonial game on this account.

"اس سند نے تو میری زبان بند کردی۔ تمھارے پیٹ میں ایسے ایسے گُن بھرے ہیں یہ میں نہ جانتی تھی۔"

ولیم۔ "جی ہاں اور آپ نے کیا سمجھا ہے دیکھتی جائیے یہ مِس ڈاسن کا خط ہے۔"

(جنی خط لے کر پڑھتی ہے)

It is herby certified that Mr. D. William has invented an altogather new dance, never heard of before, and nobody else can compete him there; It is an extraqualification in his favour for a matrimonial job.

جنی۔ "تمھارے پاس ایسے ایسے لاجواب سرٹیفکیٹ رکھے ہیں تو تم نے اب تک کیوں چھُپا رکھے تھے۔ ہو چھپے رُستم۔"

ولیم۔ "اور آپ کیا سمجھتی تھیں میں بالکل بدھو ہوں۔ یہ سرٹیفکیٹ دیکھیے۔ گورنر صاحب نے میرے فادر کو دیا تھا۔"

جنی۔ (سرٹیفکیٹ دیکھ کر) "نہایت بیش قیمت چیز ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسے لائق باپ کا بیٹا کبھی نالائق نہیں ہوسکتا۔"

ولیم۔ "یہ دیکھیے ہیڈ ماسٹر صاحب نے میرے چال چلن کی تعریف لکھی ہے۔ کہاں تک گناؤں۔ بیسیوں ہیں۔"

(سامنے سے مسز ڈگلس اور مس ڈاسن آتی دکھائی دیتی ہیں۔ ولیم بدحواس ہوجاتا ہے اور فوراً خطوں کو سمیٹ کر عقب کے دروازے سے نکل جاتا ہے)

مس ڈاسن۔ "میں نے کہا چلوں ولیم کا تماشہ دیکھتی آؤں۔ آج تمھیں پروپوز کرنے آیا تھا۔ میرے سر ہوگیا کہ مجھے ایک سرٹیفکیٹ لکھ دو۔ بتاؤ کیا لکھتی۔ یہاں آیا تھا یا نہیں؟"

جنی۔ "آیا تھا۔ آپ لوگوں کو دیکھتے ہی بدحواس ہوکر بھاگا۔"

مس ڈاسن۔ "نرا احمق ہے۔ مجھ سے ضد کرنے لگا کہ ٹینس کی سند لکھ دیجیے۔ ریکٹ پکڑنے تک کا شعور نہیں بھلا کیا لکھتی۔ کیا ہوا۔ اس نے پروپوز کیا؟ ذرا اس کا قصہ سناؤ۔"

مسز ڈگلس۔ "یہی سننے کے لیے تو میں بھاگی آ رہی ہوں۔"
جنی۔ "میں نے ایسا بنایا کہ وہ بھی یاد کرے گا۔ مگر آپ لوگوں نے سرٹیفکیٹ خوب لکھے۔ جی خوش ہوگیا۔ جیب میں لیے پھرتا ہے۔"
مس ڈاسن۔ "کیاکیا؟ کیسے سرٹیفکیٹ ہم نے تو کوئی سرٹیفکیٹ نہیں لکھے!"
جنی۔ "دکھاتا تو تھا۔"
مس ڈاسن۔ "کم بخت نے خود ہی لکھ لیے ہوں گے۔ جبھی بھاگا ہے۔ کہاں ہیں دونوں چٹھیاں۔"
جنی۔ "چٹھیاں تو لیتا گیا۔ پر ان کا مضمون مجھے یاد ہے۔ حضرت نے اپنی دانست میں بہت اچھا سرٹیفکیٹ لکھا تھا۔"
(جنی ایک کاغذ پر دونوں سرٹیفکیٹوں کو اپنی یاد سے لکھتی ہے اور تینوں ہنستے ہنستے لوٹ جاتی ہیں)

...... پردہ ......

پانچواں منظر

(یوگراج کا مکان۔ صبح کا وقت۔ یوگراج غمگین نظر آتا ہے۔ سامنے کرسی پر جنی بیٹھی ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے ابھی باہر سے آئی ہے)

جنی۔ "مجھے بھی افسوس ہے کہ ایک دن پہلے کیوں نہ آئی۔ جس وقت مجھے تار ملا۔ ماما کی طبیعت ناساز تھی۔ میں نے سمجھا ذرا ان کی طبیعت سنبھل جائے تو چلوں۔ اگر جانتی کہ یہ آفت آنے والی ہے تو فوراً روانہ ہوجاتی آخری ملاقات بھی نہ کر سکی۔"

یوگراج۔ "آپ کا نام آخر وقت تک ان کی زبان پر رہا۔ بار بار آپ کو پوچھتی تھیں (لمبی آہ کھینچ کر) میں تو کہیں کا نہ رہا مس گارڈن۔ کیا کیا آرزوئیں دل میں تھیں سب خاک میں مل گئیں۔ مجھے زندگی میں وہ نعمت مل گئی تھی کہ اسے کھوکر اب دُنیا میری نگاہ میں ویران معلوم ہوتی ہے اور یہ سب میرے ہی کرموں کا پھل ہے۔ ہاں میں ہی ان کا قاتل ہوں۔ میرے ہی نفس نے اس پاک زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ جس پھول کو سر اور آنکھوں سے لگانا چاہیے تھا اسے میں نے پیروں سے کچلا۔ کبھی کبھی جی میں ایسا اُبال آتا ہے کہ دیوار سے سر پٹک دوں۔ یہ زخم کبھی پُر نہ ہوگا۔ مس گارڈن یہ داغ ہمیشہ سینہ پر رہے گا۔"

جنی ۔"یوں بے صبر ہونے سے کیسے کام چلے گا بابو جی۔ میں تو اِس کی سہیلی تھی۔ لیکن مجھے سگی بہن بھی اتنی پیاری نہ تھی۔ پھر آپ کے غم کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ اس کے اخلاق ہی ایسے تھے۔ کہ بے اختیار دل کھینچ لیتے تھے۔ لیکن اب صبر کے سوا اور کیا چارہ ہے۔ خدا کی مشیت میں انسان کو کیا دخل۔ اب اسی خیال سے دل کو تسکین دیجیے کہ یہ دنیا ان کے لیے موزوں جگہ نہ تھی۔ وہ جنّت کے قابل تھی اور جنت میں چلی گئی۔"

یوگراج۔ "ہاں کسی خیال سے تسکین نہیں ہوتی مس گارڈن۔ یوں وہ اپنی موت سے مرجاتیں

تو میں صبر کرلیتا۔ لیکن یہ کیسے بھول جاؤں کہ میں ہی ان کا قاتل ہوں آہ! انھوں نے اپنے تئیں مجھ پر قربان کر دیا۔ میری مرضی کے خلاف کبھی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالا۔ مجھے خوش رکھنا انھوں نے اپنی زندگی کا واحد منشا سمجھ رکھا تھا۔ صبح کو میری آنکھ کھلتی تو ان کی خنداں صورت سامنے مجھ پر برکتوں کی بارش کرتی ہوئی نظر آتی تھی۔ کل میں دنیا میں سب سے خوش نصیب انسان تھا۔ آج کتے کو بھی مجھ پر رحم آتا ہے۔ روز بروز کمزور ہوتی جاتی تھیں لیکن میری خاطرداریوں میں وہی انہماک تھا۔ گھر کی ایک ایک چیز پر ان کی لافانی محبت کا نقش کھچا ہوا ہے۔ وہ جیسے خود پھول کی طرح نازک تھیں اسی طرح انھیں پھولوں سے بے حد اُنس تھا۔ اس باغ کی نگہداشت وہ خود کرتی تھیں۔ ایک ایک پودے کو بچّے کی طرح تیار کرتی تھیں۔ جس چیز سے میری رغبت دیکھتیں اسے اپنے ہاتھوں سے پکاتیں۔ کرسیوں پر جو یہ پھول ہیں۔ انھیں کے ہاتھ کی یادگار ہیں۔ میز پر جو میزپوش ہے وہ انھیں کی صنعت کا کرشمہ ہے۔ کن کن باتوں کو روؤں۔ انھوں نے اپنے کو مجھ پر نثار کردیا۔ مجھ جیسا ناکارہ اس قابل نہ تھا کہ ایسی دیوی ملتی۔ ایشور نے سؤر کے گلے میں موتیوں کی مالا ڈال دی۔"

(وہ خاموش ہوجاتا ہے اور کئی منٹ تک آنکھیں بند کیے بیٹھا رہتا ہے۔ تب یکایک زور سے آہ کھینچ کر کمرے سے نکل جاتا ہے اور باغیچے میں جاکر پھولوں کو بوسہ دینے لگتا ہے۔ جنی اس کے پیچھے دوڑی جاتی ہے وہ مولسری کے درخت کو اس طرح دیکھ رہا ہے گویا کسی کو ڈھونڈ رہا ہے پھر وہاں سے آتا ہے اور اُما کے کمرے کا پردہ اُٹھا کر آہستہ سے اندر جاتا ہے اور کمرہ خالی پاکر زور سے ہائے مارکر زمین پر گرپڑتا ہے۔ جنی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ پنکھا کھول دیتی ہے۔ دوتین سکنڈ میں یوگراج چونک کر اُٹھ بیٹھتا ہے اور حیرت سے جنی کو دیکھتا ہے۔)

جنی۔ "بابو جی آپ عقل مند ہوکر نادان بنتے ہیں۔ اس طرح ہوش و حواس کھونے سے کیا فائدہ ہوگا۔ ذرا دل کو سمجھایئے۔"

یوگراج۔ "کہہ نہیں سکتا مجھے کیا ہوجاتا ہے مس گارڈن۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اُما باغ میں کھڑی ہے۔ جیسے اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ جانتا ہوں کہ اب اس

زندگی میں مجھے اس کے درشن نہ ہوں گے۔ لیکن نہ جانے کیوں وحشت سی سوار ہوجاتی ہے کاش کوئی مجھ سے کہہ دے کہ وہ ابھی زندہ ہے، میکے گئی ہوئی ہے۔ وہ اب مجھے کبھی نہ ملے گی۔ ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہوگئی۔ یہ ناقابل برداشت ہے۔ اس خیال سے مجھ پر جنون کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ لیکن مجھے اس کا تو خیال ہی نہ رہا کہ آپ سفر کرکے آرہی ہیں۔ بالکل بھول گیا۔ آپ کی کیا خاطر و مدارات کروں۔ خاطر کرنے والا تو رہا ہی نہیں آج وہ ہوتیں تو آپ کو دیکھ کر پھولی نہ سماتیں۔"

(ہراج کو پکارتا ہے)

مس صاحب کے لیے ناشتہ لاؤ اور دائی کو بھیجو آپ کا ہاتھ مُنھ دُھلائے۔

جنی۔ "میں ہاتھ منہ دھوچکی ہوں۔ بابو جی ناشتہ کی بالکل رغبت نہیں ہے۔ آپ تکلف نہ کریں مجھے جس چیز کی ضرورت ہوگی۔ خود مانگ لوں گی۔"

(یوگراج ایک منٹ تک خاموش بیٹھا رہتا ہے۔ پھر اُٹھ کر سنگار میز کھولتا ہے اور اُما کے زیوروں کا صندوقچہ نکالتا ہے)

یوگراج۔ "یہ اُن کے زیور ہیں۔ ان کے ایک ایک ذرّہ میں ان کے جسم کی مہک ہے۔ انھوں نے اپنی سنہری آنکھوں سے ان کے حُسن کی بہار دیکھی ہے یہ ہماری محبت کی مجلسوں میں شریک رہے ہیں۔ یہ اِس محبت کے رازدار ہیں. مگر آج اس کس مپرسی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ انھیں جنت میں بھی اپنے پیارے زیوروں کی یہ حالت دیکھ کر کتنا رنج ہورہا ہوگا۔ میں آپ کے جذبات کو صدمہ نہیں پہنچانا چاہتا۔ مس گارڈن۔ معاف کیجیے گا۔ اگر آپ ان چیزوں کو قبول کریں تو ان کی روح کو سچی مسرت ہوگی۔ اور میں آپ کا تہ دل سے ممنون ہوں گا۔ ان کا کوئی دوسرا استعمال ایسا نہیں ہے۔ جس سے ان کی آتما کو خوشی ہو۔ آپ کو وہ اپنی بہن سمجھتی تھیں اور اس رشتہ سے میں آپ کو کسی حد تک مجبور کرسکتا ہوں۔ کم سے کم مجھے اُمید نہیں ہے کہ آپ ایک غم نصیب شوہر کی اس درخواست کو نامنظور کریں گی۔"

(حسرت ناک انداز سے مسکراتا ہے)

جنی۔ (نم آنکھوں سے) "آپ نے تو میرے لیے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رکھی بابو جی۔ لیکن میں ...... میرا دل ...... کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ

انھیں آپ ان کی یادگار کے طور پر رکھیں۔ میری دلی تمنا ہے کہ وہ زمانہ جلد آوے۔ جب ان کا دعویدار گھر میں آئے۔ ان چیزوں کو میری طرف سے اس کی نذر کیجیے گا۔"

یوگراج (مجنونانہ قہقہہ مار کر) ایسا زمانہ کبھی نہیں آئے گا مِس گارڈن کبھی نہیں۔ اُما نے جو جگہ خالی کردی ہے۔ وہ ہمیشہ خالی رہے گی۔ آپ نے میری اس درخواست کو رد کرکے مجھے مایوس کردیا۔ یہ شاید آپ نہیں سمجھ رہی ہیں۔ میرے جذبات کا آپ احترام نہ کریں آپ کو اختیار ہے۔ لیکن اُما کی رُوح آپ کو معاف نہ کرے گی۔ میری درخواست پر دوبارہ غور کیجیے اور یہ خیال رکھیے کہ میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں۔ اگر مجھ سے کوئی دیوانہ پن کی حرکت سرزد ہوجائے۔ تو بُرا نہ مانیے گا۔ ایک چوٹ کھائے ہوئے دل کی گستاخیوں کو معاف کیجیے۔

صندوقچہ سے ایک ایک چیز نکال کر جنی کو پہناتا ہے۔ جنی سر جھکائے مغموم بیٹھی ہوئی ہے۔ انکار کی جرأت نہیں کرسکتی۔ ہاتھوں میں کنگھن شیردہاں بریسلیٹ پہناتا ہے۔ گردن میں چندن ہار اور نکلس ڈال دیتا ہے۔ بالوں میں شیش پھول سجاتا ہے۔ پیروں میں پازیب ڈالنے کے لیے جھکتا ہے۔ مگر جنی پیر ہٹا لیتی ہے اور اس کے ہاتھ سے پازیب لے کر خود پہن لیتی ہے۔ تب قد آدم آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر قہقہہ مارتی ہے۔

جنی۔ آپ نے تو مجھے گڑیا بنا دیا بابو جی۔ مجھے یہ چیزیں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔

یوگراج۔ آپ میری آنکھوں سے نہیں دیکھ رہی ہیں مِس جنی۔ مجھے تو ایسا معلوم ہورہا ہے کہ اُما میری حالت پر ترس کھاکر آسمان سے اُتر آئی ہے۔ آپ میں اور اس میں اتنی مشابہت ہے کہ اس کا مجھے بالکل اندازہ نہ تھا۔ تم تو میری اُما ہو۔ مِس جنی تم میں اسی رُوح کا جلوہ ہے۔ اسی حُسن کی چمک ہے۔ اسی نزاکت کا رنگ ہے۔ تم وہی ہو۔ (وہ ایک دیوانگی کے عالم میں جنی کے پیروں میں جُھک جاتا ہے) بتاؤ مجھ سے کیوں رُوٹھ گئی تھیں! بولو میں نے کیا خطا کی تھی۔ اچھا دیکھوں اب کیسے بھاگ جاتی ہو۔

(اسی عالم میں یکایک اسے ہوش آجاتا ہے۔ اور وہ نادم ہوکر کمرے سے نکل جاتا ہے۔ جنی کی آنکھوں سے آنسو گر رہے ہیں)

...... (پردہ) ......

چھٹا منظر

(شام ۔ وہی یوگراج کا مکان۔ جنی اور یوگراج بیٹھے باتیں کررہے ہیں)

جنی۔ "آئی تھی دو دن کے لیے اور رہ گئی تین مہینے۔ ماما مجھے روز کوستی ہوں گی۔ کتنی بار لکھا یہیں آجاؤ مگر آتی ہی نہیں۔ میں سوچتی ہوں دو چار دن کے لیے گھر ہو آؤں۔"

یوگراج۔ "عجیب طبیعت ہے ان کی۔ روپے بھی واپس کردیتی ہیں۔ گھر سے آتی بھی نہیں آخر ان کی منشا کیا ہے۔"

جنی۔ "بس یہی کہ میں شادی کرلوں اور ان کے پاس رہوں شاید انھیں خوف ہے کہ کہیں میں بھاگ نہ جاؤں۔"

یوگراج (ہنس کر) تم جاؤگی تو پھر لوٹ کر نہ آنے پاؤگی میرا فلم ادھورا رہ جائے گا۔ جب تک ڈرامہ پورا نہ ہوجائے میں تمھیں ایک دن کے لیے بھی نہیں چھوڑسکتا۔ اور تم سے چھپاؤں کیوں جنی۔ چھپانا فضول ہے۔ شاید تم نے پہلے ہی اسے تاڑ لیا ہے۔ میں نے تم میں اپنی اُما کو دوبارہ پایا اگر تم اس وقت نہ آجاتیں۔ تو معلوم نہیں میری کیا حالت ہوتی۔ شاید دیوانہ ہوجاتا یا کہیں ڈوب مرا ہوتا۔ تم نے آکر میرے تیئں جلا لیا۔"

جنی۔ "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں خوشی سے جانا چاہتی ہوں۔ ہرگز نہیں۔ شاید اس کا راز تم بھی سمجھ گئے ہو۔ لیکن اس کا انجام کیا ہے؟ خود روؤں اور تمھیں پریشان کروں۔ اپنی تو زیادہ فکر نہیں میں۔ رونے کی عادی ہوں۔ لیکن تمھیں کیوں پریشان کروں۔ میرے چلے جانے کے بعد تھوڑے دنوں میں مجھے بھول جاؤگے۔ زندگی کی مصروفیتیں اور دل چسپیاں تمھیں اپنی جانب کھینچ لیں گی۔ اور زندگی ایک دن پھر تمھارے لیے خوشیوں کا خزانہ ہوجائے گی۔ جب مجھ جیسی عورت میں تمھیں خوبیاں نظر آگئیں تو میں سمجھتی ہوں کہ تم اپنی جنت آپ بناسکتے ہو۔ تم میں مٹی کو سونا بنانے کی صفت

موجود ہے۔ میری حالت بالکل برعکس ہے۔ جیسے کوئی دھات آگ میں پڑکر لال ہو جاتی ہے۔ مگر آگ سے نکلتے ہی پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے۔ وہی حالت میری ہے۔ تم سے علاحدہ ہوکر میرے لیے دنیا میں کہیں عافیت نہیں ہے لیکن اس کا علاج کچھ نہیں۔ تقدیر ہمارے اور تمھارے درمیان حائل ہے۔ اور ہماری خیریت اسی میں ہے کہ ہم دونوں علاحدہ ہوجائیں۔"

یوگراج۔ تمھارا خیال غلط ہے جنی۔ تمھارے جانے کے بعد زندگی میں میرے لیے کوئی دل چسپی باقی رہ جائے گی۔ یہ غیر ممکن ہے۔ تم نے مجھ میں جو خوبیاں دیکھیں وہ تمھاری پیدا کی ہوئی ہیں۔ یا اُما کی۔ تم گئیں اور میرا خاتمہ ہوا۔ پھر دنیا میں میرے لیے زندگی کا کوئی سہارا نہ رہے گا۔"

(دونوں ایک لمحے تک خیال میں رہتے ہیں)

یوگراج۔ "کیا ہمارے یکجا رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے جنی؟"

جنی۔ "مجھے تو کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"

یوگراج۔ "کیا ہماری شادی نہیں ہوسکتی؟"

جنی۔ "غیر ممکن۔ مذہبی بندشوں کو کیا کروگے؟"

یوگراج۔ "میں ان بندشوں کی مطلق پرواہ نہیں کرتا جنی۔"

جنی۔ "لیکن میں ان بندشوں کو اتنا حقیر نہیں سمجھتی۔اپنے خیال سے نہیں تمھارے خیال سے۔ میں تمھیں سوسائٹی میں اچھوت نہیں بنانا چاہتی۔ سوسائٹی میرے کارن تم سے احتراز کرے۔ یہ میں نہیں دیکھ سکتی۔ میں تمھیں اتنی دل شکن آزمائش میں نہ ڈالوں گی۔ میری جانب تمھیں جو حُسنِ ظن ہے۔ اُسے پامال نہیں کرسکتی۔ میں جانتی ہوں میری خاطر سے تم وہ ساری ذلّت اور رسوائی برداشت کرلوگے۔ لیکن میں اتنی خودغرض نہیں ہوں۔"

یوگراج۔ "اگر میں کوئی ایسا فعل کروں۔ جس سے سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہو تو بیشک سوسائٹی کو مجھے خارج کر دینے کا حق ہے۔ لیکن میں اس کے خوف سے اپنے حقوق نہیں ترک کرسکتا۔"

جنی۔ (غورکرکے) "نہیں ایسے معاملات میں دلیلوں سے کام نہیں چلتا۔ بہتر یہی ہے کہ مجھے

جانے دو۔ میں جانتی ہوں۔ تمھارے بغیر دُنیا میرے لیے سونی ہے۔ لیکن مجھے اس خیال سے تقویت ہوتی رہے گی۔ کہ میں تمھاری رسوائی کا باعث نہیں ہوئی۔"

یوگراج۔ "تم سوچتی ہو کہ تمھارے جاتے ہی میں کسی اور سے شادی کرکے آرام سے زندگی بسر کروں گا۔ تمھیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ کہ تمھارا یہ خیال کتنا غلط ہے۔ تم نے ابھی کہا کہ میں اپنی جنت آپ بنا سکتا ہوں۔ تم سے مجھے جو تعلق ہے۔ اسے تم میری اس تخلیقی قوت کا ثبوت سمجھ رہی ہو۔ دراصل میں نے وہ جنت نہیں بنائی اس کی بنانے والی تم تھیں۔ یہ تمھارا انکسار ہے۔ جو تمھیں اپنی نگاہوں میں اتنا ارزاں بنائے ہوئے ہے۔ میں نے تم میں جو کچھ پایا وہ کہیں اور پاسکوں گا۔ اس کی مجھے اُمید نہیں۔ بے لوث محبت وہ جنس نہیں ہے۔ جو بازار میں ملتی ہو۔ اگر یہاں تمھیں میری رسوائی کا خوف ہے۔ تو کیوں نہ ہم کسی ایسے گوشے میں جابسیں۔ جہاں ہمیں کوئی جانتا ہی نہ ہو۔"

جنی۔ (مسکراکر) "کسی کسان کی کھیتی اس کی آنکھوں کے سامنے ہی برباد ہو اسے اس وقت صدمہ ہوگا۔ بغیر کوئی جرم کیے مجرموں کی طرح رہنا بہت آرام کی زندگی نہ ہوگی۔ تمھارے گھر والے کیا کہیں گے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتی۔ لیکن ماما ضرور زہر کھالیں گی۔ جن حالتوں میں خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ ان کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم علاحدہ ہوجائیں۔ میں تمھارے لیے ساری شرم اور ذلت برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن تمھارے اوپر یہ الزام نہیں سُن سکتی کہ ایک عورت کے پیچھے عیسائی ہوگیا اور نہ شاید تم میرے اوپر یہ الزام سُننا پسند کروگے۔ کہ دولت کے پیچھے اپنی آبرو گنوا بیٹھی۔"

یوگراج۔ "تمھاری شدھی تو ہوسکتی ہے جنی؟"

جنی۔ "میں شدھی کو بالکل لغو اور مہمل سمجھتی ہوں۔ میں اپنی فطرت سے اپنی تعلیم سے جو کچھ ہوں۔ وہی رہوں گی۔ محض ہون کرلینے یا دوچار منتر پڑھ لینے سے میری شخصیت نہیں تبدیل ہوسکتی۔ عیسائی مذہب میں کم سے کم ایک چیز اب بھی زندہ ہے اور وہ خدمت ہے۔ ہندو مذہب میں تو وہ چیز بھی نہیں۔ یہاں تو محض رسوم ہیں۔ محض قدامت پرستی ہے۔ اس کے لیے میرا ضمیر تیار نہیں۔ مجھے ہنسی خوشی رخصت

کرو۔ مگر دیکھنا یہ علاحدگی ہمارے دوستانہ تعلقات کو کمزور نہ کرنے پائے۔ مجھ سے ناراض نہ ہونا۔ میری طرف سے نگاہ نہ پھیرنا۔ جنی تمھاری رہے گی۔ دُنیا کی نگاہوں میں نہیں۔ خدا کی نگاہوں میں جو دُنیا کا خالق ہے۔"

یوگراج (بھرائی ہوئی آواز میں) "تو یہ تمھارا آخری فیصلہ ہے جنی؟"

جنی۔ "ہاں یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ تم چند روز میں مجھے بھول جاؤگے۔ میری خدا سے یہی دُعا ہے۔ کہ تم مجھے بہت جلد بھول جاؤ۔ لیکن بھول کر بھی کبھی کبھی یاد کرلیا کرنا۔ زندگی کے لیے محبت کا سہارا لازمی چیز ہے۔ اور وہ تم نے مجھے اتنا دے دیا ہے کہ میری عمر بھرکے لیے کافی ہوگا۔ خدا کے لیے مجھے بے وفا نہ سمجھنا۔ میری حالت بالکل اس کشتی کی سی ہے، جسے سیلاب آگے لیے جاتا ہو اور ہوا پیچھے۔ محبت اور مذہب کی کش مکش میں میری زندگی تباہ ہوئی جارہی ہے۔"

یوگراج۔ "میں تو اپنا سب کچھ تمھارے قدموں پر نثار کر رہا ہوں جنی۔"

جنی۔ "میں نے اس مسئلہ پر کئی پہلو سے غور کیا ہے۔ راجا! مہینوں سے اسی اُلجھن میں پڑی ہوئی ہوں۔ آج میں نے دل کو پتھر سے کچل کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ تقدیر مجھے یہ زہر کا پیالہ پینے پر مجبور کررہی ہے۔ میرا اس پر کوئی قابو نہیں ہے۔ جو چیز ہماری روحوں کو پاک اور بلند اور آزاد کرنے کے لیے دُنیا میں نازل ہوئی تھی اسے ہم نے اپنے گلے کی زنجیر بنالیا۔ جس چٹکی بھرخاک سے ہماری زندگی اکسیر بن سکتی تھی۔ اس کے ابلہانہ استعمال نے اسے ہمارے لیے سم قاتل بنادیا ہے۔ جو شعلہ ہماری زندگی کو منور کرنے کے لیے عطا کیاگیا تھا۔ وہ ہماری نادانی کے باعث جہاں سوز ہوگیا ہے۔ اور ہم بیٹھے بیکسانہ انداز سے دیکھ رہے ہیں۔ کتنا جگر خراش سانحہ ہے۔ زندگی کا باغ اپنی ساری دل فریبیوں کے ساتھ میرے سامنے کھلا ہوا ہے۔ لیکن میرے پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی ہے۔ میں اس میں قدم نہیں رکھ سکتی۔"

یوگراج (مایوس ہوکر) "تمھاری جیسی مرضی ہو جنی۔ میں تمھیں مجبور نہیں کرسکتا۔ جاؤ! ایشور تمھیں ہمیشہ خوش رکھے۔ کبھی کبھی میری سُدھ لے لیا کرنا .... مجھے آج معلوم ہوا کہ اُما سچ مچ مرگئی اور اب پھر نہیں آسکتی۔ جاؤ۔ میں صبر کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن یہ چوٹ۔ یہ زخم شاید کبھی پُر نہ ہو۔"

جنی۔ (زیوروں کا صندوقچہ اُٹھاکر) "اسے میں نے امانتاً اپنے پاس رکھا تھا۔ اسے میری طرف سے نذر کرنا جس سے ایک دن یہ گھر پھر گلزار ہوگا۔

یوگراج (صندوقچہ لے کر بے اعتنائی سے) شکریہ!

جنی۔ "میرے خطوں کا جواب دیتے رہنا۔"

(یوگراج کچھ جواب نہیں دیتا۔ سر جھکائے آہستہ سے کمرے کے باہر چلا جاتا ہے۔ جنی ایک لمحے تک دردمند نظروں سے اُسے دیکھتی ہے۔ پھر آنکھوں میں آنسو بھرے اپنا سامان سفر بندھوانے لگتی ہے۔)

...... (پردہ) ......

ساتواں منظر

(جنی کا مکان۔ مسز گارڈن مُرغیوں کو دانہ چُگا رہی ہیں۔ ولیم آتا ہے)

ولیم۔ "گڈمارننگ مسز گارڈن۔ مِس گارڈن کا کوئی خط آیا؟"

مسز گارڈن۔ "ہاں وہ خود آرہی ہے۔ دو ایک روز میں پہنچ جائے گی۔ تیار رہنا۔"

ولیم۔ "میں تو ان کی جانب سے مایوس ہوگیا۔ مسز گارڈن میں جو کچھ ہوں وہی رہوں گا۔ کوئی نیا چولا بدلنا میرے لیے غیر ممکن ہے۔ میں نے سب کچھ کرکے دیکھ لیا۔ وہ میرے بس کی نہیں۔ پھر اب وہ خود ایک ہزار ماہوار پیدا کرتی ہیں۔ میرے چار سو ان کی نظروں میں کیا جچیں گے۔ اب تو وہ مجھ سے شادی کرنی بھی چاہیں تو نہ کروں۔"

مسز گارڈن۔ "آخر کیوں اس سے ناراض ہوگئے۔ اس کے ایک ہزار کے ساتھ تمھارے چار سو مل کر چودہ سو ہوجائیں گے۔ کیا اتنا حساب بھی نہیں جانتے۔"

ولیم۔ "لیکن گھر میں میری پوزیشن کیا ہوگی اس کا بھی آپ خیال کرتی ہیں۔ میں بیوی کی نگاہ میں ذلیل نہیں ہونا چاہتا آخر وہ کس لیے میرا دباؤ مانے گی۔ کس لیے میرا لحاظ کرے گی مجھے سب یہی کہیں گے کہ اپنی بیوی کی کمائی کھاتا ہے۔ بیوی کی کمائی پر شان جماتا ہے۔"

مسز گارڈن (مسکراکر) "تو اس میں کیا برائی ہے عورت اپنے مرد کی کمائی کھاتی ہے اس کی کمائی پر شان جماتی ہے تب تو اُسے ذرا بھی بُرا نہیں لگتا مرد کو کیوں اس کی شرم ہو۔"

ولیم۔ "اب میں آپ کو کیسے سمجھاؤں مسز گارڈن مرد مرد ہے عورت عورت ہے۔"

مسز گارڈن۔ "اچھا! مجھے آج یہ نئی بات معلوم ہوئی۔ میں تو سمجھتی تھی عورت مرد ہے مرد عورت ہے۔"

ولیم۔ ''آپ تو مذاق کرتی ہیں مسز گارڈن۔ میرے دل میں جو بات ہے اسے ظاہر کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ آپ میری باتوں کو ہنسی میں اُڑا دیں گی۔ مرد چاہتا ہے کہ عورت اس کی دستِ نگر رہے۔ اس کا ادب کرے وہ عورت کے لحاظ اور ادب کی اتنی وقعت کرتا ہے کہ اس کے لیے وہ رات دن مشقت کرے گا۔ دغا فریب کرے گا۔ خوشامد کرے گا۔ محض اس لیے کہ بیوی کی نگاہوں میں وہ کماؤ ثابت ہو۔ بیوی کی زیادہ سے زیادہ خاطر کرسکے۔'یوں کہیے کہ وہ عورت پر نثار ہوجانا چاہتا ہے۔ لیکن جب بیوی خود میاں سے زیادہ کماتی ہو تو میاں کی قربانیوں کی اس کی نظروں میں کیا وقعت ہوگی؟''

مسز گارڈن ۔''اچھا! تمھارا یہ مطلب تھا لیکن میں نے تو دیکھا ہے کہ اکثر مرد مالدار بیویوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔''

ولیم۔ ''وہ بے حیا ہیں مسز گارڈن۔ میں انھیں بے غیرت سمجھتا ہوں وہ ہمیشہ عورت کے دستِ نگر رہتے ہیں اس کی خوشامد کرتے ہیں۔ بیوی ان پر حکومت کرتی ہے۔ ان کے کان پکڑکر اٹھاتی بٹھاتی ہے میں تو اس ذلت کو نہیں برداشت کرسکتا۔''

مسز گارڈن ۔ ''میں نے تو ایسے مرد بھی دیکھے ہیں جو عورت کی دولت پر مزے اُڑاتے ہیں اور اس پر حکومت بھی کرتے ہیں۔''

ولیم۔ ''وہ خوش نصیب ہوں گے مسز گارڈن۔ ان میں خاندانی وجاہت ہوگی جسمانی خوبیاں ہوں گی علمی کمالات ہوں گے۔ میں تو ان سارے جوہروں سے بے بہرہ ہوں۔ میں تو سیدھا سادہ غریب مزدور ہوں۔ میری حماقت تھی کہ میں نے مس جنی کا سودا پالا، میں فی الواقع اس کے قابل نہیں۔''

مسز گارڈن۔ ''اس لیے کہ وہ تم سے زیادہ کماتی ہے۔ جب تک وہ بیکار تھی۔ تم ان خوبیوں سے عاری ہونے پر اپنے کو اس کے ناقابل نہ سمجھتے تھے۔''

ولیم۔ ''میری حماقت تھی اور کیا۔ اس درمیان میں میں نے ایک نئی حقیقت دریافت کی ہے۔ دیکھیے میرا مذاق نہ اُڑایے گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مجھے زندگی میں ایسے رفیقِ زندگی کی ضرورت ہے۔ جو مجھ سے زیادہ تجربہ، زیادہ صبر، زیادہ عقل رکھتی ہو جو اپنے مشوروں سے میری ہدایت کرتی رہے اور .... اور میں آپ میں وہ

سارے اوصاف پا رہا ہوں (زمین پر گھٹنے ٹیکتا ہے) میں آپ سے پروپوز کرتا ہوں۔
مسز گارڈن۔ دیکھیے خدا کے لیے انکار نہ کیجیے گا۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ زندگی کی مسرّت کے لیے حسن اور شباب کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں جتنی تجربہ اور دانائی کی۔ حسین عورت اپنے ساتھ بدگمانیاں اور حسد لاتی ہے مجھے اس کی جاسوسی کرنی پڑے گی وہ کس سے بولتی ہے کس سے ہنستی ہے کہاں جاتی ہے مجھے اس کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھنی پڑے گی یہ خلجان میں برداشت نہیں کرسکتا۔ آپ پر میں کامل اعتماد کرسکتاہوں آپ میں ہمدردی ہے۔ رحم ہے اور وہ ساری باتیں ہیں جن کی مجھے ضرورت ہے۔"

مسز گارڈن۔ "بھلا سوچو تو ولیم۔ دُنیا کیا کہے گی کہ اس عورت کو بڑھاپے میں جوان بننے کا شوق پیدا ہوا ہے پھر یہی کرنا تھا تو آج سے تین سال قبل کیوں نہ کیا تب تو میں اتنی ضعیف نہ تھی۔"

ولیم۔ "اس کا تو مجھے بھی افسوس ہے مسز گارڈن۔"

مسز گارڈن۔ اچھا بتاؤ مجھ پر حکومت تو نہ کروگے؟"

ولیم۔ "نہیں خدا کی قسم میں آپ کے حکم کے بغیر ایک لفظ بھی مُنہ سے نہ نکالوں گا۔"

(مسز گارڈن ولیم کو اُٹھاتی ہے)

مسز گارڈن۔ میں بہت ڈر رہی تھی کہ کہیں تم کسی مشاطہ کے جال میں نہ جا پھنسو۔ تم اتنے سیدھے، تم اتنے سادہ لوح، اتنے سہل اعتبار ہوکہ مجھے تمھاری طرف سے ہمیشہ یہ اندیشہ لگا رہتا تھا۔ اس لیے میں تمھیں جنی سے ملاتی رہتی تھی۔ جنی میں اور چاہے کتنی ہی برائیاں ہوں۔ چنچل پن نہیں ہے شکر ہے کہ آج تم نے مجھے اپنی شریکِ زندگی بنانا مناسب سمجھا۔ جیسے تم ہو ویسے ہی میرے شوہر تھے۔ بالکل یہی مناسب تھا۔ تمھیں یاد ہے پہلے تم سے میری ملاقات پارک میں ہوئی تھی میں گرجے سے واپس آرہی تھی اس وقت میری طبیعت تمھاری طرف مائل ہوگئی تھی۔ لیکن تقدیر میں تو وہ مسرّت آج لکھی تھی۔ پہلے کیسے ملتی آؤ گرجے چل کر خدا کا شکر کریں۔"

...... (پردہ) ......

آٹھواں منظر

(جنی کا شاندار مکان۔ جنی اور مسز گارڈن کرسیوں پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ جنی کا سامانِ سفر بندھا ہوا تیار ہے۔ شام ہوگئی ہے)

مسز گارڈن۔ " میں کیا کرتی جنی۔ ولیم میرے پیچھے پڑگیا اور کچھ بھی ہو آدمی سچّا اور نیک ہے۔ غرور تو اس کو چھو بھی نہیں گیا بالکل بچوں کی سی طبیعت ہے۔ تمھیں ہمارے ساتھ کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ لیکن تم نے علاحدہ رہنا پسند کیا۔ خیر تمھاری مرضی۔"

جنی۔ "تو میں تمھیں کچھ کہتی تھوڑا ہی ہوں۔ ماما تم نے بہت اچھا کیا ورنہ وہ کسی ایسی عورت کے پھندے میں پڑجاتے اور اِن کی زندگی خراب ہوجاتی۔"

مسز گارڈن۔ "تو تمھارا کب تک واپس آنے کا ارادہ ہے۔"

جنی۔ "کہہ نہیں سکتی ماما۔ یوگراج نے تار دے کر بلایا ہے تو ضرور کوئی سنجیدہ معاملہ ہے ورنہ وہ تار نہ دیتے۔ مجھے خوف رہا ہے کہ کہیں وہ بیمار نہ ہوں۔ میں یہاں آکر پچھتا رہی ہوں۔ اگر میں جانتی کہ ان کا دل اتنا نازک ہے تو ہرگز انھیں چھوڑکر نہ آتی۔ مجھے تو اب اپنی ضد پر بھی افسوس ہے۔ مذہب اور اصول آدمی کے لیے ہیں۔ آدمی ان کے لیے نہیں ہے۔ کیا حرج تھا اگر میں اپنی شدھی کرالیتی مجھ میں تو کوئی تبدیلی ہو نہ جاتی۔ ہاں انھیں تشفی ہوجاتی۔ اور شاید میں ان کی کچھ خدمت کرسکتی۔ ماما میں تم سے اُن کی محبت کا کیا ذکر کروں۔ یہ تین مہینے میں نے جس طرح کاٹے ہیں تم نے دیکھا ہی ہے مگر میرے دل پر جو کچھ گزری ہے وہ کون دیکھ سکتا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی اِن کی صورت میری آنکھوں سے نہیں اُتری، ایسے مہرپرور، ایسے شریف اور محبت پر جان دینے والے آدمی بھی دنیا میں ہیں۔ اس کا مجھے علم نہ تھا۔ مجھے جنت کی نعمت مل رہی تھی، میں نے ایک فضول آن میں اسے ٹھکرا دیا (گھڑی کی طرف دیکھ کر) ابھی ایک گھنٹہ باقی ہے۔ میری طبیعت گھبرا رہی ہے۔ ماما نہ جانے یہ رات گاڑی میں کیسے کٹے گی۔ پیارے یسوع۔ وہ خیریت سے ہوں میں اِن کے عوض سب کچھ جھیلنے کو تیار ہوں۔

(تار کا چپراسی دوسرا تار لاتا ہے) جنی کا چہرہ فق ہوجاتا ہے۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے تار لے کر پڑھتی ہے:

Yograj breathed his last after-noon Gennies name was on his lips upto the last moment.

(جنی کے ہاتھ سے تار کا کاغذ گر پڑتا ہے۔ وہ بے ہوش ہوجاتی ہے مسز گارڈن بدحواس ہوکر اس کے سینے پر ہاتھ رکھتی ہے۔ پھر الماری سے گلاب کا عرق نکال کر اس کے مُنہ پر چھڑکتی ہے۔ ایک منٹ کے بعد جنی ہوش میں آجاتی ہے)

جنی۔ "میں بالکل اچھی ہوں ماما۔ تم ذرا بھی نہ گھبراؤ، نہ جانے کیسی طبیعت ہوگئی تھی۔ جیسے دل بیٹھ گیا ہو۔ لیکن اب بالکل اچھی ہوں اس کا اندیشہ تو مجھے پہلے ہی تھا، جس وقت میں وہاں سے چلی اسی وقت ان کی حالت دیکھ کر مجھے یہ اندیشہ ہوا تھا، لیکن میں نے سمجھا مرد ہیں، دس پانچ روز میں ان کی طبیعت بہل جائے گی۔ کیا جانتی تھی کہ یہ دن دیکھنا پڑے گا۔ افسوس ایک خط میں بھی تو کچھ نہیں لکھا۔ خطوں سے تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ خوش و خرم ہیں۔ کیا جانتی تھی کہ مجھے فریب دیا جا رہا ہے......۔

(اس کی آنکھیں تیرنے لگتی ہیں ایک وحشت کی حالت طاری ہوجاتی ہے) کون کہتا ہے وہ مر گئے! بالکل جھوٹ ہے۔ وہ میرے سامنے ہیں۔ میری آنکھوں میں ہیں۔ میرے دل میں ہیں، ہاں اسی طرح کھڑے مجھے پریم بھری آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ذرا اِن کی شرارت تو دیکھو۔ چُھپ چُھپ کر مجھے دھوکا دیتے ہیں۔ منہ دھو رکھو۔ میں ایسے دھوکہ میں نہیں آنے کی آپ کو خوب پہچانتی ہوں۔

(پھر اس پر سکون کی حالت آتی ہے ایک لمحہ خیال میں غرق رہنے کے بعد پھر کہتی ہے)

ماما ہم عقل کے زور سے زندگی کے سارے مسئلے حل کرنا چاہتے ہیں۔ زندگی ہے، ہی نہیں مابعد کے بھی، کتنی بڑی نادانی ہے۔ میں نے اس شخص کو جو مجھے دُنیا میں سب سے

زیادہ عزیز تھا اپنی مذہب پروری پر اپنے خیال نیک نامی پر قربان کردیا۔ راجا دُنیا سے نامراد رُخصت ہوگیا۔ ساری آرزوئیں لیے۔

ہمارے رسوم کتنے مہلک ہیں۔ آج اس لازوال محبت کے نام پر سارے رسوم کو تلانجلی دے دوں گی جسے ہم مذہب کہتے ہیں محض رسوم کا پھندا ہے ہماری روح اور ضمیر کی آزادی اس پھندے میں پڑی تڑپتی ہے اور اس میں سے نکل نہیں سکتی، کوئی مجھے کافر کہتا ہو کہے۔ منکر کہتا ہو کہے۔ مرتد کہتا ہو کہے۔ میں آج بلند آواز سے کہتی ہوں کی انسان عقاید سے کہیں زیادہ اہم کہیں زیادہ بیش بہا شے ہے۔ اگر عقاید سے انسان انسان میں اختلاف اور امتیاز پیدا ہو تو جتنی جلد ان عقاید کا خاتمہ ہوجائے اتنا ہی اچھا میں نے ایک قابلِ قدر ہستی کو رسوم پر قربان کیا ہے۔ اور آج اِن رسوم کو اس کے نام پر قربان کروں گی۔

شوفر سے کہیے موٹر لائے۔ میں اپنی سہیلیوں کو بلاؤں گی، انھیں نیوتہ دوں گی اور ان کے رُوبرو میرا راجا سے بیاہ ہوگا۔ بڑی دھوم دھام سے پادریوں اور پروہتوں کی ضرورت نہیں۔ رجسٹر اور شہادت کی ضرورت نہیں، یہ جسمانی شادی نہیں روحانی شادی ہوگی۔ خدا مجھے طاقت عطا کر کہ میں تازیست اس عہدوپیمان کو نبھا سکوں۔

...... (پردہ) ......

انصاف ۔ ایک ڈرامہ

اشخاص ڈرامہ

جیمس ھاؤ	
والٹر ھاؤ ان کا بیٹا	سالیسٹران۔
رابرٹ کوکسن۔	اُن کا مینجنگ کلرک۔
ولیم فالڈر۔	ان کا جونیر کلرک۔
سوئیڈل۔	اُن کا آفس بوائے۔
وسٹر۔	خفیہ پولیس کا افسر۔
کاولی۔	خزانچی۔
مسٹر جسٹس فلائڈ۔	جج عدالت۔
ہیرلڈ کلیور۔	ایک بڈھا ایڈوکیٹ۔
کپتان ڈینسن۔	داروغہ جیل۔
ریورینڈ ملر۔	جیل خانہ کے پادری۔
ایڈورڈ کلیمنٹس۔	جیل خانہ کے ڈاکٹر۔
ووڈر۔	جیل خانہ کا وارڈر یا سنتری۔
موئی کلپٹن اوکلیری	جیل خانہ کے قیدی۔
وتھ ہنی ول۔	ایک عورت۔

اِن کے علاوہ کئی بیرسٹر۔ سالیسٹر۔ تماشائی۔ عدالت کے چپراسی۔ رپورٹران۔ ممبران جوری۔ سنتریاں اور قیدی۔

وقت۔ موجودہ زمانہ

ایکٹ ۱۔ (وقت) جولائی کی ایک صبح۔

(مقام) جیمس اینڈ والٹرھاؤ سالیسٹران کا دفتر۔

ایکٹ ۲۔(وقت) اکتوبر کی دوپہر۔

(مقام) اجلاس عدالت۔

ایکٹ ۳۔(وقت) دسمبر۔

(مقام) جیل خانہ۔

پہلا سین۔ داروغہ جیل کا دفتر۔

دوسرا سین۔ جیل خانہ کا برآمدہ۔

تیسرا سین۔ قیدخانہ کی کوٹھری۔

ایکٹ ۴۔(وقت) دو سال بعد۔ مارچ کی صبح۔

(مقام) جیمس اینڈ والٹرھاؤ سالیسٹران کا دفتر۔

انصاف

پہلا ایکٹ

(جولائی کی صبح ہے۔ "جیمس اینڈ والٹرھو" نامی سالیسٹران کے دفتر میں مینیجنگ کلرک کا پرانی وضع کا کمرہ ہے۔ جس کا فرنیچر پرانا دُھرانا مہاگنی لکڑی کا ہے۔ کرسیوں پر چمڑے کی گدیاں پڑی ہیں۔ ٹین کے بکس قطار در قطار اور مختلف ریاستوں اور ملکیتوں کے کاغذات اور نقشے رکھے ہوئے ہیں)۔

اس کمرے میں تین دراوازے ہیں۔ جن میں سے دو ایک دیوار کے وسط میں بالکل پاس پاس ہیں۔ ان دروازوں میں سے ایک سے بیرونی دفتر کا راستہ ہے جو مینیجنگ کلرک کے کمرے سے محض ایک لکڑی اور شیشے کے پردے کی دیوار سے علاحدہ کردیا گیا ہے۔ اور جب یہ دروازہ کھلتا ہے تو بیرونی دفتر کا وہ وسیع باہری دروازہ نظر آتا ہے جس سے اس عمارت کے زینے کا راستہ ہے۔ ان وسطی دروازوں میں سے دوسرا جونیر کلرک (نائب منیب) کے کمرے کو جاتا ہے۔

[تیسرے دروازے سے مالکوں کے کمرے کا راستہ ہے۔]

مینیجنگ کلرک (منیب) کا نام کوکسن ہے۔ وہ اپنی میز پر بیٹھا ہوا ایک بینک کی پاس بک (حساب کی کتاب) کے اعداد جوڑ رہا ہے۔ اور خود ہی بڑبڑاتا جاتا ہے۔ اُس کی عمر ساٹھ سال کی ہے۔ آنکھوں پر عینک لگی ہوئی ہے۔ قد کچھ ٹھگنا،کھوپڑی صاف چمکتی، چہرہ سے دیانت داری اور وفا شعاری نمایاں ہے۔ وہ پرانا سیاہ فراک کوٹ اور دھاری دار پتلون پہنے ہوئے ہے۔

کوکسن۔ سات اور پانچ بارہ ۔ اور تین پندرہ۔ اُنیس۔ تیس۔ بتیس۔ اکتالیس۔ ایک ہاتھ لگے

چار (صفحہ پر نشان بنا دیتا ہے اور بڑبڑاتا جاتا ہے) پانچ سات۔ بارہ۔ سترہ۔ چوبیں۔
اور نو تینتیس۔ تیرہ ہاتھ آیا ایک۔

وہ پھر نشان بنا دیتا ہے۔ اتنے میں باہری دروازہ کھلتا ہے اور سویڈل چپراسی دروازہ بھیڑتا ہوا اندر آتا ہے۔ اُس کی عمر تقریباً سولہ سال کی ہوگی۔ اُس کا چہرہ زرد اور کھڑے بال ہیں۔

(کوکسن چیں بہ جبیں ہوکر منتظر نگاہوں سے دیکھتا ہے۔)

سویڈل۔ مسٹر کوکسن! مسٹر فالڈر سے کوئی ملنے آیا ہے۔

کوکسن۔ پانچ۔ نو۔ سولہ۔ اکیس۔ اُنتیس۔ ہاتھ آئے دو۔ وہ تو مارس کی دُکان پر گئے ہیں۔
پوچھو نام کیا ہے؟

سویڈل۔ ہنی ول۔

کوکسن۔ پوچھو کیا کام ہے؟

سویڈل۔ ایک عورت ہے جو اُن سے ملنا چاہتی ہے۔

کوکسن۔ کوئی شریف خاتون؟

سویڈل۔ نہیں معمولی عورت۔

کوکسن۔ تو اُسے اندر بھیج دو۔ اور یہ پاس بُک مسٹر جیمس کے پاس لے جاؤ۔

[وہ پاس بُک بند کردیتا ہے]

سویڈل۔ (دروازہ کھول کر) آیئے۔ آپ اندر چلی آیئے۔

وتھ ہنی ول اندر آگئی۔ وہ ایک بلند قامت عورت ہے۔ عمر تقریباً چھبیس سال ہوگی۔ لباس سادہ۔ سر کے بال اور آنکھیں سیاہ۔ چہرے کا رنگ ہاتھی دانت کی طرح سفید۔ خط و خال نمایاں۔ وہ آکر خاموش کھڑی ہوجاتی ہے۔ اس کے بشرہ اور انداز میں ایک فطری متانت ہے۔

[سویڈل پاس بُک لے کر مالکوں کے کمرے میں جاتا ہے۔]

کوکسن۔ (گھوم کر اور وتھ کے طرف دیکھ کر) مسٹر فالڈر جن کی تلاش میں آپ ہیں اس
وقت باہر گئے ہوئے ہیں۔ (شبہ کے انداز سے) آپ کو جو کچھ کام ہو بتلائیے؟

وتھ۔ (کاروباری انداز اور کسی قدر مغربی دیہاتی لہجے میں) جناب! انھیں سے کچھ کام......

کوکسن۔ نجی ملاقاتیوں کو تو یہاں آنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر آپ کوئی پیغام چھوڑنا چاہیں تو مجھ سے بتلا دیں۔

وتھ۔ جی نہیں۔ ملاقات ہی ہوجاتی تو اچھا تھا۔

[وہ اپنی سیاہ آنکھیں نیچی کرلیتی ہے اور ایک ادا کے ساتھ اُس کی طرف دیکھتی ہے]

کوکسن۔ (تحکمانہ لہجہ میں) مگر یہ بالکل قاعدہ کے خلاف ہے۔ فرض کیجیے میرے دوست بھی مجھ سے یہاں ملنے آئیں۔ اور اس طرح بھلا کسی دفتر کا کام کبھی چل سکتا ہے؟

وتھ۔ جی ہاں! یہ تو آپ کا فرمانا درست ہے۔

کوکسن۔ (کسی قدر برہم ہوکر) میرا فرمانا درست ہے! پھر بھی آپ یہاں ایک معمولی جونیر کلرک سے ملنے آئی ہیں۔

وتھ۔ جی ہاں۔ اِس وقت مجھے اشد ضروری کام ہے۔

کوکسن۔ (اُس کی طرف تحکمانہ انداز سے اس طرح مخاطب ہوکر جیسے کسی کو مجبوراً اپنے پامال شدہ حقوق کی حفاظت کرنی ہو) لیکن یہ ایک وکیل کا دفتر ہے۔ آپ کو اُن کے گھر پر جانا چاہیے۔

وتھ۔ وہاں تو وہ نہیں ملے۔

کوکسن۔ (پریشان ہوکر) کیا آپ کا فریقِ ثانی سے کوئی رشتہ ہے؟

وتھ۔ جی نہیں۔

کوکسن۔ (واقعی پس و پیش کی حالت میں) میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کیا کہوں۔ دفتر کا یہ کوئی معاملہ نہیں ہے۔

وتھ۔ لیکن مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اتنا تو ضرور بتا دیجیے۔

کوکسن۔ (ذرا نرم لہجے میں) مجھے خود ہی معلوم نہیں۔ آپ سے کیا بتاؤں؟

اتنے میں سویڈل آجاتا ہے۔ اور اس کمرے سے ہوکر بیرونی دفتر میں جاتا ہے۔ جاتے ہوئے کوکسن کو رازدارانہ نگاہوں سے دیکھتا جاتا ہے۔ اور دروازے کو قصداً ایک یا دو انچ کھلا چھوڑ دیتا ہے۔

کوکسن۔ (اس نگاہ سے کسی طرح مطمئن ہوکر) مگر یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ کسی طرح ٹھیک نہیں ہے فرض کیجیے مالکوں ہی میں سے اس وقت کوئی یہاں آجائے۔

[بیرونی دفتر کے بیرونی دروازے سے کنڈی کھٹکنے اور ہنسنے کی آواز سُنائی دیتی ہے۔]

سویڈل۔ (دروازہ کے اندر سر ڈال کر) یہاں باہر تو کئی لڑکے جمع ہیں۔

وتھ۔ میرے بچّے ہیں۔

سویڈل۔ کیا میں اُن کو سنبھالے رہوں۔

وتھ۔ جی وہ تو ننھے ننھے بچّے ہیں (اتنا کہہ کر وہ کوکسن کی طرف ایک قدم آگے بڑھتی ہے۔)

کوکسن۔ آپ کو دفتر کے اوقات میں کسی کا وقت خراب! نہ کرنا چاہیے۔ یوں بھی آج کل ہمارے یہاں ایک کلرک کی کمی ہے۔

وتھ۔ مگر مجھے اشد ضرورت ہے۔ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔

کوکسن۔ (پھر پریشان و متردد ہوکر) زندگی اور موت کا معاملہ!

سویڈل۔ لیجیے مسٹر فالڈر بھی آگئے۔

[فالڈر بیرونی دفتر سے داخل ہوتا ہے۔ وہ ایک زرد رو وجیہہ نوجوان ہے۔ آنکھیں تیز اور سہمی ہوئی ہیں۔ وہ جونیر کلرک کے دفتر کے دروازے کی طرف آتا ہے اور تذبذب کی حالت میں کھڑا ہوجاتا ہے۔]

کوکسن۔ خیر میں آپ کو ایک منٹ بات چیت کے لیے دے سکتا ہوں حالانکہ یہ بھی خلافِ قاعدہ ہے۔

[وہ کاغذات کا ایک پلندہ اُٹھاکر مالکوں کے کمرے میں چلا جاتا ہے۔]

وتھ۔ (سرگوشی کے انداز سے جلدی جلدی باتیں کرتے ہوئے) وِل۔ اُس نے تو پھر پینا شروع کردیا۔ اور کل رات تو اُس نے میری گردن ہی کاٹ لینے کی کوشش کی تھی۔ آج میں اُس کے اُٹھنے کے پہلے ہی بچّوں کو لے کر بھاگ آئی۔ تمھارے گھر بھی ہو آئی ہوں۔

فالڈر۔ میں نے تو اپنا گھر بدل دیا ہے۔

وتھ۔ آج رات کا انتظام تو سب ٹھیک ہے نا؟

فالڈر۔ میں نے ٹکٹ خرید لیے ہیں۔ تم مجھ سے ٹھیک بارہ بجے ٹکٹ گھر میں مل جانا۔ خدا کے لیے یہ نہ بھول جانا کہ ہم تم میاں بیوی کی حیثیت سے چلیں گے۔

[اُس کی طرف حسرتناک محویت سے دیکھتا ہے۔]

وتھ۔ کیوں تم چلنے سے ڈر تو نہیں رہے ہو؟

فالڈر۔ تم نے اپنا اسباب اور بچوں کا سازوسامان سب ٹھیک کرلیا ہے نا؟

وتھ۔ اُس کے جگ اُٹھنے کے خوف سے سب کچھ وہیں چھوڑ آئی۔ صرف ایک بیگ لے لیا ہے۔ اب تو اُس گھر کے قریب جاتے ہوئے میری روح فنا ہوتی ہے۔

فالڈر۔ (چونک کر) تب تو سب روپے بیکار ہی گئے۔ اب تمھیں کم سے کم کتنی رقم درکار ہوگی؟

وتھ۔ چھ پاؤنڈ۔ میرا خیال ہے اتنے میں کام چل جائے گا۔

فالڈر۔ دیکھو کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے کہ ہم لوگ کہاں جارہے ہیں۔ (گویا خود اپنے ہی دل سے باتیں کررہا ہے) وہاں پہنچ جاؤں پھر کوئی تردد نہ رہے گا۔

وتھ۔ اگر تمھیں پس و پیش ہو تو ابھی صاف کہہ دو۔ میں چاہے اُس کے ہاتھوں مرہی کیوں نہ جاؤں لیکن تمھاری مرضی کے خلاف تم کو لے جانا نہیں چاہتی۔

فالڈر۔ (عجیب اندازِ سے مسکراکر) اب تو ہمیں چلنا ہی ہے۔ تم میرے پاس ہوگی تو مجھے کس بات کی پرواہ رہے گی؟

وتھ۔ خیر۔ ابھی کچھ نہیں گیا ہے۔ جیسا تم کہو کرنے کو تیار ہوں۔

فالڈر۔ جو ہونا تھا ہوچکا۔ اب پس و پیش کا کوئی موقع نہیں ہے۔ لو یہ سات پاؤنڈ ہیں۔ رات کو ٹھیک بارہ بجے کے وقت ٹکٹ گھر میں ملنا۔ وتھ! اگر تم سے اس طرح دل نہ لگ گیا ہوتا ......!

وتھ۔ لو۔ پیار کرلو۔

دونوں فرطِ شوق سے ہمکنار ہوجاتے ہیں۔ اتنے میں کوکسن کمرے میں واپس آجاتا ہے۔ اُس کو دیکھ کر دونوں جلدی سے علاحدہ ہوجاتے ہیں۔ وتھ گھوم کر بیرونی دروازے سے باہر چلی جاتی ہے۔ کوکسن متفکرانہ انداز سے اپنی کرسی کے پاس جاکر بیٹھ جاتا ہے۔

کوکسن۔ (فالڈر سے مخاطب ہوکر) فالڈر! یہ طریقہ تو مناسب نہیں ہے۔

فالڈر۔ اب آئندہ کبھی آپ کو اس قسم کی شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

کوکسن۔ دفتر میں اس طرح کی ملاقاتیں بے جا ہیں۔

فالڈر۔ آپ کا اعتراض بالکل بجا و درست ہے۔

کوکسن۔ تم خود ہی سمجھ دار ہو۔ مگر خیر۔ وہ پریشان حال معلوم ہوتی تھی اور بال بچّے بھی ساتھ تھے۔ آخر مجھے دبنا ہی پڑا۔ (اپنے میز کی دراز کھول کر اُس میں سے ایک پمفلٹ نکالتا ہے) لو اس کتاب کو ("گھر کی پاکیزگی") لے جاؤ۔ یہ بہت اچھی کتاب ہے۔

فالڈر۔ (پمفلٹ لے کر عجیب انداز سے) شکریہ۔

کوکسن۔ اور دیکھو فالڈر! مسٹروالٹر کے آنے سے پہلے ہی اُس فہرست کو مکمل کرلو جو ڈیوس اپنے جانے سے پہلے مرتب کررہا تھا۔

فالڈر۔ جناب! میں اُسے کل تک بالکل مکمل کرلوں گا۔

کوکسن۔ ڈیوس کو گئے ہوئے ایک ہفتے سے زائد ہوگیا۔ مگر اس فہرست کو ابھی تک مرتب نہیں کرسکے۔ بھلا ایسی تساہلی سے کیسے کام چلے گا۔ تم اپنے رَتی کاموں کے پیچھے دفتر کے کاموں سے لاپروائی کررہے ہو۔ میں اس عورت کے یہاں آنے کا ذکر تو نہ کروں گا لیکن ......

فالڈر۔ (اپنے کمرے میں جاتا ہوا) اس عنایت کے لیے آپ کا شکرگزار ہوں۔

(کوکسن اس دروازے کی طرف جس سے فالڈر گیا ہے نہایت غور سے تاکتا ہے۔ اس کے بعد سر ہلا کر اپنا کام شروع کرنے ہی والا ہے کہ مسٹر والٹرھو بیرونی دفتر سے آجاتے ہیں۔ وہ پینتیس سال کے مہذب صورت آدمی ہیں۔ ان کا لہجہ خوش آیند اور کسی قدر معذرت آمیز ہے)

والٹر۔ بندگی عرض ہے۔ مسٹر کوکسن!

کوکسن۔ آداب عرض ہے۔ مسٹر والٹر۔

والٹر۔ ابا جان تشریف لے آئے ہیں نہ؟

کوکسن۔ (مربیانہ انداز سے گویا ایسے نوجوان سے بات کررہا ہے جس کے اطوار کچھ بہت پسندیدہ نہیں ہیں) مسٹر جیمس تو یہاں گیارہ بجے ہی سے موجود ہیں۔

والٹر۔ میں تو گلڈ ہال کی تصویریں دیکھنے گیا تھا۔

کوکسن۔ (والٹر کو اس انداز سے دیکھتا ہے گویا وہ اس سے کہہ رہا ہے کہ میں نے یہ پہلے ہی

سمجھ لیا تھا) اچھا۔ تو آپ تصویریں دیکھ رہے تھے۔ خیر۔ یہ مسٹر بولٹر کا پتہ ہے۔ کیا میں اسے وکیل کے پاس بھیج دوں۔

والٹر۔ ابا جان کی کیا رائے ہے؟

کوکسن۔ میں نے اُن سے نہیں پوچھا۔

والٹر۔ مگر ہم جس قدر بھی احتیاط برت سکیں بہتر ہے۔

کوکسن۔ یہ تو بہت ہی خفیف معاملہ ہے۔ اور اس لائق بھی نہیں ہے کہ اس کے لیے وکیل کی فیس دی جائے۔ میں سمجھتا تھا کہ آپ اِسے خود ہی دیکھ لیں گے۔

والٹر۔ نہیں جناب۔ آپ اسے براہِ کرم بھیج دیجیے۔ میں اپنے سر کوئی ذمہ داری نہیں لینا چاہتا۔

کوکسن۔ (ایک ناقابل بیان ترحمانہ انداز سے) جیسی مرضی ہو۔ اچھا اب اس "حق گذرگاہ" والے معاملے کو لیجیے۔ یہ دستاویز میں شامل کرلیا گیا ہے۔

والٹر ۔ مجھے معلوم ہے۔ لیکن ارادہ تو صریح طور پر یہی تھا کہ اس مشترکہ اراضی کا دستاویز میں کوئی ذکر نہ کیا جائے۔

کوکسن۔ ہمیں اس بارے میں تردد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ قانوناً بھی ہم اس میں حق بجانب ہیں۔

والٹر۔ لیکن میں اسے ضبطِ تحریر میں لانا پسند نہیں کرتا۔

کوکسن۔ (شفقت آمیز تبسم سے) قانونی حقوق سے تو ہم بھی منحرف ہونا نہ چاہیں گے۔ آپ کے والد ماجد بھی کب اس پر اپنا وقت ضائع کریں گے۔

اس گفتگو کے دوران ہی میں جیمس ہو، مالکوں کے کمرے سے آجاتا ہے۔ وہ ایک پست قد آدمی ہے۔ سفید گل موچھیں ہیں۔ سر پر گھنے سفید بال۔ آنکھوں سے فراست ترشح ہوتی ہے۔ سنہری عینک لگی ہوئی ہے۔

والٹر۔ آداب عرض ہے۔ مزاج اقدس؟

جیمس۔ شکر ہے۔

کوکسن۔ (اپنے ہاتھ کے کاغذات کو اس طرح غور سے دیکھتا ہے گویا اُسے اُن کی ضخامت ناگوار ہے) میں بولٹر کے پٹے کو فالڈر کے پاس لیے جاتا ہوں تاکہ وہ اُن پر مفصل

ہدایات لکھ دے۔ (وہ فالڈر کے کمرے میں چلا جاتا ہے)۔

والٹر۔ اس حق گذرگاہ والے معاملے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جیمس۔ میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اسے مکمل کرلینا چاہیے۔ مجھے خیال ہے کہ کل تم نے مجھ سے کہا تھا کہ اس وقت امانت کی مد میں دفتر کے پاس چار سو پاؤنڈ سے زیادہ رقم موجود ہے۔

والٹر۔ جی ہاں۔ ایسا ہی ہے۔

جیمس۔ (پاس بک اپنے بیٹے کو دکھاکر)۔ تین۔ پانچ۔ ایک۔ حال میں کوئی چیک تو نہیں کاٹی گئی ہے۔ ذرا مجھے چیک بک نکال کر دے دو۔

(والٹر ایک خانہ دار الماری کے پاس جاتا ہے۔ دراز کا قفل کھولتا ہے اور چیک بک لاکر دیتا ہے)۔

جیمس۔ اس کے مثنوں کی رقموں پر نشان کردو۔ پانچ۔ پچپن۔ سات۔ پانچ۔ اٹھائیس۔ بیس۔ نوے۔ گیارہ۔ باون۔ اکہتر۔ دیکھو اُن سب کی میزان ٹھیک ہے یا نہیں۔

والٹر ۔ (سر ہلاکر) کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ لیکن میں نے کل ہی تحقیق کرلیا تھا۔ چار سو سے زائد بقایا تھی۔

جیمس۔ ذرا چیک بک مجھے دے دو۔ (وہ چیک بک لے کر اس کے مثنوں کی رقموں کو شمار کرتا ہے۔ یہ نوّے کی کون سی رقم ہے؟

والٹر۔ کس نے برآمد کی ہے؟

جیمس۔ تمھیں نے۔

والٹر۔ (چیک بک لے کر) ساتویں جولائی۔ اُسی دن تو میں ٹرینٹن کا علاقہ دیکھنے گیا تھا۔ پچھلے ہفتے کا واقعہ ہے۔ جمعہ کا دن تھا۔ آپ کو یاد ہوگا میں سہ شنبہ کے روز واپس آگیا تھا۔ آہا۔ یہ دیکھیے ابا جان! میں نے صرف نو پاؤنڈ کا چیک کاٹا تھا۔ پانچ گنیاں سمتھر کو دینا تھیں۔ باقی جو کچھ بچا سفر میں خرچ ہوگیا۔ صرف نصف کراؤن کی کمی پڑی تھی۔

جیمس۔ (نہایت سنجیدگی سے) لاؤ ۔ اس نوّے پاؤنڈ والی چیک کو ذرا دیکھیں تو۔ (وہ پاس بک کے اندر رکھے ہوئے چیکوں کے گڈی کو ایک ایک کرکے نکالتا ہے) کوئی غلطی نہیں

معلوم ہوتی۔ مگر نو پاؤنڈ والی چک تو یہاں کوئی نہیں ہے۔ یہ کیا معما ہے؟ آخر اس نو پاؤنڈ کی چک کو کس نے بھنایا؟

والٹر۔ (ملول و متوحش ہوکر) لائیے۔ ذرا میں بھی دیکھوں۔ میں تو اُس وقت مسزریڈی کی وصیت کا مسودّہ ختم کررہا تھا۔ اور وقت بہت ہی تنگ تھا۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے میں نے اُسے مسٹر کوکسن ہی کو دے دیا تھا۔

جیمس۔ ذرا ان حروف کو دیکھو (لفظ نوّے کے آخری دو حروف کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے) کیا یہ تمھارے لکھے ہوئے ہیں؟

والٹر۔ (غورکرکے) نہیں ان کی شان خط ہی مختلف ہے۔ میرے حروف ذرا پیچھے کی طرف گھومے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ ویسے نہیں ہیں۔

جیمس۔ (اسی وقت کوکسن فالڈر کے کمرے سے واپس آجاتا ہے) ہمیں ان سے دریافت کرنا چاہیے۔ کوکسن! ذرا یہاں تو آیئے۔ اور یاد کرکے بتلایئے۔ گذشتہ ہفتے کے جمعہ کے دن آپ نے یا مسٹر والٹر نے کوئی چک بھنانے کے لیے تو نہیں دیاتھا۔ یہ اسی دن کا واقعہ ہے جب وہ ٹرنیٹن[1] گئے تھے۔

کوکسن۔ جی ہاں۔ بخوبی یاد ہے۔ نو پاؤنڈ کا چک دیاتھا۔

جیمس۔ ذرا اس مثنے کو تو دیکھیے (چک کا مثنی اُسے دے دیتا ہے۔)

کوکسن۔ جی نہیں! نوّے نہیں صرف نو پاؤنڈ کا چک تھا۔ میرا لنچ[2] بھی اُسی وقت آیاتھا۔ آپ جانتے ہیں مجھے کھانا گرم ہی پسند ہے۔ میں نے ڈیوس کو چک دے دی تھی کہ بنک جاکر بھنا لائے۔ وہی اس کو بھنا لایا تھا۔ سب نوٹ ہی نوٹ تھے۔ آپ کو تو یاد ہوگا۔ مسٹر والٹر! آپ کو گاڑی کا کرایہ دینے کے لیے کچھ خوردہ بھی درکار تھا۔ (ایک قسم کے حقارت آمیز ترحم کے ساتھ) مگر ذرا میں پھر تو دیکھوں! جی نہیں۔ یہ وہ چک نہیں ہے؟

وہ والٹر کے ہاتھ سے چک بک اور پاس بک لے لیتا ہے۔

والٹر۔ نہیں یہ وہی چک ہے۔

---

(۱) ایک مقام کا نام۔

(۲) دوپہر کا کھانا۔

کوکسن۔ (دوبارہ غور سے دیکھ کر) عجیب معاملہ ہے!
جیمس۔ تم نے اُس کو ڈیوس کو دیا۔ اور ڈیوس دوشنبے کو آسٹریا چلا گیا۔ مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے۔
کوکسن۔ (متوحش اور سراسیمہ ہوکر) جناب یہ تو صریح خیانت کا جرم ہے۔ مگر دیکھیے کچھ غلط فہمی تو نہیں ہوگئی ہے؟
جیمس۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔
کوکسن۔ انتیس سال سے میں آپ کے دفتر میں کام کررہا ہوں۔ لیکن ابھی تک کبھی ایسا موقع پیش نہیں آیا۔
جیمس۔ (چک اور مثنیٰ پر نظر ڈال کر) بڑی ہوشیاری سے رقم بدلی گئی ہے۔ تمھارے لیے یہ ایک تنبیہ ہے۔ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ ہندسے لکھنے کے بعد کبھی کوئی خالی جگہ چھوڑنا نہ چاہیے۔
والٹر۔ (چڑھ کر) جانتا تو میں بھی ہوں۔ لیکن کیا کروں۔ اس دن بڑی عجلت تھی۔
کوکسن۔ (چونک کر) میں تو اس وقت سخت پریشان ہوں۔ میری عقل کچھ کام ہی نہیں کرتی۔
جیمس۔ مثنیٰ کے ہندسے بھی بدل دیے گئے ہیں۔ بڑے دیدہ دلیری کے ساتھ جعل سازی ہوئی ہے۔ ڈیوس کس جہاز سے آسٹریا گیا ہے؟
والٹر۔ "سٹی آف رنگون" نامی جہاز سے۔
جیمس۔ ہمیں تار دے کر اُسے نیپلس ہی میں گرفتار کرالینا چاہیے۔ ابھی وہ وہاں پہنچا بھی نہ ہوگا۔
کوکسن۔ خدا اُس کی نوجوان بیوی پر رحم کرے۔ میں تو اُس کو بہت پسند کرتا تھا۔ مگر غضب ہی ہوگیا۔ اس دفتر میں ایسا واقعہ کبھی نہ ہوا تھا۔
والٹر۔ میں بنک جاکر خزانچی سے دریافت کروں؟
جیمس۔ (سختی کے لہجے میں) اُسے اپنے ساتھ ہی لیتے آؤ۔ اور ٹیلیفون سے اسکاٹ لینڈ یارڈ(۱) کو خبر کردو۔

---

(۱) لندن پولیس کے صدر دفتر کا نام ہے۔

والٹر۔ کیا واقعی پولیس کی امداد لینی ہوگی۔

وہ بیرونی دفتر سے باہر چلا جاتا ہے۔ جیمس کمرے میں ٹہلنے لگتا ہے۔ تھوڑی دیر میں وہ رک کر کوکسن کے طرف دیکھتا ہے جو اضطراب و تردد کی حالت میں اپنے پاجامہ کو گھٹنوں کے پاس رگڑ رہا ہے۔

جیمس۔ دیکھو۔ کوکسن! نیک چلنی بھی کوئی چیز ہے۔

کوکسن۔ (عینک اُٹھاکر اور اُس کے طرف غور سے دیکھ کر) میں جناب کا منشا نہیں سمجھا۔

جیمس۔ میں یہ کہہ رہاتھا کہ جو شخص تمھیں نہ جانتا ہو اُسے تمھارے بیان پر شمہ بھر اعتبار نہ ہوگا۔

کوکسن۔ جی ہاں۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے۔ (اتنا کہہ کر وہ ہنسنے لگتا ہے لیکن فوراً ہی ملول و سنجیدہ ہوجاتا ہے) مجھے اس نوجوان پر بڑا افسوس ہورہا ہے۔ مسٹر جیمس۔ مجھے اتنا رنج ہے کہ گویا وہ میرا ہی بیٹا ہے۔

جیمس۔ یہ نہایت ہی بیہودہ حرکت ہوئی ہے۔

کوکسن۔ جی ہاں۔ مفت میں خلجان ہوگیا۔ سارا کام باقاعدہ چل رہاتھا۔ کہ یکایک یہ واقعہ ظہور پذیر ہوگیا۔ بس یہ سمجھیے کہ مجھے آج کا کھانا حرام ہوگیا۔

جیمس۔ مگر اتنا پریشان ہونے سے کیا فائدہ؟

کوکسن۔ خواہ مخواہ تردد پیدا ہوہی جاتا ہے۔ (رازدارانہ انداز سے) معلوم ہوتا ہے بے چارہ کسی لالچ کے جال میں پھنس گیا ہے۔

جیمس۔ تم اس قدر جلد کیوں رائے قائم کیے لیتے ہو؟ ابھی تک تو اس پر جرم ثابت ہی نہیں ہوا ہے۔

کوکسن۔ جناب آج اگر مہینہ بھرکی پوری تنخواہ چوری چلی جاتی تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا کہ اس واقعہ سے ہوا ہے۔

جیمس۔ اُمید ہے کہ بنک کا خزانچی جلدہی آتا ہوگا۔

کوکسن۔ (خزانچی کی طرف حُسنِ ظن پیدا کرنے کی کوشش میں) آتا ہی ہوگا۔ فاصلہ تو پچاس گز کا بھی نہیں ہے۔ ایک ہی آدھ منٹ میں وہ یہاں پہنچ جائے گا۔

جیمس۔ اس دفتر کے متعلق بے ایمانی کے خیال ہی سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ کوکسن! مجھے

اس واقعہ کا سخت رنج ہے۔

وہ مالکوں کے کمرے کے دروازہ کی طرف جاتا ہے۔

سویڈل۔ (چپکے سے داخل ہوتا ہے اور آہستہ سے کوکسن سے کہتا ہے) جناب! وہ پھر آپہنچیں۔ کہتی ہیں کہ میں فالڈر سے ایک ضروری بات کہنا بھول گئی تھی۔

کوکسن۔ (ایک عالم محویت سے چونک کر) آہ۔ اس وقت! یہ ممکن نہیں ہے۔ تم اُس سے کہہ دو کہ یہاں سے فوراً ہی چلی جائے۔

جیمس۔ کیا ماجرا ہے؟

کوکسن۔ کچھ نہیں۔ مسٹر جیمس۔ ایک نجی بات ہے۔ میں خود ابھی آرہا ہوں۔ (وہ بیرونی دفتر میں جاتا ہے۔ اُسی وقت جیمس مالکوں کے کمرے میں چلا جاتا ہے) (وتھ سے مخاطب ہوکر کہتا ہے) تم پھر یہاں کیوں آئیں؟ اِس وقت کسی سے ملنے کا موقع نہیں ہے۔

وتھ۔ کیا جناب ایک منٹ کے لیے بھی اجازت نہ دیں گے۔

کوکسن۔ نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں اس کو کسی طرح گوارا نہیں کرسکتا ہوں۔ تمھیں اُن سے ملنا ہی ہے تو باہر ٹھہری رہو۔ تھوڑی دیر میں وہ کھانا کھانے کے لیے نکلیں گے۔

وتھ۔ بہت اچھا۔ جناب!

جیسے ہی وتھ بیرونی دفتر سے نکلتی ہے۔ والٹر خزانچی کو لیے ہوئے داخل ہوتا ہے۔

کوکسن۔ (خزانچی سے جو ایک سُست و مجہول سپاہی معلوم ہوتا ہے) بندگی عرض ہے۔ خزانچی صاحب (والٹرسے) آپ کے والد ماجد اس کمرے میں ہیں۔

والٹر اس کمرے سے ہوتا ہوا مالکوں کے کمرے میں جاتا ہے۔

کوکسن۔ مسٹر کاؤلی۔ معاملہ تو بہت ہی جزو ہے لیکن ہے نہایت افسوس ناک۔ میں نادم ہوں کہ آپ کو ناحق تکلیف اُٹھانی پڑی۔

کاؤلی۔ مجھے وہ چک بخوبی یاد ہے۔ میں نے اُسے بخوبی دیکھ لیا تھا۔ بالکل ٹھیک تھی۔

کوکسن۔ تشریف رکھیے نہ۔ میں ذکی الحس آدمی نہیں ہوں لیکن کسی دفتر میں بھی اس قسم کی واردات کا ہونا شرمناک ہے۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ سب لوگ مل جُل کر کشادہ دلی سے کام کریں اور ہنسی خوشی کے ساتھ زندگی بسر ہوجائے۔

کاؤلی۔ ہاں بات تو یہی ہے۔
کوکسن۔ (اُس کو باتوں میں لگاکر اور مالکوں کے کمرے کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر) سچی بات یہ ہے کہ یہ حضرت ابھی نوجوان ہیں کسی کی بات نہیں سنتے ہیں۔ میں بارہا سمجھا چکا ہوں کہ ہندسے لکھنے کے بعد خالی جگہ نہ چھوڑا کیجیے لیکن کچھ سماعت نہیں کرتے۔
کاؤلی۔ مجھے اس چک بھنانے والے کا چہرہ بخوبی یاد ہے۔ بالکل نوعمر شخص ہے۔
کوکسن۔ لیکن در حقیقت ہم اُس کو اس وقت آپ کے روبرو پیش نہیں کرسکتے۔
جیمس اور والٹر مالکوں کے کمرے سے واپس آجاتے ہیں۔
جیمس۔ بندگی عرض۔ مسٹر کاؤلی۔ آپ نے مجھے دیکھا ہے۔ میرے بیٹے کو دیکھا ہے۔ مسٹر کوکسن کو دیکھا ہے اور میرے چپراسی سویڈل سے بھی واقف ہیں۔ میں ...... میرا خیال ہے کہ ہم لوگوں میں سے کسی نے اس چک کو نہیں بھنایا۔
خزانچی۔ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلاتا ہے۔
جیمس۔ آپ یہاں تشریف رکھیے۔ کوکسن! آپ ذرا مسٹر کاؤلی سے بات چیت کریں
[وہ فالڈر کے کمرے میں جاتا ہے]
کوکسن۔ مسٹر جیمس مجھے آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔
جیمس۔ کہیے۔
کوکسن۔ آپ خود بھی اس نوجوان کو پریشان کرنا نہ چاہتے ہونگے؟ یہ بڑا نازک مزاج آدمی ہے۔ سنتے ہی بدحواس ہوجائے گا۔
جیمس۔ مگر اس معاملے کی پوری تحقیقات ہوجانا چاہیے۔ کوکسن! اگر تمھارے خیال سے نہیں تو خود فالڈر کی بدنامی کے لحاظ سے تحقیقات ضروری ہے۔
کوکسن۔ (تمکنت آمیز انداز سے) مجھے اپنی کچھ فکر نہیں۔ لیکن آج صبح یہ شخص ایک دفعہ پریشان ہوچکا ہے۔ اب اسے دوبارہ زحمت دینا مناسب نہ ہوگا۔
جیمس۔ یہ تو محض ضابطے کی کارروائی ہے۔ لیکن میں ایسے سنگین معاملے میں کسی کا بھی لحاظ نہیں کرسکتا۔
کوکسن۔ خیر۔ آپ مسٹر کاؤلی سے بات چیت کیجیے۔

وہ فالڈر کے کمرے کا دروازے کھولتا ہے۔

جیمس۔ فالڈر! بولٹر کے پٹے والے کاغذات لیتے آؤ۔

کوکسن۔ (خزانچی سے ذرا بلند لہجے میں) کیا آپ کو کتے پالنے کا شوق ہے؟

خزانچی کی آنکھیں دروازے کی طرف لگی ہوئی ہیں اور وہ اس بات کا کوئی جواب نہیں دیتا ہے۔

کوکسن۔ آپ اپنے بُل ڈاگ کا کوئی بچہ مجھے دے سکتے ہیں؟

کوکسن خزانچی کے چہرے کا رنگ دیکھ کر کچھ حواس باختہ سا ہوجاتا ہے۔ پھر کر دیکھتا ہے تو فالڈر دہلیز پر کھڑا ہوا نظر آتا ہے اور اُس کی آنکھیں کاؤلی پر اس طرح جمی ہوئی ہیں جیسے کسی خرگوش کی آنکھیں سانپ پر جم جاتی ہیں۔

فالڈر۔ (کاغذات کو لیے ہوئے آگے بڑھتا ہے) یہی کاغذات ہیں حضور!

جیمس۔ (کاغذات لے کر) شکریہ۔

فالڈر۔ کیا میں حاضر رہوں؟

جیمس۔ نہیں کوئی کام نہیں ہے۔

فالڈر گھوم کر اپنے کمرے میں واپس جاتا ہے۔ جیسے ہی وہ دروازے بند کرتا ہے جیمس خزانچی کی طرف پُر معنی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ (خزانچی سر ہلاکر ہاں کہتا ہے۔)

جیمس۔ آپ کو یقین ہے؟ لیکن ہم لوگوں کو اس پر شبہ بھی نہ تھا۔

کاؤلی۔ مگر مجھے تو یقینِ کامل ہے۔ اور وہ بھی مجھے دیکھتے ہی پہچان گیا ایسا نہ ہوکہ کمرے سے نکل کر بھاگ جائے۔

کوکسن۔ (تردّد سے) صرف ایک ہی کھڑکی ہے۔ جس کے آگے چھت ہے اور نیچے عمارت۔

فالڈر کے کمرے کا دروازے آہستہ سے کھلتا ہے اور فالڈر ہاتھ میں اپنی ہیٹ لیے ہوئے بیرونی دفتر کی طرف جانے کے لیے رخ کرتا ہے۔

جیمس۔ (آہستگی سے) کہاں جارہے ہو۔ فالڈر!

فالڈر۔ کھانا کھانے کے لیے۔ جناب۔

جیمس۔ ذرا رک جانا۔ مجھے اس پٹے کے متعلق تم سے کچھ پوچھنا ہے۔

فالڈر۔ بہت خوب!

وہ اپنے کمرے میں واپس جاتا ہے۔

کاؤلی۔ ضرورت ہو تو میں حلفیہ کہہ سکتا ہوں کہ اُسی آدمی نے چک بھنائی تھی۔ اُس دن لنچ کے پہلے سب کے آخر میں یہی چک میرے ہاتھ میں آئی تھی۔ دیکھیے اس کے عوض میں جو نوٹ دیے گئے تھے ان کے نمبر یہ ہیں۔

(وہ کاغذ کا ایک پُرزہ میز پر رکھ کر اپنی ہیٹ اُٹھا لیتا ہے) تسلیمات عرض۔

جیمس۔ تسلیمات۔

کاؤلی۔ (کوکسن سے مخاطب ہوکر) تسلیمات!

کوکسن۔ (وحشت زدہ ہوکر) تسلیم۔

خزانچی بیرونی دروازے سے باہر چلا جاتا ہے۔ کوکسن اپنی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہورہا ہے کہ وہ جذبات کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے اور کرسی ہی اس وقت اُس کے لیے عافیت کی جگہ معلوم ہورہی ہے۔

والٹر۔ اب آپ کا ارادہ کیا ہے؟

جیمس۔ میں اِسے گرفتار کراؤں گا۔ مجھے وہ چک اور اس کا مثنیٰ دے دو۔

کوکسن۔ میرے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا معاملہ ہے۔ میرا تو خیال تھا ڈیوس......

جیمس۔ دیکھیے سب معلوم ہوا جاتا ہے۔

والٹر۔ ذرا ٹھہریے۔ ابا جان! آپ نے اس کا نتیجہ بھی سوچ لیا ہے؟

جیمس۔ اُسے یہاں بلا لو۔

کوکسن۔ (بڑی مشکل سے اُٹھتا ہے اور فالڈر کے کمرے کا دروازے کھول کر۔ غم ناک آواز سے) ذرا ایک منٹ کے لیے یہاں چلے آئیے۔

فالڈر آتا ہے۔

فالڈر۔ (بے چینی کے لہجے میں) فرمائیے۔ ارشاد۔

جیمس۔ (چک کو ہاتھ میں لیے ہوئے۔ دفعتاً اُس کی طرف مخاطب ہوکر) کیوں فالڈر۔ تم نے یہ چک دیکھی ہے؟

فالڈر۔ جی نہیں۔

جیمس۔ غور سے دیکھو۔ تمھیں نے اُسے پچھلے ہفتے جمعہ کے دن بھنائی تھی۔

فالڈر۔ جی ہاں۔ یاد آگیا۔ مگر مجھے ڈیوس نے بھنانے کے لیے دی تھی۔
جیمس۔ اور تم نے روپے بھی ڈیوس ہی کو لاکر دے دیے ہوں گے؟
فالڈر۔ جی ہاں۔
جیمس۔ اور جب ڈیوس نے تم کو چک دی تھی تو کیا یہ بجنسہ ایسی ہی تھی؟
فالڈر۔ جی ہاں میرا تو یہی خیال ہے۔
جیمس۔ تم کو معلوم ہے۔ مسٹر والٹر نے اس چک میں صرف نو پاؤنڈ لکھے تھے۔
فالڈر۔ جی نہیں۔ نوے پاؤنڈ کی چک تھی۔
جیمس۔ نہیں۔ فالڈر۔ چک صرف نو پاؤنڈ کی لکھی گئی تھی۔
فالڈر۔ (مایوسانہ لہجے میں) میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔ جناب۔
جیمس۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ کسی شخص نے چک کے ہندسے تبدیل کردئے ہیں۔ یہ تمھارا فعل ہے یا ڈیوس کا؟ یہی بات اس وقت دریافت طلب ہے۔
فالڈر۔ کیا میں نے۔ میں نے......
کوکسن۔ سوچ سمجھ کر جواب دو۔ خوب غور کرلو پھر جواب دو۔
فالڈر۔ (ایک طرح کی بے حسی کے لہجے میں) یہ میرا کام نہیں ہے جناب!
جیمس۔ مسٹر والٹر نے یہ چک ایک بجے دوپہر کے وقت کوکسن کو دی تھی۔ یہ بات اس لیے معلوم ہے کہ اُسی وقت مسٹر کوکسن کا لنچ (دوپہر کا کھانا) آیا تھا۔
کوکسن۔ جس کو چھوڑ کر میں جانہیں سکتا تھا۔
جیمس۔ یہی بات ہے۔ اور اسی لیے انھوں نے چک ڈیوس کو بھنانے کے لیے دے دی۔ بہرحال۔ تم اُس کو ایک بج کر ۱۵منٹ پر بنک سے بھنا لائے۔ یہ اِس طرح معلوم ہوا کہ بنک کے خزانچی کو یاد ہے کہ لنچ کے پہلے یہی آخری چک اُس کے ہاتھ میں آئی تھی۔
فالڈر۔ جی ہاں مجھے یہ ڈیوس نے بھنانے کے لیے دی تھی کیوں کہ اُس روز وہ خود بنک نہ جاسکتا تھا۔ اُس کے چند احباب اُسے رخصتی دعوت دے رہے تھے۔
جیمس۔ (پریشان ہوکر) تو تم ڈیوس کو اس کا مجرم قرار دیتے ہو؟
فالڈر۔ میرے تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ جناب عجیب معاملہ ہے۔

والٹر اپنے باپ کے پاس آکر آہستہ سے کچھ اُس کے کان میں کہتا ہے۔

جیمس۔ ڈیوس تو گذشتہ ہفتہ کے شنبہ کے بعد پھر یہاں نہیں آیا۔ کیوں نہ؟

کوکسن۔ (نوجوان فالڈر کو مدد دینے کی خواہش میں وہ اس خیال سے ذرا مطمئن ہوجاتا ہے کہ شاید اُسی طرح اس کی گلو خلاصی کا موقع نکل آئے اور سب لوگ پھر بدستور خوش و خرم نظر آنے لگیں)۔ جی نہیں۔ وہ تو دوشنبہ ہی کو جہاز پر سوار ہوگیا۔

جیمس۔ کیوں فالڈر؟ تو شنبے کے بعد پھر وہ یہاں نہیں آیا۔

فالڈر۔ (سست آواز سے) جی۔ نہیں۔

جیمس۔ بہت اچھا۔ لیکن تم اس بات کا کیا جواب دیتے ہو کہ چک کے ثنیٰ میں نو کے سامنے یہ صفر یا تو منگل کے دن بڑھایا گیا یا اُس کے بعد۔

کوکسن۔ (متعجب ہوکر) یہ کیسے؟

فالڈر تیورا جاتا ہے۔ وہ اپنے تئیں بھنانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اُس کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں۔

جیمس۔ (ترش لہجے میں) کوکسن! مجھے تو یہ انھیں حضرت کا فعل معلوم ہوتا ہے۔ سہ شنبہ کی صبح تک مسٹر والٹر ٹرنیٹن سے واپس نہیں آئے تھے اور چک بک انھیں کے جیب میں تھی۔ کیوں فالڈر! کیا ایسی حالت میں بھی تم اس بات سے انکار کروگے کہ چک اور اس کے ثنیٰ دونوں میں تم ہی نے ہندسے تبدیل کیے؟

فالڈر۔ نہیں حضور! نہیں...... (ایک لمحے کی بعد ہی) جی ہاں۔ جناب! مجھی سے یہ خطا ہوگئی۔ مجھی سے......

کوکسن۔ (جذبات سے بے قابو ہوکر) افسوس۔ افسوس۔ تم بھی کیا بیہودہ حرکت کر بیٹھے؟

فالڈر۔ مجھے روپیوں کی سخت ضرورت تھی۔ یہ خیال بھی نہ ہوا کہ میں کیا کررہا ہوں۔

کوکسن۔ مگر یہ خیال تمھارے ذہن میں پیدا ہی کیسے ہوا؟

فالڈر۔ (الفاظ کا سہارا لے کر) جناب میرے ہوش بجا نہ تھے۔ کیا عرض کروں۔ ایک منٹ کے لیے پاگل ہوگیا تھا۔

جیمس۔ مگر فالڈر! تمھارا ایک منٹ کئی دن کے برابر تھا! (ثنیٰ کو کھڑکھڑا کر) کم سے کم چار دن تک تم پاگل ہی بنے رہے؟

فالڈر۔ حضور میں قسم کھاکر کہتا ہوں۔ اُس وقت مجھے کچھ خیال ہی نہ ہوا کہ کیا کررہا ہوں۔
بعد کو جب ہوش آیا کہ کتنا بڑا جرم مجھ سے سرزد ہو گیا ہے تو آپ سے یہ ماجرا
کہنے کی ہمت نہ پڑی۔ بہرحال اس دفعہ آپ معاف کردیں۔ میں روپئے ادا کردوں گا۔
آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کوڑی کوڑی بے باق کر دوں گا۔
جیمس۔ جاؤ۔ اِس وقت اپنے کمرے میں چلے جاؤ۔
فالڈر التجا آمیز نگاہوں سے دیکھتا ہوا اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے اور سب لوگوں پر خاموشی
کا عالم طاری ہوجاتا ہے۔
جیمس۔ اس سے زیادہ شرمناک اور کیا واقعہ ہوسکتا ہے؟
کوکسن۔ ایسا خلافِ قانون جرم اور اس دفتر میں!
والٹر۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ اب کیجیے گا کیا؟
جیمس۔ مقدمہ چلایا جائے گا۔ اور اس کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے؟
والٹر۔ مگر اتنا لحاظ کر لیجیے کہ یہ اُس کا پہلا قصور ہے۔
جیمس۔ مجھے اِس میں بہت شبہہ ہے۔ جس صفائی سے یہ جعل بنایا گیا ہے اس سے تو یہ کسی
تجربہ کار شخص کا کام معلوم ہوتا ہے۔
کوکسن۔ میری رائے میں تو یہ کسی فوری ترغیب کا شکار ہوگیا ہے۔
جیمس۔ کوکسن۔ زندگی میں ایسی ترغیبات روز ہی پیش آتی رہتی ہیں۔
کوکسن۔ جی ۔ ہاں۔ درست ہے۔ لیکن میں نفس اور شیطان کے ترغیب کا ذکر کررہا تھا۔ آج
صبح ایک عورت اس سے ملنے آئی تھی۔
والٹر۔ وہی عورت جو ابھی ابھی ہمیں آتے وقت ملی تھی۔ کیا وہ اُس کی بیوی ہے؟
کوکسن۔ جی نہیں۔ رشتہ تو کوئی نہیں ہے (اگر بے فکری کی معمولی حالت ہوتی تو شاید اس
نے آنکھوں سے کوئی مذاق آمیز اشارہ کیا ہوتا لیکن اس وقت اس سے اجتناب کرتا
ہے) اور وہ شادی شدہ بھی ہے۔
والٹر۔ یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟
کوکسن۔ وہ اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے آئی تھی۔ (منھ بناکر) سب باہر ہی کھڑے تھے۔
جیمس۔ واقعی یہ بڑا خراب آدمی نکلا۔

والٹر۔ میری رائے میں اس دفعہ اس کو معاف کردینا چاہیے۔ شاید پھر ایسی خطا نہ کرے۔
جیمس۔ معاف تو میں ہرگز نہ کروں گا۔ ذرا یہ بھی تو دیکھو کہ اُس نے کیسی ذلیل حرکت کی ہے۔ اُس کو معلوم تھا کہ اگر یہ معاملہ افشا ہوگیا تو ہم لوگوں کا شبہ نوجوان ڈیوس ہی پر ہوگا۔ یہ بالکل ایک اتفاقی بات تھی کہ چک بک تمھاری جیب میں پڑی رہ گئی۔
والٹر۔ معلوم ہوتا ہے کہ دم کی دم میں نیت بدل گئی اور شاید کچھ سوچنے سمجھنے کا بھی موقع نہیں ملا۔
جیمس۔ کسی ایماندار و نیک چلن شخص کی نیت اس طرح ایک منٹ میں نہیں بدل جایا کرتی ہے۔ مجھے تو یہ بالکل گیا گزرا ہوا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اُس کی آنکھیں بالکل اُس آدمی کی طرح ہیں جو روپیہ دیکھ کر اپنی طبیعت پر قابو نہیں رکھ سکتا ہے۔
والٹر۔ (خشک لہجہ میں) مگر اس سے پہلے یہ بات کبھی ہم لوگوں کے خیال میں نہیں آئی۔
جیمس۔ (والٹر کی بات کو نظر انداز کرکے) مجھے اپنے زمانے میں اس قسم کے آدمیوں سے بہت سابقہ رہا ہے۔ ان لوگوں کا اس کے سوائے اور کوئی علاج ہی نہیں ہے کہ ان کو آئندہ نقصان پہنچانے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔ اس قسم کے لوگ بالکل اندھے ہوتے ہیں۔ ان کی اصلاح ناممکن ہے۔
والٹر۔ قیدِ سخت کی سزا ہوجائے گی۔
کوکسن۔ خدا نہ کرے کسی کو جیل خانہ کے مصائب برداشت کرنا پڑیں۔
جیمس۔ (تذبذب کی حالت میں) میری سمجھ میں نہیں آتا ہے، کہ اس کو کیسے چھوڑا جاسکتا ہے۔ اب رہا دفتر میں ملازمت کا سوال۔ تو یہ بھی بالکل خارج از بحث ہے۔ کیوں کہ ہر قسم کے کاروبار کے لیے دیانت داری مقدم ہے۔
کوکسن۔ (اس قول کی حقیقت سے متاثر ہوکر) جی ہاں۔ اس میں کیا شک ہے۔
جیمس۔ اسی طرح یہ بات بھی خارج از بحث ہے کہ اُس کو دوسروں کے سر ڈال دیا جائے جو اس کے اطوار سے واقف نہیں ہیں۔ آخر دوسروں کے نفع نقصان کا خیال بھی ضروری ہے۔
والٹر۔ لیکن یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ہمیشہ کے لیے اسے داغی بنا دینا بھی کہاں تک

مناسب ہوگا۔

جیمس۔ اگر اُس نے پہلے ہی کل حال صاف صاف بیان کردیا ہوتا تو میں اُسے اس دفعہ معاف کردیتا۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ اور دیکھتے ہو کہ اُس کے اطوار بھی درست نہیں معلوم ہوتے۔

کوکسن۔ میرا منشا یہ نہیں ہے۔ میں نے تو صرف یہی کہا تھا کہ شاید بعض مجبوریاں پیش آگئی ہوں۔

جیمس۔ بات ایک ہی ہے۔ درحقیقت اُس نے خوب سوچ سمجھ کر نہایت ہوشیاری سے اپنے مالکوں کو دھوکا دیا ہے اور اس جعل سازی کا الزام ایک بے گناہ آدمی کے سر تھوپ دیا۔ اگر اس معاملے میں بھی عدالت کی مدد نہ لی جائے تو پھر اور کس میں لی جائے گی۔

والٹر۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ اس سے اس کی آئندہ زندگی خراب ہوجائے گی۔

جیمس۔ (طنز آمیز لہجہ میں) بھئی۔ تمھارے رائے میں تو کسی سے کبھی کوئی مواخذہ ہونا ہی نہ چاہیے۔

والٹر۔ (کسی قدر چڑھ کر) جی ہاں مجھے اس خیال سے نفرت ضرور ہے۔

کوکسن۔ مگر اپنے حقوق کی حفاظت کا خیال تو رکھنا ہی پڑے گا۔

جیمس۔ ان فضول باتوں میں وقت رائیگاں کرنے سے کیا فائدہ؟

[وہ مالکوں کے کمرے کی طرف جاتا ہے]

والٹر۔ ابا جان! ذرا اِس بے چارے کے نقطۂ خیال سے بھی اس معاملے پر غور کر لیجیے۔

جیمس۔ مجھ سے تمھارا یہ مطالبہ بیجا ہے۔

والٹر۔ مگر خدا معلوم اُس نے کس دباؤ میں پڑکر یہ حرکت کی ہو۔

جیمس۔ میری بات گرہ باندھ لو۔ بیٹا۔ کوئی مجبوری ہو یا نہ ہو، جب ایک دفعہ آدمی اس قسم کے جعل سازی کا ارادہ کرلیتا ہے تو وہ اُسے کرہی ڈالتا ہے۔ اور اگر وہ خود ایسا فعل نہ کرنا چاہے تو کوئی دوسرا شخص اُسے کبھی مجبور نہیں کرسکتا ہے۔

والٹر۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب پھر اس سے ایسی حرکت نہ ہوگی۔

کوکسن۔ اگر آپ کی رائے ہو تو میں اس سے بات چیت کرلوں۔ یہاں کسی کو کچھ اُس کی

زندگی خراب کرنا تو منظور نہیں ہے۔

جیمس۔ نہیں نہیں۔ کوکسن اس کی یہاں کس کو ضرورت ہے۔ لیکن اس بارے میں میں اپنی رائے قائم کرچکا ہوں۔

[وہ مالکوں کے کمرہ میں چلا جاتا ہے]

کوکسن۔ (ایک لمحہ کے پس و پیش کے بعد) آپ کے ابا جان کا فرمانا درست ہے اور میں بھی اُن کی مرضی کے خلاف کرنا نہیں چاہتا۔ وہ جو کچھ مناسب سمجھیں۔ ٹھیک ہے۔

والٹر۔ تم بھی کیا کہتے ہو۔ کوکسن! تمھیں میری تائید کرنی چاہیے تھی اور کیا تمھیں اُس کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے ......؟

کوکسن۔ (خود وارفتہ انداز سے) کیا کہوں اِس وقت میرے دل میں کیا کیا خیالات آرہے ہیں!

والٹر۔ بعد میں ہم سب پچھتائیں گے۔

کوکسن۔ بہرحال یہ تو اُسے معلوم ہی ہوگا کہ اس فعل کا نتیجہ کیا ہوگا؟

والٹر۔ (کسی قدر تلخی کے ساتھ) بھئی۔ رحم کرتے وقت بہت چھان بین کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔

کوکسن۔ آیئے۔ آیئے۔ مسٹر والٹر۔ ہمیں اس معاملے کے سب پہلوؤں پر غور کرلینا چاہیے۔

سویڈل۔ (ہاتھ میں طشت لیے ہوئے اندر آکر) کھانا حاضر ہے۔ جناب!

کوکسن۔ رکھ دو۔

سویڈل کوکسن کی میز پر کھانے کا طشت رکھ رہا ہے۔ اُسی وقت خفیہ پولیس کا مسٹر وسٹر بیرونی دفتر میں آتا ہے اور کسی کو وہاں نہ پاکر اندرونی دروازے میں چلا آتا ہے۔ وہ ایک موٹا تازہ میانہ قد کا آدمی ہے۔ ڈاڑھی مونچھیں صاف۔ نیلے سرج کا ایک پُرانا کوٹ اور مضبوط جوتے پہنے ہوئے ہے۔

وسٹر۔ (والٹر سے مخاطب ہوکر) جناب! میں اسکاٹ لینڈ یارڈ[1] سے آیا ہوں۔ خفیہ پولیس کا سارجنٹ ہوں۔ اور وسٹر میرا نام ہے۔

والٹر۔ (کنکھیوں سے دیکھ کر) بہت خوب! میں ابا جان سے جاکر کہہ دیتا ہوں۔

[وہ مالکوں کے کمرے میں چلا جاتا ہے اور مسٹر جیمس آتے ہیں]

---

(۱) لندن پولیس کے صدر دفتر کا نام ہے۔

جیمس۔ گڈمارننگ مسٹر وسٹر۔ (کوکسن کی ترحم آمیز و ملتجی نگاہوں سے متاثر ہوکر) مجھے سخت افسوس ہے اور اگر میرے امکان میں ہوتا تو اس قدر طوالت نہ ہونے پاتی۔ (سویڈل سے مخاطب ہوکر) اس دروازے کو کھول دو۔ (سویڈل متحیر اور خوف زدہ ہوکر دروازے کھولتا ہے) یہاں آؤ۔ مسٹر فالڈر۔

جیسے ہی فالڈر دبکتا ہوا اپنے کمرے کے باہر آتا ہے۔ جیمس کے اشارے پر خفیہ پولیس کا سارجنٹ اپنا ہاتھ بڑھا کر فالڈر کا بازو پکڑ لیتا ہے۔

فالڈر۔ (پیچھے ہٹ کر) ہائیں۔ ہائیں۔ یہ کیا؟

وسٹر۔ بس چپکے سے میرے ساتھ چلے آؤ۔

جیمس۔ یہی شخص خیانتِ مجرمانہ کا مرتکب ہوا ہے۔

فالڈر۔ آہ۔ جناب۔ میں نے یہ حرکت اپنے لیے نہیں کی۔ جو کچھ ہوا سب اس مصیبت زدہ عورت کی خاطر ہوا۔ کاش آپ مجھے کل تک اس کے تلافی کا موقع دے دیں۔

جیمس ہاتھ سے اُسے دور رہنے کا اشارہ کرتا ہے۔ اس کے بشرے کی سختی دیکھ کر فالڈر کی ہمت پست ہوجاتی ہے۔ وہ پیچھے پھرکر بلا عذر و حجت اپنے تئیں خفیہ پولیس کی گرفت میں دے دیتا ہے۔

اس کے بعد وہاں سے جیمس گردن اُٹھائے ہوئے چلا جاتا ہے۔ اس کے چہرہ سے خشکی و بے مروتی مترشح ہے۔ سویڈل تعجب سے منہ کھولے ہوئے لپک کر دروازے کی طرف جاتا ہے اور بیرونی دفتر سے ہوتا ہوا اُن کے پیچھے پیچھے غلام گردش تک آتا ہے۔ جب سب لوگ نظروں سے غائب ہوجاتے ہیں تو کوکسن متوحش ہوکر تیزی سے بیرونی دفتر کی طرف جاتا ہے۔

کوکسن۔ (بھاری آواز سے) ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ ذرا ٹھہرو۔ اَرے یہ کیا ہورہا ہے؟

سب طرف خاموشی طاری ہے۔ کوکسن رومال نکال کر اپنے چہرے کا پسینہ پوچھتا ہے اور آنکھیں بند کیے ہوئے میز کی طرف جاتا ہے اور کھانے کی طرف افسردہ نگاہوں سے دیکھتا ہے۔

[پردہ گرتا ہے]

دوسرا باب

دوسرا ایکٹ

عدالت کا اجلاس اور اکتوبر کی سہ پہر ہے۔ سردی کا موسم ہے اور کہرا چھایا ہوا ہے۔ وکیل۔ بیرسٹر۔ نامہ نگاران (رپورٹران) اخبار۔ ممبرانِ جوری اور چپراسی وغیرہ سب جمع ہیں۔ سامنے ملزموں کا مضبوط کٹہرا ہے جس میں فالڈر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے اِدھر اُدھر جیل کے دو چوکیدار ہیں جو اُس کی نگہبانی کے لیے تعینات کیے گئے ہوں لیکن بظاہر حال اُس کے طرف سے مطمئن معلوم ہوتے ہیں۔ فالڈر کے عین مقابل جج صاحب ایک بلند چبوترے پر بیٹھے ہوئے ہیں گویا کمرۂ عدالت کے شور وغل سے انھیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ درحقیقت وہ وہاں کی ہرایک بات سے بے خبر و بے پرواہ معلوم ہوتے ہیں۔

ہیرلڈ کلیور جو وکیلِ سرکار ہے ایک نحیف، زرد رُو آدمی ہے۔ اُس کی عمر ادھیڑ سے کچھ متجاوز ہوگی۔ اُس کی وگ (بالوں کی ٹوپی جو انگلستان میں وکلا کی پوشاک میں داخل ہے) بھی قریب قریب اُس کے چہرے کے ہم رنگ ہے۔ ہیکٹر فروم ملزم کا وکیل ہے۔ وہ ایک کشیدہ قامت نوجوان ہے۔ مونچھیں منڈی ہوئی ہیں اور بہت ہی سفید رنگ کی وگ زیبِ سر ہے۔ جیمس اور والٹرھو اور خزانچی کاؤلی کے بیانات ہوچکے ہیں اور اب وہ تماشائیوں کے وصف میں کھڑے ہوئے ہیں۔ خفیہ پولیس کا سارجنٹ وسٹر گواہوں کے کٹہرہ سے باہر نکل رہا ہے۔

کلیور۔ ”تاج کی طرف سے استغاثہ کے کل گواہ حضور کے سامنے پیش ہوچکے۔“ اتنا کہہ کر وہ اپنے چغے کو سمیٹ کر اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔

فروم۔ (اُٹھ کر اور اظہارِ ادب کے لیے عدالت کے روبرو سرخم تسلیم کرکے) حضوروالا۔ اور ممبرانِ جوری! مجھے اس امر کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں ہے کہ چک کے ہندسے ملزم ہی نے تبدیل کیے۔ لیکن میں آپ حضرات کے روبرو ملزم کی دماغی

حالت کے متعلق بعض شہادتیں پیش کرنا چاہتا ہوں اور یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تمام حالاتِ گرد وپیش پر نظر کرکے آپ اُسے اُس وقت اپنے افعال کا ذمہ دار سمجھنے میں حق بجانب نہ ہوں گے۔ درحقیقت میں یہ ثابت کردوں گا کہ ملزم سے یہ حرکت دماغی ہیجان کی حالت میں سرزد ہوئی ہے۔ اور واقعی وفورِ رنج وکثرتِ ترددات کے باعث وہ عارضی طور پر پاگل سا ہوگیا تھا۔ حضرات! ابھی ملزم کی عمر صرف تیس سال کی ہے۔ میں آپ کے روبرو ایک عورت کی شہادت پیش کروں گا جس سے آپ کو اس واقعہ کے متعلق مفصل حالات معلوم ہوجائیں گے۔ وہ آپ کو خود اپنی زبان سے اپنے زندگی کے دردناک حالت بتلائے گی۔ مگر ان حالات سے بھی زیادہ دردناک وہ خود رفتگی ہے جو اس عورت کے لیے ملزم کے دل میں پیدا ہوگئی ہے۔ حضرات! یہ عورت ایسے شوہر کے ساتھ اپنی مصیبت کے دن کاٹ رہی ہے جو ہمیشہ اُس کے درپے آزار رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اِس بدنصیب کو ہروقت اُس سے اپنی جان کا خطرہ رہتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایک نوجوان آدمی کے لیے کسی منکوحہ عورت سے ارتباط و محبت کا سلسلہ پیدا کرنا درست یا مناسب ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ اُسے اس مصیبت زدہ عورت کو اس کے شیطان صفت شوہر سے گلوخلاصی کرانے کا بھی کوئی حق حاصل ہے۔ لیکن یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ عشق و محبت کے جذبے میں کتنی قوتِ تحریک ہوتی ہے۔ حضرات! میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اُس کا بیان سنتے وقت آپ اس امر کو ضرور ملحوظ رکھیں کہ اُس کی شادی ایک شرابی، تندمزاج شوہر سے ہوئی ہے جس کے پنجے سے وہ کبھی آزاد نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ طلاق حاصل کرنے کے لیے جسمانی ایذا رسانی کے علاوہ شوہر سے ایک اور جرم کا سرزد ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اُس کے پاس شوہر کی طرف سے اس جرم کے ارتکاب کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

جج۔ مسٹر فورم۔ ان باتوں سے اس مقدمے کا کیا تعلق ہے؟

فروم۔ حضوروالا۔ بخوبی۔ میں اس کو ابھی حضور پر روشن کردوں گا......

جج۔ بہت اچھا۔

فروم۔ آپ یہ غور فرمائیں کہ ایسی حالت میں اُس کے لیے اور چارۂ کار ہی کیا تھا؟ یا تو وہ

اُس شرابی شوہر کے ساتھ رہ کر ہمیشہ اپنی جان کے خطرے میں رہتی یا عدالت سے علیحدہ رہنے کی اجازت حاصل کرتی۔ لیکن حضرات! ایسے مقدمات کے تجربے کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ اس طرح سے بھی وہ اس بدمزاج آدمی کے مظالم سے محفوظ نہ رہ سکتی۔ اور بفرض محال اگر یہ کارروائی موثر ثابت بھی ہوتی تو یا اُسے مجبوراً کسی محتاج خانے جانا پڑتا یا گلی کوچہ آوارہ گردی کرنی پڑتی۔ کیونکہ ایک عورت کے لیے جو کسی خاص ہنر یا صنعت سے واقف نہیں ہے کسی مستقل ذریعہ معاش کے بغیر اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کرنا کوئی آسان امر نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اُس کے لیے صرف دو ہی راستے کھلے ہیں یعنی یا تو وہ کسی محتاج خانے میں جائے یا...... اگر مجھے صاف صاف کہنے کی اجازت ہو ...... عصمت فروشی کرے۔

جج۔ مسٹر فروم! آپ اصل موضوع سے بہت دور جارہے ہیں۔

فروم۔ حضور میں ایک لمحے میں مطلب پر آیا جاتا ہوں۔

جج۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

فروم۔ حضرات! اب ذرا اس امر پر بھی غور فرمایئے۔ اور اسی بات کو واضح کرنے کی میں اس قدر کوشش کررہا ہوں۔ یہ عورت خود بھی اس کو بیان کرے گی اور ملزم سے بھی آپ کو اس امر کی تصدیق ہوجائے گی۔ کہ اِنھیں دردناک واقعات سے مجبور ہوکر جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ اس نوجوان کے دل میں اُس کے طرف سے محبت پیدا ہوگئی ہے تو اُس کی ساری اُمیدیں اس کی ذات سے وابستہ ہوگئیں اور آئے دن کی مصیبتوں سے نجات پانے کا اُسے یہی ایک راستہ نظر آیا کہ وہ اُس کے ساتھ کسی غیرملک میں چلی جائے جہاں اس کا کوئی شناسا نہ ہو اور جہاں یہ دونوں بظاہر میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکیں۔ بلاشبہ یہ ایک مایوسانہ عزم تھا جس کو یقیناً میرے دوست مسٹر کلیور (وکیل سرکار) بدچلنی سے موسوم کریں گے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اُس کے دل میں یہی خیال جاگزیں ہوگیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ کوئی جرم کسی دوسرے جرم کی معذرت کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور جن لوگوں کے لیے کسی ایسی مصیبت میں گرفتار ہونے کا امکان ہی نہیں ہے۔ انھیں یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اُسے سُن کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیں۔ لیکن مجھے اس کے متعلق جملہ حالات و

واقعات آپ کے روبرو پیش کردینا چاہیے۔ آپ حضرات! ملزم کے ان واقعاتِ زندگی پر جو رائے چاہیں قائم کریں۔ آپ کو اختیار ہے کہ کہ ان حالات کے ماتحت ان ہر دو نفوس سے جو قانونی خلاف ورزیاں مجبوراً ہوئی ہیں اُن کو جس نگاہ سے چاہیں دیکھیں۔ لیکن آپ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرسکتے ہیں کہ عالمِ مایوسی میں اس آفت رسیدہ عورت اور اُس کے دل و جان سے چاہنے والے نوجوان نے جو دراصل ابھی ایک نوعمر و ناتجربہ کار لڑکا ہے۔ کسی غیر ملک میں چلے جانے کا باہمی فیصلہ کیا۔ آپ اس فیصلے کو قابلِ اعتراض سمجھ سکتے ہیں لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ اس عزم بالجزم کے بعد اس کے تکمیل کے لیے ان لوگوں کو روپے کی سخت ضرورت تھی اور اُن کے ہاتھ بالکل خالی تھے۔ اب رہے ساتویں جولائی کے واقعات۔ جس روز اس چک کے ہندسے بدلے گئے ہیں۔ یہ آپ کو خود گواہانِ متعلقہ کے زبانی معلوم ہوجائیں گے۔ اسی شہادت کے بنا پر میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ ملزم پر ازخود رفتگی کی حالت طاری تھی۔ اُس کا دماغ بالکل معطل ہوگیا تھا۔ لہذا وہ ان واقعات کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اب صفائی کے پہلے گواہ "رابرٹ کوکسن" کا بیان سنیے۔

[وہ پیچھے پھرکر چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے۔ اور کاغذ کا ایک ورق اٹھاکر انتظار کرنے لگتا ہے]

کوکسن عدالت میں طلب ہوتا ہے۔ وہ ہاتھ میں ٹوپی لیے ہوئے گواہوں کے خانہ میں جاتا ہے اور اُسے حلف دیا جاتا ہے۔

فروم۔ آپ کا نام کیا ہے؟

کوکسن۔ رابرٹ کوکسن۔

فروم۔ کیا آپ "جیمس اینڈ والٹرھو" نامی قانونی مشیران کے دفتر کے مینیجنگ کلرک ہیں۔ جہاں یہ ملزم بھی ملازم ہے؟

کوکسن۔ جی ہاں۔

فروم۔ کتنے دنوں سے ملزم وہاں ملازم ہے؟

کوکسن۔ دوسال۔ نہیں۔ میں بھول گیا۔ سترہ دن کم دوسال سے۔

فروم۔ اِس دوران میں یہ برابر آپ ہی کے نگرانی میں اپنا کام انجام دیتے رہا؟
کوکسن۔ اتوار اور دوسری تعطیلات کے علاوہ میری ہی نگرانی میں کام کرتے رہا ہے۔
فروم۔ ہاں درست ہے۔ میں تعطیلات کا ذکر نہیں کرتا۔آپ یہ فرمایئے کہ اِس دو سال کے عرصے میں آپ نے اِس کے چال چلن کے متعلق کیا رائے قائم کی؟
کوکسن۔ (جوری کی طرف مخاطب ہوکر رازدارانہ لہجے میں۔ اور اس انداز سے گویا اِس سوال کی اُسے توقع ہی نہ تھی) وہ ایک خوش مزاج و سلیقہ شعار نوجوان ہے۔ اور مجھے اُس کے متعلق کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ اس کے برعکس میں اُس سے ہمیشہ خوش رہا۔ اور جب میں نے یہ سُنا کہ یہ فعل اُس سے سرزد ہوا ہے تو مجھے سخت تعجب ہوا۔
فروم۔ کیا آپ کو اُس کی دیانت پر کبھی شبہ کرنے کا موقع ملا؟
کوکسن۔ جی نہیں۔ ہمارے دفتر میں خیانت کا کیا کام ہے؟
فروم۔ مسٹر کوکسن! مجھے یقین ہے کہ اصحابِ جوری اس کا پورا لحاظ رکھیں گے۔
کوکسن۔ یہ بات تو ہر کاروباری شخص کو معلوم ہے کہ ایمانداری کے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا۔
فروم۔ آپ کے خیال میں اس کا چال چلن ہر حیثیت سے اچھا ہے یا نہیں؟
کوکسن۔ (جج کی طرف مخاطب ہوکر) بیشک اس کا چال چلن اچھا ہے۔ ہم سب لوگ اب تک نہایت لطف و خوبی سے اپنا اپنا کام کررہے تھے۔ مگر جب سے یہ واقعہ ہوا ہے میرے تو ہوش ہی اُڑ گئے ہیں۔
فروم۔ اچھا اب آپ کی توجہ ساتویں جولائی کے واقعات کی طرف دلاتا ہوں۔ جس روز چک کے ہندسے بدلے گئے۔ اُس روز صبح اُس کے انداز کیسے تھے؟
کوکسن۔ (جوری سے) اگر آپ مجھ سے پوچھتے ہیں تو میں تو یہی کہوں گا کہ اُس روز جب یہ حرکت سرزد ہوئی ہے وہ کچھ گھبرایا ہوا سا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اُسے سکونِ قلب حاصل نہیں ہے۔
جج۔ (ترش روئی سے) کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ وہ پاگل ہوگیا تھا؟
کوکسن۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ کچھ گھبرایا ہوا سا تھا۔

جج۔ براہِ مہربانی آپ کو جو کچھ کہنا ہو صاف صاف کہیے۔

فروم۔ (نرم لہجے میں) ہاں ہاں بتلایئے۔ مسٹر کوکسن۔ بتلا دیجیے۔

کوکسن۔ (کسی قدر بد دماغ ہوکر) میری رائے میں (جج کی طرف دیکھ کر) خواہ وہ غلط ہو یا صحیح اُس وقت اُس کے ہوش و حواس بجا نہ تھے۔ غالبًا صاحبانِ جوری میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے؟

فروم۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کن وجوہات پر آپ نے یہ رائے قائم کی ہے؟

کوکسن۔ جی ہاں۔ بتلا کیوں نہیں سکتا؟ میں دوپہر کے وقت اپنا کھانا قریب ہی کے ہوٹل سے منگایا کرتا ہوں۔ چاپ اور آلو منگا لیتا ہوں۔ اِس سے ذرا وقت کی بچت ہوجاتی ہے۔ اُس روز جیسے ہی مسٹر والٹرھو نے مجھے چک بھنانے کے لیے دی ویسے ہی میرا کھانا آیا۔ اور کھانا مجھے گرم ہی پسند ہے۔ اس لیے میں کلرکوں کے کمرے میں گیا اور ایک دوسرے کلرک کو جس کا نام ڈیوس ہے چک بھنانے کے لیے دے دی۔ نوجوان فالڈر اُس وقت بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا اور چونکہ یہ حرکت خلافِ معمول تھی اس لیے میں نے اُس سے کہا کہ بھئی فالڈر یہ کوئی چڑیا گھر نہیں ہے کہ تم اس طرح مٹرگشت کررہے ہو۔

فروم۔ آپ کو یاد ہے فالڈر نے اِس کا کیا جواب دیا تھا؟

کوکسن۔ جی ہاں۔ یاد ہے۔ اُس نے یہی کہا تھا کہ "کاش ایسا ہی ہوتا" مگر مجھے یہ جواب کچھ بے تکا سا معلوم ہوا۔

فروم۔ کیا آپ نے کوئی اور بات بھی خلافِ معمول دیکھی؟

کوکسن۔ جی ہاں۔

فروم۔ وہ کیا؟

کوکسن۔ اُس کے گلے کے بٹن بھی کھلے ہوئے تھے اور چونکہ میں نوجوان آدمیوں کو باتمیز و سلیقہ شعار دیکھنا پسند کرتا ہوں اس لیے میں نے اُسے ٹوکا کہ یہ تمھارے گلے کے بٹن کیسے کھلے ہوئے ہیں۔

فروم۔ پھر اُس نے اِس کا کیا جواب دیا؟

کوکسن۔ وہ میرے طرف گھورنے لگا اور اس وقت اس کی نگاہوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

جج۔ وہ آپ کے طرف گھورنے لگا؟ مگر یہ تو ایک معمولی سی بات ہے۔

کوکسن۔ ہاں بات تو معمولی ہی تھی لیکن اُس وقت اُس کی آنکھوں کا کچھ اور ہی رنگ تھا۔ شاید میں اپنا مطلب آپ کو ٹھیک نہیں سمجھا سکتا۔ خیر جو کچھ ہو۔ مجھے اُس کی نگاہیں کچھ عجیب معلوم ہوئیں۔

فروم۔ کیا آپ نے پہلے بھی کبھی اُس کی ایسی کیفیت دیکھی تھی؟

کوکسن۔ جی نہیں۔ اگر کبھی کوئی خاص بات ہوئی ہوتی تو میں مالکوں سے ضرور اُس کی شکایت کرتا۔ بھلا ہمارے دفتر میں دیوانوں اور مخبوط الحواسوں کی کہاں گنجائش ہے؟

جج۔ کیا آپ نے اِس موقع پر مالکوں سے شکایت کی تھی؟

کوکسن۔ (راز دارانہ انداز سے) جی نہیں۔ کافی وجہ اور شہادت کے بغیر میں نے اُن سے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

فروم۔ لیکن یہ بات آپ کو کھٹکی تو ضرور تھی؟

کوکسن۔ جی ہاں۔ صرف مجھی کو نہیں بلکہ ڈیوس کو بھی اور اگر وہ اِس وقت موجود ہوتا تو میرے بیان کی تائید کرتا۔

فروم۔ بیشک تائید کرتا لیکن بدقسمتی سے وہ یہاں موجود نہیں ہے۔ اچھا جس دن یہ جعل پکڑا گیا اُس روز کا کوئی خاص واقعہ آپ کو یاد ہے۔ جولائی کی اٹھارویں تاریخ تھی۔ کیا اُس دن بھی کوئی خاص بات ہوئی تھی؟

کوکسن۔ (اپنے کان پر ہاتھ رکھ کر) میں ذرا اونچا سُنتا ہوں۔

فروم۔ کیا اُس دن صبح کو اِس راز کے افشا ہونے کے قبل کوئی خاص واقعہ ہوا جس کی طرف آپ کی توجہ مبذول ہوئی تھی؟

کوکسن۔ جی ہاں۔ ایک عورت آئی تھی۔

جج۔ مسٹر فروم! اِس مقدمے سے اس واقعہ کا کیا تعلق ہے؟

فروم۔ حضور! میں اُس دماغی حالت کو واضح کرنا چاہتا ہوں جس کے زیرِ اثر ملزم سے یہ فعل سرزد ہوا۔

جج۔ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں لیکن آپ تو ارتکابِ جرم کے کئی دن بعد کے واقعات پوچھ رہے ہیں۔

فروم۔ حضور کا فرمانا بجا ہے۔ لیکن اُن واقعات سے میرے خیال کی تائید ہوتی ہے۔

جج۔ اچھا۔ پوچھیے۔

فروم۔ ابھی آپ نے کہا تھا کہ اُس دن صبح کو اُس کے پاس ایک عورت آئی تھی۔ کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ یہ عورت دفتر میں اُس سے ملنے آئی تھی؟

کوکسن۔ جی ہاں۔

فروم۔ کس لیے آئی تھی؟

کوکسن۔ فالڈر سے ملنا چاہتی تھی مگر فالڈر کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔

فروم۔ کیا آپ نے اُسے دیکھا تھا؟

کوکسن۔ جی ہاں۔ دیکھا تھا۔

فروم۔ کیا وہ بالکل تنہا تھی؟

کوکسن۔ (راز دارانہ انداز سے) یہ سوال پوچھ کر آپ مجھے دقت میں ڈال رہے ہیں۔ چپراسی نے جو کچھ مجھ سے کہا اُس کا بیان کرنا شاید میرے لیے نامناسب ہو۔

فروم۔ یہ ٹھیک ہے۔ مسٹر کوکسن...... ٹھیک ہے۔ تاہم ......

کوکسن۔ (اس انداز سے قطع کلام کرکے گویا وہ اپنے تیئں کافی سمجھدار اور فروم کو ابھی لڑکا ہی سمجھتا ہے) لیکن میرا خیال ہے کہ میں اس مشکل کو آسان کرسکتا ہوں۔ ایک غیر آدمی کے سوال کے جواب میں اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ میرے بچّے ہیں۔

جج۔ اُس نے کیا کہا تھا؟ میرے بچّے - میرے۔

کوکسن۔ جی ہاں۔ اُسی کے بچّے تھے۔ اور سب باہر کھڑے ہوئے تھے۔

جج۔ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟

کوکسن۔ حضور مجھ سے یہ نہ پوچھیں ورنہ جو کچھ مجھ سے کہا گیا تھا عرض کرنا پڑے گا۔ اور یہ مناسب نہ ہوگا۔

جج۔ (مسکراکر) کیا دفتر کے چپراسی نے کوئی خاص بات بیان کی تھی۔

کوکسن۔ جی ہاں۔

فروم۔ مسٹر کوکسن۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس وقت وہ آپ سے فالڈر سے ملنے کے لیے منت سماجت کررہی تھی اُس وقت اُس نے کوئی ایسی بات کہی تھی جو

آپ کو خاص طور پر یاد ہو ......
کوکسن۔ (اُس کی طرف اس انداز سے دیکھ کر گویا وہ اُسے اس جملہ کو ختم کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کررہا ہے) ذرا اور وضاحت سے کام لیجیے جناب!
فروم۔ کیا اس وقت اُس نے کوئی خاص بات کہی تھی؟
کوکسن۔ ہاں۔ کہی تھی۔ لیکن میں نہیں چاہتا کہ آپ اپنے سوال کے جواب میں مجھ سے وہ نقرے کہلوائیں۔
فروم۔ (قہرآلود مسکراہٹ کے ساتھ) صاحبانِ جوری کو تو بتا دیجیے کہ اُس نے کیا کہا تھا۔
کوکسن۔ یہی کہ "زندگی اور موت کا معاملہ ہے"۔
صدر جوری۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اُس عورت نے یہ الفاظ کہے تھے۔
کوکسن۔ (سرہلاکر) جی ہاں۔ مگر کون شخص اس قسم کی بات سننا پسند کرے گا؟
فروم۔ (کسی قدر بے صبری کے ساتھ) کیا اُس کی موجودگی میں فالڈر واپس آگیا تھا (کوکسن سرہلا کر ہاں کہتا ہے) اور وہ اُس سے مل کر واپس چلی گئی؟
کوکسن۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ کم سے کم میں نے اُسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔
فروم۔ تو کیا وہ ابھی تک وہیں بیٹھی ہے؟
کوکسن۔ (دل جوئی سے مسکراکر) جی نہیں۔
فروم۔ شکریہ۔ مسٹرکوکسن۔ (وہ بیٹھ جاتا ہے اور کلیور جرح کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔)
کلیور۔ آپ نے کہا ہے کہ جس روز یہ جعل سازی ہوئی ہے ملزم کچھ گھبرایا ہوا سا تھا۔ آپ کا ان الفاظ سے کیا مطلب ہے؟
کوکسن۔ (نرم لہجے میں) میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ میرا مطلب سمجھ لیں۔ کبھی آپ نے کسی ایسے کتے کو دیکھا ہے جس کا مالک گم ہوگیا ہو۔ بس اُس کی یہی حالت تھی اور وہ ہر طرف حسرت آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
کلیور۔ شکریہ۔ "اس" کے متعلق میں پوچھنے ہی والا تھا۔ آپ نے کہا ہے کہ وہ عجیب نگاہ سے آپ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟
کوکسن۔ جی ہاں۔ اُس وقت اُس کی نگاہ کچھ عجیب ہی تھی۔
کلیور۔ (تیزی سے) لیکن جو بات آپ کے لیے عجیب ہو ممکن ہے مجھے یا صاحبانِ جوری کو

عجیب نہ معلوم ہو۔ کیا اُس کی آنکھیں سہمی یا چونکی ہوئی تھیں؟ کیا ان سے شرمیلا پن ترشح ہو رہا تھا؟ یا وہ غضب آلود تھیں یا کچھ اور؟

کوکسن۔ اِس کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔ میں نے ایک بات بتلائی اور آپ اب اس کے بجائے مجھ سے کوئی دوسری بات کہلانا چاہتے ہیں۔

کلیور۔ (ڈسک پیٹ کر) کیا "عجیب" سے آپ کی مراد پاگل سے ہے؟

کوکسن۔ "پاگل" نہیں جناب! "عجیب"......

کلیور۔ خیر اس کو جانے دیجیے۔ آپ نے بیان کیا ہے کہ اس کے گلے کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ کیا اس دن گرمی زیادہ تھی؟

کوکسن۔ شاید تھی تو!

کلیور۔ اور کیا آپ کے کہنے پر اُس نے اپنے بٹن لگا لیے تھے؟

کوکسن۔ جہاں تک مجھے خیال ہے لگا لیے تھے۔

کلیور۔ کیا اس پر بھی آپ کہیں گے کہ اس سے ازخود رفتگی ظاہر ہوتی تھی؟

کلیور بیٹھ جاتا ہے۔ کوکسن نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا تھا لیکن وہ کچھ کہنے نہ پایا اور اس کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔

فروم۔ (جلدی سے اُٹھ کر) آپ نے اس قسم کی پریشانی میں اُسے پہلے بھی کبھی دیکھا تھا؟

کوکسن۔ جی نہیں۔ وہ ہمیشہ نہایت خاموش و باقاعدہ رہتا تھا۔

فروم۔ اچھا مسٹر کوکسن۔ شکریہ! مجھے اب آپ سے کچھ اور پوچھنا نہیں ہے۔

کوکسن جج کی طرف اس طرح دیکھتا ہے گویا وہ وکیلِ صفائی کو ملامت کررہا ہے کہ اس نے جج سے کیوں نہ پوچھ لیا کہ آپ کو بھی گواہ سے کچھ دریافت کرنا تو نہیں ہے۔ لیکن جب جج نے کوئی سوال نہ کیا تو وہ یہ سمجھ کر کہ اس کی شہادت واقعی ختم ہوگئی ہے اور اب اس سے کچھ اور نہ پوچھا جائے گا۔ کٹہرے سے اُترتا ہے اور جیمس اور والٹرھو کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔

فروم وتھ ہنی ول کا نام پکارتا ہے۔

وتھ عدالت میں آتی ہے اور چپ چاپ گواہوں کے کٹہرے میں کھڑی ہوجاتی ہے۔ اُس کو حلف دیا جاتا ہے۔

فروم۔ آپ کا نام؟
وتھ۔ وتھ ہنی ول۔
فروم۔ عمر؟
وتھ۔ چھبیس سال۔
فروم۔ آپ کی شادی ہوچکی ہے اور آپ اپنے شوہر ہی کے ساتھ رہتی ہیں نہ؟ ذرا بلند آواز سے جواب دیجیے۔
وتھ۔ جی نہیں۔ جولائی سے میں اُس کے ساتھ نہیں ہوں۔
فروم۔ آپ کے بچے بھی ہیں؟
وتھ۔ جی ہاں۔ دو بچے ہیں۔
فروم۔ کیا وہ آپ ہی کے ساتھ رہتے ہیں؟
وتھ۔ جی ہاں۔
فروم۔ آپ ملزم سے واقف ہیں؟
وتھ۔ (اُس کی طرف دیکھ کر) جی ہاں۔
فروم۔ اس کے ساتھ آپ کے کیسے تعلقات تھے؟
وتھ۔ دوستانہ۔
جج۔ دوستانہ تعلقات؟
وتھ۔ (سادگی سے) جی ہاں ایک دوسرے کے ساتھ محبت ہے۔
جج۔ (تیز لہجے میں) اس سے آپ کی کیا منشا ہے۔
وتھ۔ یہی کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت ہے۔
جج۔ اچھا تو کیا ......؟
وتھ۔ (سر ہلاکر) جی نہیں۔ ابھی تک کوئی اور بات نہیں ہوئی۔
جج۔ ابھی تک کوئی بات نہیں ہوئی؟ خوب! (وہ وتھ اور فالڈر دونوں کو غور سے دیکھتا ہے)
فروم۔ تمھارا شوہر کیا کام کرتا ہے؟
وتھ۔ سیر و سفر۔
فروم۔ اور شادی کے بعد آپ کی متاہل زندگی کس طرح بسر ہوئی؟

وتھ۔ (سر ہلا کر) کیا کہوں۔ اس کا ذکر ہی فضول ہے۔
فروم۔ کیا اُس کا برتاؤ آپ کے ساتھ اچھا نہیں ہے؟
وتھ۔ جی ہاں پہلے بچے کے پیدائش کے بعد ہی سے یہی کیفیت ہے۔
فروم۔ کیا کیفیت ہے؟ کچھ تفصیل سے بیان کیجیے۔
وتھ۔ یہ مجھ سے نہ پوچھیے۔ ایک بات ہو تو بتاؤں۔ ہر طرح سے مجھے ستاتا ہے۔
جج۔ میں اس کے متعلق مزید سوالات کی اجازت نہیں دے سکتا۔
وتھ۔ (فالڈر کی طرف اشارہ کرکے) جناب انھوں نے میری دستگیری کا وعدہ کیا تھا: ہم لوگ جنوبی امریکہ جانے کو تیار تھے۔
فروم۔ (جلدی سے) ہاں ٹھیک ہے۔ مگر اس میں کیا امر مانع ہوا۔
وتھ۔ میں دفتر کے باہر اِن کے انتظار میں کھڑی تھی کہ پولیس نے انھیں گرفتار کرلیا۔ کیا عرض کروں اس واقعے سے دل میں کیسی چوٹ لگی؟
فروم۔ تو آپ کو ان کے گرفتاری کا حال معلوم ہوگیا تھا؟
وتھ۔ جی ہاں۔ میں اُس کے بعد پھر دفتر گئی تھی۔ اور (کوکسن کی طرف اشارہ کرکے) ان صاحب نے مجھے سارا قصہ بتا دیا تھا۔
فروم۔ اچھا یہ بتلایئے کہ ۷رجولائی روز جمعہ کے واقعات آپ کو یاد ہیں؟
وتھ۔ جی ہاں۔
فروم۔ آپ کو ان کے یاد رکھنے کی کیا وجہ ہے؟
وتھ۔ اس لیے کہ اُسی روز میرے شوہر نے قریب قریب میرا گلا گھونٹ ہی دیا تھا؟
جج۔ گلا گھونٹ دیا تھا؟
وتھ۔ (تعظیم سے سر جھکاکر) جی۔ حضور۔
فروم۔ خود اپنے ہاتھوں سے یا......؟
وتھ۔ جی ہاں۔ مگر مین کسی طرح جان بچاکر بھاگ آئی۔ اور سیدھے اپنے دوست کے پاس چلی گئی۔ اُس وقت آٹھ بجے صبح کا وقت ہوگا۔
جج۔ صبح کے وقت؟ اس وقت تو تمھارا شوہر نشے میں نہ ہوگا؟
وتھ۔ ہر وقت نشہ ہی میں تھوڑے رہتے ہیں۔

فروم۔ اُس وقت خود تمھاری کیا حالت تھی؟
وتھ۔ بہت ہی خراب۔ میرے کپڑے پھٹ گئے تھے اور روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔
فروم۔ تم نے اپنے دوست سے یہ واقعہ بیان کیا تھا؟
وتھ۔ جی ہاں۔ مگر اب سوچتی ہوں کہ نہ کہتی تو اچھا ہوتا۔
فروم۔ تمھاری باتیں سن کر وہ گھبرا گیا ہوگا؟
وتھ۔ جی ہاں۔ بہت زیادہ گھبرا گیا تھا۔
فروم۔ کیا اس نے تم سے کبھی کسی چک کا کوئی ذکر کیا؟
وتھ۔ کبھی نہیں۔
فروم۔ کیا اُس نے تمھیں کبھی کچھ روپے دیئے؟
وتھ۔ جی ہاں۔
فروم۔ کس روز؟
وتھ۔ سنیچر کے دن۔
فروم۔ آٹھویں تاریخ کو؟
وتھ۔ جی ہاں۔ میرے اور لڑکوں کے کپڑے خریدنے اور سفر کی تیاری کرنے کے واسطے۔
فروم۔ اس سے تم کو کچھ تعجب ہوا تھا یا نہیں؟
وتھ۔ کس بات سے؟
فروم۔ یہی کہ اس کے پاس اتنے روپئے کہاں سے آئے؟
وتھ۔ جی ہاں کیونکہ اُس دن کا حال سن کر جب میرے شوہر نے قریب قریب میری جان ہی لے لی تھی یہ رو دئے تھے۔ اُس وقت اُن کے پاس اتنے روپے نہ تھے کہ مجھے کہیں باہر بھیج سکتے یا پہنچا آتے اُس کے بعد انھوں نے مجھ سے کہا کہ اتفاقیہ ایک رقم میرے ہاتھ آگئی ہے۔
فروم۔ اور تم سے آخری بار اس سے کب ملاقات ہوئی تھی؟
وتھ۔ جس دن یہ گرفتار ہوئے ہیں۔ اُسی دن ہم لوگ باہر جانے والے تھے۔
فروم۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اسی صبح کو گرفتاری ہوئی تھی! خیر یہ بتلایئے کہ جمعہ سے لے کر اس دن صبح تک تمھاری اُن سے کوئی ملاقات ہوئی؟ (وتھ سر کے اشارے سے ہاں کرتی ہے)

اُس وقت اس کے مزاج کی کیا کیفیت تھی؟
وتھ۔ بالکل گُم سُم تھے اور ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ منھ سے بات ہی نہیں نکلتی۔
فروم۔ کیا اِس کے انداز و اطوار سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہوگیا ہے؟
وتھ۔ جی ہاں۔
فروم۔ یہ رنجیدہ تھا یا خوش؟
وتھ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بدقسمتی ان کے سر پر منڈلا رہی ہے۔
فروم۔ (ہچکچاتا ہوا) اب یہ بتلائیے کہ آپ کو فالڈر سے بہت زیادہ محبت ہے؟
وتھ۔ (سر جھکاکر) جی ہاں۔
فروم۔ اور کیا یہ بھی آپ کو بہت چاہتا ہے؟
وتھ۔ (فالڈر کی طرف دیکھ کر) جی ہاں۔
فروم۔ اب یہ بتلائیے کہ آپ کے خیال میں اگر آپ کا کسی خطرہ یا مصیبت سے سامنا ہوتو اس کے حواس باختہ ہوجائیں گے یا نہیں۔
وتھ۔ جی ہاں۔
فروم۔ کیا آپ کے خطرہ یا مصیبت کے خیال سے اس کی عقل میں بھی فتور آجائے گا؟
وتھ۔ میرا خیال تو یہی ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے ضرور یہی حالت ہوجائے گی۔
فروم۔ یہ جمعہ کے صبح کو پریشان تھا یا معمولی طور پر مطمئن؟
وتھ۔ یہ سخت پریشان تھے۔ اتنے پریشان کہ میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ میں انھیں اپنے گھر سے کہیں جانے دوں۔
فروم۔ کیا اب بھی آپ کو اس کے ساتھ ایسی ہی محبت ہے؟
وتھ۔ (فالڈر کی طرف دیکھ کر) میرے ہی لیے تو یہ تباہ ہوئے ہیں۔
فروم۔ بہت اچھا۔ شکریہ۔
فروم بیٹھ جاتا ہے۔ وتھ استقلال کے ساتھ کٹہرے میں کھڑی رہتی ہے۔
کلیور۔ (دل جوئی کے لہجے میں) جب جمعہ کے روز ساتویں تاریخ کو آپ اس کے پاس چلی آئیں تو اُس وقت جہاں تک میرا خیال ہے آپ یہ نہ کہیں گی کہ وہ جنون کی حالت میں تھا۔

وتھ۔ جی نہیں۔ ایسی حالت نہ تھی۔

کلیور۔ شکریہ۔ مجھے اب آپ سے کوئی اور سوال پوچھنا نہیں ہے۔

وتھ۔ (ذرا آگے کو صاحبانِ جوری کی طرف جھک کر) میں بھی ان کے لیے سب کچھ کرگزرتی۔

جج۔ خیر اب اس کو جانے دو۔ تم نے کہا تھا کہ شادی کے بعد تمھاری زندگی ناخوشی سے گزری۔ بہرحال دونوں ہی کا قصور ہوگا؟

وتھ۔ میری اتنی ہی خطا ہے کہ میں کبھی اس سے دبی نہیں۔ اور کبھی اس کی خوشامد نہیں کی۔ سچ پوچھیے تو کس دل سے کوئی ایسے آدمی کی خوشامد کرسکتا ہے۔

جج۔ تو کیا تم کو اس کی بات ماننے سے انکار تھا؟

وتھ۔ (اس سوال کو ٹال کر) میں نے ہمیشہ اپنے امکان بھر اُسے خوش رکھنے کی کوشش کی۔

جج۔ ملزم سے ملنے کے قبل تک۔ کیوں نہ؟

وتھ۔ جی نہیں۔ اس کے بعد بھی۔

جج۔ یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ میری دانست میں ملزم کے ساتھ تمھیں جو محبت ہے اُسے تم اپنے لیے باعث فخر سمجھتی ہو۔

وتھ۔ (کسی قدر جھجک کے ساتھ) جی ہاں فخر تو ہے۔ اور اس کے سوائے مجھے زندگی کی اور کس بات پر فخر ہوسکتا ہے۔

جج۔ (اس کی طرف غور سے دیکھ کر) اچھا اب آپ جاسکتی ہیں۔

وتھ فالڈر کی طرف دیکھتی ہے اور آہستہ سے نیچے اُتر کر دیگر گواہوں کے پاس بیٹھ جاتی ہے۔

فروم۔ حضور میں اب ملزم کو بیان دینے کے لیے طلب کرنا چاہتا ہوں۔

فالڈر ملزموں کے کٹہرے سے نکل کر گواہوں کے کٹہرے میں آکر حلف اُٹھاتا ہے۔

فروم۔ تمھارا نام کیا ہے؟

فالڈر۔ ولیم فالڈر۔

فروم۔ اور عمر؟

فالڈر۔ تیئس سال۔

فروم۔ شادی ہوگئی ہے؟

[فالڈر سر ہلاتا ہے۔]

فروم۔ آخری گواہ کو کتنے عرصے سے جانتے ہو؟

فالڈر۔ چھ مہینہ سے۔

فروم۔ تمھارے ساتھ تعلقات کے بابت اس نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ صحیح ہے؟

فالڈر۔ جی ہاں۔

فروم۔ بہر حال تم بھی اس پر دل و جان سے شیدا ہو؟

فالڈر۔ جی ہاں۔

جج۔ حالانکہ تم کو معلوم تھا کہ یہ ایک شادی شدہ عورت ہے؟

فالڈر۔ حضور میں اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکا۔

جج۔ تم دل پر قابو نہ رکھ سکے!

فالڈر۔ جی ہاں۔ کچھ عجب مجبوری ہوگئی۔

[جج کسی قدر اپنے کندھے ہلاتا ہے۔]

فروم۔ تمھاری جان پہچان کس طرح شروع ہوئی؟

فالڈر۔ میری شادی شدہ بہن کے ذریعے۔

فروم۔ کیا تمھیں معلوم تھا کہ یہ اپنے شوہر سے خوش نہیں ہے؟

فالڈر۔ یہ مصیبت تو اس پر ہمیشہ ہی سے تھی۔

فروم۔ تم اس کے شوہر کو جانتے ہو؟

فالڈر۔ اسی کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ پورا وحشی ہے۔

جج۔ میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ عدالت میں کسی شخص کو اس کی عدم موجودگی میں مطعون کیا جائے۔

فروم۔ (سر تسلیم خم کرکے) بہت خوب حضور! (فالڈر سے مخاطب ہوکر) تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ تمھیں نے اُس چک کے ہندسے تبدیل کیے؟

[فالڈر اپنا سر جھکا لیتا ہے۔]

فروم۔ اچھا اب تم اُس روز جمعہ کے واقعات یاد کرکے صاحبانِ جوری سے کل حالات مفصل

بیان کردو۔

فالڈر۔ (جوری کی طرف مخاطب ہوکر) میں صبح کا ناشتہ کھا رہا تھا جب یہ میرے پاس آئی۔ اس کے کپڑے تار تار ہوگئے تھے۔ اور بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ بلکہ اس کے منھ سے آواز بھی مشکل ہی سے نکل سکتی تھی۔ گلے میں اس کے شوہر کی انگلیوں کے نشانات پڑے ہوئے تھے۔ اور ایک بازو تو بالکل ہی چھِل گیا تھا۔ آنکھوں میں بُری طرح سے خون جم گیا تھا۔ میں تو یہ حالت دیکھ کر کانپ ہی اٹھا۔ اور اس کی زبانی سارا واقعہ سننے کے بعد مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ میں اُسے برداشت ہی نہ کرسکوں گا اور (دفعتاً جوش میں آکر) اگر آپ کے دل میں بھی اس کے ساتھ وہی محبت ہوتی جو مجھے ہے تو آپ کی بھی یہی کیفیت ہوجاتی۔

فردم۔ اچھا پھر کیا ہوا؟

فالڈر۔ جب یہ میرے پاس سے چلی گئی۔ کیونکہ مجھے دفتر جانا تھا۔ تو میں بہت ہی بے قرار ہوگیا۔ اور یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں وہ پھر اس کے ساتھ وہی حرکت نہ کر بیٹھے۔ چنانچہ میں اس آفت سے اُسے بچانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اس روز دن بھر دفتر کا کام تو کچھ ہوہی نہ سکا۔ اور صبح سے لے کر دوپہر تک کسی کام میں بھی طبیعت نہ لگی۔ لاکھ کوشش کی لیکن دل کی بے کلی دُور ہی نہ ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سوچنے کی طاقت ہی سلب ہوگئی ہے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا اور سر میں چکر آرہے تھے۔ اس وقت دوسرے کلرک ڈیوس نے مجھے یہ چک دے کر کہا "کہ ذرا اس کو لے کر دوڑ تو لگا آؤ۔ ابھی تمھاری طبیعت بحال ہوئی جاتی ہے۔ تم آج صبح ہی سے نڈھال سے ہو رہے ہو" جیسے ہی میرے ہاتھ میں چک آئی معلوم نہیں کس طرح دل میں فوری خیال پیدا ہوا کہ اگر "نو" کے ہندسے کے آگے ایک صفر اور اس کے لفظ کے آگے صرف "ے" بڑھا دیا جائے تو وتھ کا کام نکل جائے۔ یہ خیال فوری طور پر دماغ میں آیا اور نکل گیا۔ اُس وقت میں نے اُس پر کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا لیکن بعد کو جب ڈیوس دوپہر کا کھانا کھانے چلاگیا۔ تو مجھے یاد نہیں آتا کہ میں نے کیا کیا مگر اتنا خیال ہے کہ جب میں نے خزانچی کے کٹہرے کے اندر چک بڑھائی اور خزانچی نے مجھ سے پوچھا کہ "کیا نوٹ لوگے"؟ اُس

وقت مجھ کو اپنے فعل کا خیال آیا۔ اور جب میں بنک کے باہر نکل آیا تو جی چاہتا تھا کہ کسی موٹر لاری کے نیچے جاکر لیٹ رہوں۔ یا روپے اٹھا کر کہیں پھینک دوں۔ لیکن پھر خیال ہوا کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اب کیوں نہ اس رقم سے وتھ ہی کو اس کے شوہر کے پنجے سے آزاد کردیا جائے۔ مگر افسوس یہاں سے جانے کے لیے جو ٹکٹ خریدے اور تھوڑا بہت روپیہ جو وتھ کو ضروریاتِ سفر کے لیے دیا وہ سب بیکار ہوا بہرحال اس رقم کے علاوہ جو مجھے مجبوراً خرچ کرنا پڑی اور جو کچھ باقی بچا۔ میں نے سب کا سب واپس کر دیا ہے۔ اور اُس وقت سے اب تک برابر یہی سوچ رہا ہوں کہ مجھ سے یہ فعل کیسے سرزد ہوا۔ کاش اب بھی اُس کا نہ کرنا میرے اختیار میں ہوتا۔

فالڈر ہاتھوں کو ملتا ہوا خاموش ہوجاتا ہے۔

فروم۔ تمھارے دفتر سے بنک کتنی دور ہے؟

فالڈر۔ پچاس گز سے زیادہ فاصلہ نہ ہوگا۔

فروم۔ کیا تم بتلاسکتے ہو کہ جب ڈیوس کھانا کھانے گیا تو تم نے کتنی دیر کے بعد بنک جاکر یہ چک بھنائی ہے؟

فالڈر۔ چار منٹ سے زیادہ نہ لگے ہوں گے۔ کیونکہ میں راستے بھر دوڑتا ہی گیا تھا۔

فروم۔ ان چار منٹوں کے درمیان کی کوئی بات تمھیں یاد نہیں ہے؟

فالڈر۔ بس یہی یاد ہے کہ بنک تک میں دوڑتا ہوا گیا تھا۔ اس کے سوائے اور کوئی بات یاد نہیں آتی۔

فروم۔ چک میں ''ے'' اور ''صفر'' بڑھانے کا بھی خیال نہیں ہے؟

فالڈر۔ جی نہیں۔ مجھے واقعی کوئی بات یاد نہیں آتی ہے۔

فروم بیٹھ جاتا ہے اور کلیور جرح کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔

کلیور۔ لیکن تمھیں بنک تک دوڑنا یاد ہے؟

فالڈر۔ میں بنک پہنچتے پہنچتے ہانپنے لگا تھا۔

کلیور۔ مگر تمھیں چک کے ہندسے بدلنے کا خیال نہیں ہے؟

فالڈر۔ (بہت آہستہ سے) جی نہیں۔

کلیور۔ خیر اب یہ بتاؤ کہ میرے معزز دوست نے اس معاملہ میں حسن و عشق کا جو رنگ دیا ہے اُس سے قطع نظر کر کے تمھارے اس فعل اور جعل سازی میں کیا فرق ہے؟

فالڈر۔ جناب۔ اُس دن میری حالت نیم دیوانگی کی تھی۔

کلیور۔ خیر اب یہ بتاؤ کہ تم کو اس سے تو انکار نہیں کہ تم نے چک میں جو "ے" اور "صفر" بنایا وہ چک کے باقی تحریر سے اس قدر مشابہ ہے کہ خزانچی بھی دھوکا کھا گیا؟

فالڈر۔ یہ محض ایک اتفاقیہ امر تھا۔

کلیور۔ (بشاس ہوکر) واقعی عجیب اتفاق ہے! اچھا چک کے مٹنے کے ہندسے تم نے کس دن تبدیل کیے؟

فالڈر۔ (سر جھکا کر) چہارشنبہ کی صبح کو۔

کلیور۔ کیا یہ بھی ایک اتفاقیہ امر تھا؟

فالڈر۔ (آہستہ سے) جی نہیں۔

کلیور۔ میں سمجھتا ہوں کہ اُس کے لیے تم خاص طور پر موقع کی تلاش میں رہے ہوگے؟

فالڈر۔ (اس قدر آہستہ سے کہ مشکل سے آواز سُنائی دیتی ہے) جی ہاں۔

کلیور۔ لیکن یہ تو تم بھی نہیں کہہ سکتے کہ جس وقت تم نے یہ حرکت کی اُس وقت بھی تمھارے ہوش حواس بجا نہ تھے۔

فالڈر۔ میں ہر وقت خوف زدہ ہی رہتا تھا۔

کلیور۔ اس بات کا خوف رہتا ہوگا کہ کہیں گرفتار کر لیے جاؤ۔

فالڈر۔ (بہت آہستہ سے) جی ہاں۔

جج۔ مگر تمھارے ذہن میں یہ بات کیوں نہیں آئی کہ تمھارے لیے اِس کے سوائے اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ تم اپنے مالکوں سے اقبالِ جرم کر کے اُن کے روپے واپس کر دو۔

فالڈر۔ میں بہت خوف زدہ ہو گیا۔

[تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا جاتی ہے۔]

کلیور۔ تمھاری یہ خواہش بھی ضرور ہوگی کہ اب اس عورت کو بھگا لے جانے کی تجویز پوری ہو جائے تو بہتر ہے۔

فالڈر۔ ایسا سنگین جرم سرزد ہوجانے کے بعد یہ ضرور خیال آیا کہ گناہ بے لذت کیوں رہے۔ شاید اُس وقت ضرورت ہوتی تو میں دریا میں بھی کود پڑتا۔

کلیور۔ یہ تو تمھیں معلوم ہی تھا کہ ڈیوس جلد ہی انگلستان سے جانے والا ہے۔ پھر جب تم نے چک کے ہندسے بدلے تو یہ بھی خیال آیا ہوگا کہ اس کا شبہ ڈیوس ہی پر ہوگا۔

فالڈر۔ سارا واقعہ چشمِ زدن ہی میں ہوگیا اور یہ تمام باتیں بعد میں ذہن میں آئیں۔

کلیور۔ پھر بھی تم نے اپنے مالکوں کو اس کی کوئی اطلاع نہیں دی؟

فالڈر۔ (افسوس کے لہجے میں) میرا ارادہ تھا کہ وہاں پہنچ کر میں انھیں سب حالات لکھ دوں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی روپے بھی واپس کردیتا۔

جج۔ لیکن اس اثناء میں بہت ممکن تھا کہ تمھارا بے گناہ ساتھی (یعنی دوسرا کلرک) ماخوذ ہوجاتا۔

فالڈر۔ حضور مجھے معلوم تھا کہ اب وہ دور دراز چلاگیا ہے۔ اسی لیے میں سمجھتا تھا کہ مجھے روپیہ واپس کرنے کے لیے کافی وقت مل جائے گا۔ یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ معاملہ اس قدر جلد افشا ہوجائے گا۔ اور اتنی طوالت ہوگی۔

فروم۔ میں حضور کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ڈیوس کے روانہ ہونے کے بعد تک چک بک مسٹر والٹرھو کے جیب ہی میں پڑی رہی اور اگر ایک دن بعد یہ معاملہ افشا ہوتا تو فالڈر بھی چلاگیا ہوتا اور پھر شروع سے اُسی پر شبہ ہوتا نہ کہ ڈیوس پر۔

جج۔ سوال تو یہ ہے کہ کیا ملزم کو بھی اُس کا علم تھا کہ شبہ ڈیوس پر نہیں بلکہ اُسی پر ہوگا۔ (فالڈر سے مخاطب ہوکر کسی قدر ترش لہجے میں) کیا تمھیں یہ معلوم تھا کہ ڈیوس کے چلے جانے کے بعد تک چک بک مسٹر والٹرھو کے جیب ہی میں پڑی رہی؟

فالڈر۔ میں...... میں نے...... خیال کیا کہ وہ ......

جج۔ صاف صاف کہو۔ ہاں یا نہیں؟

فالڈر۔ (بہت آہستہ سے) جی نہیں۔ حضور۔ میں یہ کیسے جان سکتا تھا؟

جج۔ مسٹر فروم! اب آپ کا یہ عذر بھی ختم ہوگیا۔

(فروم جج کے روبرو گردن تسلیم خم کرتا ہے)

کلیور۔ کیا اس کے قبل کبھی اور بھی تم سے اس قسم کی خطا ہوئی ہے؟
فالڈر۔ (دبی آواز سے) جی نہیں۔
کلیور۔ شام تک تمھاری طبیعت اتنی سنبھل گئی تھی کہ تم دفتر جانے کے قابل ہوگئے تھے؟
فالڈر۔ جی ہاں مجھے روپے دینا تھے۔
کلیور۔ تمھارا مطلب انھیں نو پونڈ سے ہے۔ لیکن تمھارے حواس اتنے ضرور بجا تھے کہ تمھیں اتنی بات ابھی تک یاد ہے۔ پھر بھی کیا تم یہی کہے جاؤگے کہ تمھیں چک کے ہندسے بدلنے کا خیال نہیں ہے۔
فالڈر۔ میں پاگل ہوگیا تھا ورنہ اِس قدر ہمت ہی نہ پڑتی۔
فروم۔ (اُٹھ کر) کیا دفتر واپس جانے سے پہلے تم نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا؟
فالڈر۔ میں اُس روز تمام دن بے آب و دانہ رہا اور ساری رات آنکھوں ہی میں کٹی تھی۔
فروم۔ اچھا! ڈیوس کے چلے جانے کے بعد سے چک بھناتے تک۔ چار منٹ کا جو وقفہ ہوا۔ اس کی کوئی خاص بات تمھیں یاد ہے؟
فالڈر۔ (ایک لمحہ سوچ کر) مسٹر کوکسن کے چہرے کا خیال آرہا تھا۔
فروم۔ مسٹر کوکسن کے چہرے کا خیال! کیا اس واقعہ سے اس کا بھی کچھ تعلق ہے؟
فالڈر۔ جی نہیں۔
فروم۔ کیا یہ چک بھنانے کے لیے بنک جانے سے پہلے دفتر ہی کا واقعہ ہے؟
فالڈر۔ جی ہاں۔ اور اِس وقت بھی جب میں بنک کو دوڑا جارہا تھا۔
فروم۔ یہ حالت اُس وقت تک رہی جب خزانچی نے پوچھا کہ "نوٹ لوگے"؟
فالڈر۔ جی ہاں۔ اور پھر ایسا معلوم ہوا کہ یکایک ہوش بجا ہوگئے لیکن اُس وقت بہت دیر ہوگئی تھی۔
فروم۔ شکریہ۔ (جج سے مخاطب ہوکر) حضور صفائی کے گواہ ختم ہوگئے۔
جج سر ہلاتا ہے۔ اور فالڈر ملزموں کے کٹہرے میں جاکر اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔
فروم۔ (اپنے کاغذات سنبھال کر) حضور والا۔ اور صاحبانِ جوری! میرے لائق دوست (وکیلِ سرکار) نے اپنی جرح میں جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ اُس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مقدمے کی صفائی کا مضحکہ اُڑانا چاہتے ہیں۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں

کوئی عذر نہیں ہے کہ اگر اس شہادت سے جو آپ کے روبرو پیش کی گئی ہے آپ کو یہ یقین نہیں ہوگیا ہے کہ ملزم سے یہ فعل ایسی حالت میں سرزد ہوا جب وہ عملاً اور عقلاً اپنے فعلوں کا ذمہ دار نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ تو پھر جو کچھ بھی میں ملزم کے بریت کے متعلق کہوں گا اُس کا آپ کے دلوں پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ اقدامِ جرم کے وقت دراصل مجرم کے دماغ کی وہ کیفیت تھی جس میں عقل و اخلاق اور نیک و بد سمجھنے کی تمیز انسان سے رخصت ہوجاتی ہے۔ اُس شدید جذباتی ہیجان کے لحاظ سے جس کی وجہ سے یہ حالت پیدا ہوگئی تھی ہم اسے عارضی جنون کہہ سکتے ہیں۔ میرے لائق دوست نے اس کا بھی اشارہ کیا ہے کہ میں نے اس واقعے کو حسن و عشق کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی ہے۔ حضرات! یہ اتہام بیجا ہے۔ میں نے آپ کے سامنے زندگی کی کشمکش کا صرف ایک منظر پیش کیا ہے۔ یہ انسان کی شورش انگیز زندگی کا وہ پہلو ہے جو...... میرے دوست کچھ ہی کیوں نہ کہیں لیکن آپ یقین مانیے...... ہر جرم کے اقدام کی تہ میں پنہاں ہوتا ہے۔ حضرات! آج کل ہم دنیا کے ایک اعلیٰ درجے کے مہذب دور میں زندگی بسر کررہے ہیں۔ بہیمانہ تشدد کا نظارہ خواہ اُس سے ہمارا کوئی ذاتی تعلق ہو یا نہ ہو۔ ہمارے احساس پذیر دلوں پر ایک ناقابلِ برداشت اثر چھوڑتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی شخص اُس عورت کے ساتھ جس سے اُس کو سچی محبت ہو وحشیانہ سلوک ہوتے ہوئے دیکھے تو آپ ہی خیال فرمایئے کہ اس کی دماغی حالت کیا سے کیا ہوجائے گی۔ ذرا دیر کے لیے غور فرمایئے کہ اگر آپ صاحبان کی عمر بھی وہی ہوتی جو ملزم کی ہے تو پھر آپ کے دلوں پر اس سانحہ کا کیا اثر ہوتا۔ اس بات کو دھیان میں رکھ کر اس کو غائر نگاہ سے دیکھیے۔ یہ کوئی آرام طلب اور دوسروں کے درد دُکھ کی پرواہ نہ کرنے والا شخص نہیں ہے جو ایک عورت کے جسم پر بے رحمانہ زد و کوب کے نشانات دیکھ کر اطمینان کا سانس لے سکے خصوصاً جبکہ اس عورت سے اُس کو دلی محبت ہو۔ حضرات! ذرا اس کے چہرے پر بھی نگاہ ڈالیے۔ اس کے بشرے سے عزم و استقلال نمایاں نہیں ہے مگر اُس کے ساتھ ہی اس سے خباثت بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ یہ بالکل اس قسم کا آدمی ہے جو اپنے ہی جذبات کا آسانی سے شکار ہوجاتا ہے۔ آپ ابھی اس کی

آنکھوں کی کیفیت سُن چکے ہیں۔ ممکن ہے میرے لائق دوست اس کا مذاق اڑائیں لیکن مصیبت زدہ اور دل شکستہ لوگوں کی اندرونی کیفیت کا آنکھوں سے زیادہ اور کسی بات سے اندازہ نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ میں اس کے سوائے اور کچھ نہیں کہتا کہ اس کی دماغی غیرذمہ داری کی حالت تاریکی کے ایک جھونکے کی طرح تھی جس کے دوران میں اس کے ذہنی توازن کا بالکل خاتمہ ہوگیا تھا۔ اور جس طرح ایسے موقع پر اگر کوئی شخص خود ہی اپنا خاتمہ کردے تب بھی خودکشی کے جرم کی ذمہ داری سے بری سمجھا جاتا اور اکثر عدالت سے بھی بری ہوجاتا ہے۔ اُسی طرح اُس سے اس غیرذمہ دارانہ دماغی حالت کے زیرِ اثر اور بھی بہت سے جرائم ہوسکتے اور اکثر ہوجاتے ہیں۔ ایسی صورت میں انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو مجرمانہ نیت سے پاک سمجھا جائے اور اس کے ساتھ سوسائٹی کی طرف سے ایسا سلوک ہو جیسا بیماروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ اس قسم کا عذر ہے جس کا آسانی سے بیجا استعمال ہوسکتا ہے۔ لیکن قوتِ ممیزہ کے بدولت اس کا خطرہ رفع ہوسکتا ہے۔ بہرحال اس وقت آپ کے روبرو جو معاملہ پیش ہے اُس میں آپ کو ہر حیثیت سے شبہ کا فائدہ ملزم ہی کو دینا چاہیے۔ آپ نے ابھی مجھکو ملزم سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا ہے چار منٹ کے مہلک دوران میں اُس کے دل میں کیاکیا خیالات پیدا ہوئے۔ اُس نے اس کا یہی جواب دیا کہ اُسے اس اثناء میں مسٹرکوکسن کی صورت کا خیال آتا رہا۔ حضرات! یہ کوئی گڑھا ہوا جواب نہیں ہے۔ اس جواب پر صداقت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ (جائز یا ناجائز) یہ شخص اس عورت پر جو یہاں اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس کے لیے شہادت دینے آئی ہے۔ دل و جان سے شیدا ہے۔ اُس روز اس کی روحانی کوفت و خلش میں جس کے زیرِ اثر اس سے یہ فعل سرزد ہوا کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ کمزور طبیعت اور نازک مزاج آدمیوں کے دلوں پر اس قسم کے کوفت و خلش کا کیسا خوف ناک اثر ہوتا ہے۔ اس مقدمے کے تمام واقعات چشم زدن میں ہوگئے۔ چند لمحوں میں سب کچھ ہوگیا۔ اور جس طرح قلب میں چھری بھونک دینے سے موت آجاتی ہے۔ جس طرح گھڑے کو اُلٹ دینے سے اس

کا پانی بہہ جاتا ہے وہی حالت اس نوجوان کی ہوئی۔ حضرات! دنیا میں کوئی بات اس سے زیادہ دردناک نہیں ہے کہ ایک دفعہ جو واقعہ ہوجاتا ہے وہ اپنی جگہ پر ہمیشہ قائم رہتا ہے اور آپ اُس کو کسی طرح پلٹ نہیں سکتے ہیں۔ سخن از زبان رفتہ و تیر از کمان جستہ کی کیفیت صادق آتی ہے۔ ایک دفعہ جب چک کے ہندسے بدل کر اس کو بنک میں پیش کردیا گیا...... اور یہ صرف چار منٹ کا کام تھا...... جن کو آپ چار جنوں انگیز منٹ کہہ سکتے ہیں...... پھر اس کے بعد سناٹے کا عالم طاری ہوگیا۔ لیکن اِنھیں چار منٹوں میں یہ الّھڑ و ناتجربہ کار نوجوان ایسے دروازے سے پھسل کر جو ابھی پورے طور پر کھلا بھی نہ تھا اس شکنجے میں جا پہنچا جہاں سے کوئی انسان بچ کر نکل ہی نہیں سکتا۔ یعنی قانون کا شکنجہ۔ اس کے بعد کی حرکتیں۔ اس کا اقبالِ جرم نہ کرنا۔ چک کے مثنیٰ کے ہندسے بدل دینا۔ بھاگنے کی تیاریاں کرنا۔ ان تمام باتوں سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا ارادہ جو اس جرم کا اصلی محرک اور سببِ اولیٰ تھا اور جس کی وجہ سے بعد کے تمام واقعات ظہور میں آئے صریحاً مجرمانہ تھا۔ بیشک یہ تمام باتیں اس کی اخلاقی کمزوری کا ثبوت ہیں اور یہی کمزوری اس کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔ لیکن اگر فطرت نے کسی کی طبیعت کمزور بنادی ہے تو کیا آپ اس کو تباہ و برباد ہوجانے دیں گے؟ صاحبان! اس ملزم کی طرح کتنے ہی دوسرے اشخاص ہمارے بے رحم قانون کے ہاتھوں آئے دن تباہ ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ہم میں وہ ہمدردانہ ذہنیت نہیں ہے جو انھیں مجرم نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے مریض سمجھے۔ اگر اس کو مجرم قرار دے کر اس کے ساتھ واقعی مجرموں کا سا برتاؤ کیاگیا تو جیسا کہ تجربہ شاہد ہے وہ عملی حیثیت سے بالآخر مجرم ہی ہوجائے گا۔ اس لیے میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اس کے حق میں ایسا فتویٰ نہ دیجیے جو اسے قیدخانہ تک پہنچاکر ہمیشہ کے لیے داغی بنا دے۔ حضرات! عدالت کا انصاف اُس مشین کی طرح ہے جو ایک بار متحرک ہوجانے پر ہمیشہ خود بخود چلتی رہتی ہے۔ کیا یہ نوجوان اس فعل کے پاداش میں جو زیادہ سے زیادہ اس کے اخلاقی کمزوری کے باعث واقع ہوا ہے۔ اس مشین کے نیچے ڈال کر بالکل کچل ہی دیا جائے گا؟ کیا آپ اس کو اس بدنصیب جماعت کا ایک رکن بنا دیں گے جو ان

تاریک و منحوس جہازوں پر سوار ہوکر جنھیں دنیا زندان خانہ کہتی ہے اپنی زندگی پار کرتے ہیں؟ کیا اس کا سفر بھی دنیا کے اسی بحر ناپیدا کنار پر ہوگا جس سے بہت کم لوگ لوٹتے ہوئے دیکھے گئے ہیں؟ کیا آپ اسے زندگی میں ایک بار پھر سنبھلنے کا موقع نہ دیں گے؟ ایک دفعہ گمراہ ہونے کے باوجود بھی وہ آئندہ راہ راست پر آسکتا ہے؟ اس لیے میں تو آپ سے یہ منت و استدعا کرتا ہوں کہ اس نوجوان کی زندگی کو خاک میں نہ ملائیے۔ ان چار خوف ناک لمحوں کی غلطی کے پاداش میں اس وقت انتہائی تباہی و بربادی اس کے روبرو ہے۔ لیکن آپ چاہیں تو اس تباہی سے اُسے بچا سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ نے اس کو مجرم قرار دے کر قید کی سزا دے دی۔ تو پھر اس کی تباہی یقینی سمجھیے۔ اس کے بشرے اور اس کے اطوار و افعال کسی سے بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ اس خوف ناک آزمائش میں اپنی ہستی قائم رکھ سکے گا۔ ایک طرف اس کے جرم کا اور دوسری طرف ان تکالیف کا موازنہ کیجیے جو اس جرم کے بدولت اس کو جھیلنا پڑی ہیں تو آپ کو خود ہی محسوس ہوگا کہ وہ اس وقت تک اپنے جرم سے دس گنی مصیبت برداشت کرچکا ہے۔ اس الزام کے بدولت دو مہینہ سے وہ جیل خانہ میں پڑا سڑرہا ہے۔ کیا یہ سختیاں اُسے آسانی سے فراموش ہوجائیں گی؟ ذرا خیال تو فرمایئے کہ اس عرصے میں اس کو کتنا دماغی کوفت برداشت کرنا پڑا ہے۔ حضرات! حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو اپنے کیے کی کافی سزا مل چکی ہے۔ انصاف کے گاڑی کا پہیہ اس کو اسی وقت سے پامال کررہا ہے جب اس پر استغاثہ دائر کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس وقت اس کا دوسرا چکر ہے اور اگر آپ کی یہی مرضی ہوئی کہ اس کا تیسرا دور بھی ہو تو پھر خدا ہی حافظ ہے!

فروم ہاتھ کی انگلیاں اور انگوٹھا اوپر کی طرف ایک حلقہ کے شکل میں اُٹھاتا ہے اور پھر اپنا ہاتھ نیچے ڈال کر بیٹھ جاتا ہے۔ ممبرانِ جوری میں خفیف سی ہلچل ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے ساتھیوں کے دلی خیالات کا اندازہ لگانے کے لیے ایک دوسرے کے منھ کی طرف دیکھتے ہیں...... پھر سب لوگ سرکاری وکیل کی طرف مخاطب ہوتے ہیں۔ وہ اشارہ پاتے ہی اُٹھتا ہے اور ایک مقام پر نظر جماکر جس سے اُسے کچھ تقویت سی حاصل ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ممبرانِ جوری کی طرف بھی اُڑتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔

کلیور۔ (سیدھا کھڑا ہوکر) حضور والا و ممبرانِ جوری! اس مقدمے کے واقعات سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ اور اگر میرے لائق دوست ناراض نہ ہوں تو میں کہوں گا کہ صفائی کی طرف سے اس قدر مہمل عذرات پیش کیے گئے ہیں کہ میں شہادتوں کا اعادہ کرکے عدالت کا وقت ضائع کرنا فضول سمجھتا ہوں۔ وکیلِ صفائی نے ملزم کی طرف سے عارضی طور پر دماغی فتور کا عذر پیش کیا ہے۔ لیکن آپ کو دیکھنا چاہیے کہ یہ بے سر و پا عذر کیوں گڑھا گیا ہے۔ اُس کا راز جس آسانی سے میں نے سمجھ لیا ہے شاید آپ نہ سمجھے ہوں۔ بات یہ ہے کہ اگر یہ عذر پیش نہ کیا جاتا تو ملزم کے لیے اقبالِ جرم کے سوائے اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا اور اگر ملزم نے اپنے جرم کا اقبال کرلیا ہوتا تو میرے لائق دوست کے لیے عدالت سے رحم کی التجا کرنے کے سوائے اور کوئی راستہ ہی نہ تھا۔ لیکن اس سیدھے راستے کو چھوڑکر انھوں نے ایک پیچیدہ روش اختیار کی ہے۔ اور ایک عجیب و غریب عذر ڈھونڈ نکالا ہے جس کے بدولت انھوں نے اُس مقدمے میں افسانے کی شان پیدا کردی ہے۔ اس افسانے کی تکمیل کے لیے ایک عورت کی شہادت پیش کرنا بھی ضروری تھا۔ اس سے میرے دوست کی جدّتِ طبع اور جولانِ فکر کا ثبوت ملتا ہے۔ جس پر میں اُن کو مبارک باد دیتا ہوں۔ مگر اس طریقے سے انھوں نے کسی حد تک قانون کو بھی پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ درحقیقت جس حسنِ ترتیب کے ساتھ انھوں نے مجرم کی نیت، اس کے ارادے اور مجبوریوں کی مکمل داستان عدالت کے روبرو پیش کی ہے۔ وہ انھیں کا حصہ ہے۔ لیکن حضرات! ایک دفعہ آپ واقعات کی تہ تک پہنچ جائیں تو پھر اس داستان کی ساری حقیقت آپ پر خود بخود روشن ہوجائے گی۔ (کسی قدر تحقیر کے لہجے میں اور خوش طبعی کے ساتھ) ذرا آپ اس جنون کے عذر پر بھی غور فرمایئے اور جنون کے سوا اُسے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ آپ نے اس عورت کا بیان بھی سن لیا ہے۔ جس کے لیے ملزم کی حمایت کرنے کے متعدد وجوہ ہیں۔ لیکن وہ کیا کہتی ہے؟ یہی کہ جب وہ صبح کے وقت ملزم کے پاس سے آئی ہے تو اُس وقت وہ جنون یا دیوانگی کی حالت میں نہ تھا۔ اگر وفورِ رنج و غم کے باعث اُسے خللِ دماغ ہوگیا تھا تو اُس کا اثر اسی موقع پر ظاہر ہونا چاہیے تھا۔ آپ صفائی کے دوسرے گواہ یعنی

مینجنگ کلرک کا بیان بھی سن چکے ہیں۔ میں نے کسی قدر مشکل سے یہ بات اس کے منہ سے نکلوائی ہے کہ گو ملزم کے حواس بجا نہ تھے اور وہ گھبرایا اور سہا ہوا معلوم ہوتا تھا (اُس کا خیال تھا اور مجھے بھی امید ہے کہ آپ اُس کے الفاظ کا مطلب بخوبی سمجھ گئے ہوں گے) لیکن جس وقت ڈیوس نے اُسے چک سپرد کی اس کی حالت جنون کی نہ تھی۔ میں اپنے لائق دوست سے اس بات میں متفق ہوں کہ ڈیوس کا یہاں موجود نہ ہونا افسوس ناک ہے۔ لیکن آپ خود ملزم کی زبان سے وہ الفاظ سن چکے ہیں جو ڈیوس نے چک حوالے کرتے وقت اُس سے کہے تھے۔ اس سے یہی ثابت ہے اس وقت اس کا دماغ بالکل درست تھا ورنہ یہ الفاظ اُسے یاد نہ رہتے۔ بنک کے خزانچی نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جس وقت اُس نے چک بھنایا ہے اُس کے ہوش و حواس بالکل بجا تھے۔ ان سب بیانات کے بعد اس عذر کی حقیقت صرف اِسی قدر رہ جاتی ہے کہ ایک شخص جس کا دماغ ایک بج کر دس منٹ پر درست تھا اور جس کے ہوش و حواس ایک بج کر پندرہ منٹ پر بھی بالکل درست و بجا تھے وہ اپنے جرم کے نتائج سے بچنے کے لیے صرف پانچ منٹ کے درمیانی وقفے کے لیے مخبوط الحواس و دیوانہ ہوگیا تھا۔ حضرات! فی الواقع یہ ایسا عجیب و غریب عذر ہے جس کی تردید میں میں آپ کا وقت رائیگاں کرنا فضول سمجھتا ہوں۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ آپ خود ہی اُس کے متعلق مناسب رائے قائم کرلیں گے۔ میرے لائق دوست نے اس سلسلے میں ملزم کے کم سنی، ترغیبِ نفس اور اسی طرح کی بہت سی باتوں کے متعلق بھی گل افشانی کی ہے۔ ان تمام امور کے متعلق میں یہی عرض کروں گا کہ ملزم پر جو جرم عائد کیا گیا ہے وہ ہمارے تعزیرات کے نہایت سنگین جرائم میں سے ہے۔ نیز اس مقدمے کے کئی اور پہلو بھی قابلِ لحاظ ہیں۔ مثلاً ملزم کا اپنے ایک بے گناہ رفیق کو اشتباہ کا مرکز بنانا۔ ایک شادی شدہ عورت سے تعلقات رکھنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یقیناً اگر آپ ان امور کا لحاظ کریں گے تو پھر آپ کی نظر میں اس صفائی کی جو اُس کی طرف سے پیش کی گئی ہے کوئی وقعت باقی نہ رہے گی۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ اس کو مجرم قرار دے کر سزا کا مستوجب ٹھہرائیں۔ درحقیقت اس مقدمے کے

تمام حالات پر نظر کر کے آپ بدقسمتی سے اسی فیصلہ دینے پر مجبور ہیں۔
کلیور جج اور ممبرانِ جوری کی طرف نظر ڈال کر فروم کی طرف دیکھتا ہے اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔

جج۔ (صاحبانِ جوری کی طرف کسی قدر جھک کر کاروباری لہجے میں) ممبرانِ جوری! آپ نے فریقین کی شہادتیں اور وکلاء کی بحث سن لی۔ اب مجھے صرف اُن تنقیحات کی توضیح کرنا باقی ہے جن پر آپ کو غور کرنا چاہیے۔ جہاں تک چک اور اُس کے شیٔ کے ہندسے بدلنے کا سوال ہے اس مقدمہ کے واقعات مسلمۂ فریقین ہیں۔ صفائی کی طرف سے یہ عذر پیش کیا گیا ہے کہ جس وقت ملزم سے یہ فعل سرزد ہوا ہے اُس کی دماغی حالت صحیح نہ تھی۔ لہٰذا اقدامِ جرم کی ذمہ داری اُس پر عائد نہیں ہوتی۔ اس عذر کی جو کچھ نوعیت ہو آپ اُس کے متعلق ملزم کا بیان اور دیگر گواہوں کی شہادتیں سن چکے ہیں۔ اب اگر ان شہادتوں سے جو آپ کے سامنے پیش ہوئی ہیں آپ کی رائے میں یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ اس جعل کے وقت ملزم پر جنوں کی حالت طاری تھی تو آپ ملزم کو مجرم مگر مخبوط الحواس قرار دیں۔ لیکن اس کے برعکس اگر ان تمام باتوں کے بنا پر جو آپ نے دیکھی اور سُنی ہیں۔ آپ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ ملزم اپنے ہوش و حواس میں تھا تو آپ کو اُسے مجرم قرار دینا ہوگا کیونکہ قطعی جنون کے سوائے اور کوئی دماغی کیفیت قابلِ لحاظ نہیں ہوسکتی۔ آپ کو ملزم کے دماغی حالت کے متعلق شہادت پر غور کرتے وقت اُن تمام بیانات پر بھی غائر نظر ڈالنا ہوگی جو اقدام جرم کے پہلے اور پیچھے ملزم کے حرکات و سکنات اور عام طرزِ عمل کے متعلق قلم بند ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں خود ملزم کا بیان اور اس عورت کی شہادت اور دیگر گواہان ...... یعنی کوکسن ......۔ اور خزانچی کے بیانات قابل لحاظ ہیں۔ میں آپ کی توجہ ملزم کے اس اقبال کی طرف بھی خاص طور پر مبذول کرنا چاہتا ہوں جس میں اُس نے یہ قبول کیا ہے کہ چک ہاتھ میں آتے ہی اُس کے دل میں نو کی رقم کے آگے "ے" اور "صفر" بڑھا دینے کا خیال پیدا ہوگیا۔ پھر چک کے شیٔ میں بھی تبدیلی کرنے کے بعد ملزم کا عام طور پر جو طرزِ عمل رہا۔ وہ بھی آپ کے غور و توجہ کا مستحق ہے۔ ان جملہ امور سے یہ بات

صاف طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ ملزم نے اس معاملے میں پوری پیش بندی سے کام لیا ہے (اور پیش بنی ثباتِ عقل کی دلیل ہے) بہرحال ان تمام وجوہ کی بنا پر آپ کو فیصلہ دیتے وقت ملزم کی عمر یا ان ترغیبات کے خیال سے جن کے ماتحت یہ جرم سرزد ہوا ہے۔ متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور قبل اس کے کہ آپ "مجرم مگر مخبوط الحواس" کا فیصلہ دیں۔ آپ کے لیے اس بات کا بھی پورے طور پر اطمینان کرلینا ضروری ہے کہ ملزم کی دماغی حالت واقعی اس درجہ خراب ہوگئی تھی کہ وہ پاگل خانے میں داخل ہونے کا مستحق ہوگیا تھا۔ (وہ رُک جاتا ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ ممبرانِ جوری اس تذبذب میں ہیں کہ باہمی مشورہ کے لیے عدالت سے اُٹھ کر علاحدہ کمرے میں جائیں یا ابھی تھوڑی دیر اور ٹھہرے رہیں وہ اتنا اور کہتا ہے) حضرات! آپ چاہیں تو اب اپنی رائے قائم کرنے کے لیے اپنے کمرے میں جاسکتے ہیں۔

صاحبانِ جوری جج کے عقب والے دروازے سے چلے جاتے ہیں۔ جج اپنے یادداشتوں کو پڑھنے لگتا ہے۔ فالڈر کٹہرے سے جھک کر بہ خاطر پریشان میں وتھ کی طرف اشارہ کرکے اپنے سالیسٹر سے باتیں کرتا ہے۔ جس کے بعد سالیسٹر فروم سے گفتگو کرتا ہے۔

فروم۔ (اُٹھ کر) حضور والا! ملزم باربار مجھ سے عدالت سے یہ استدعا کرنے کی درخواست کر رہا ہے کہ حضور براہ مہربانی اخبارات کے رپورٹروں کو تاکید فرما دیں کہ اگر اس مقدمے کی روئداد شائع کی جائے تو اُس میں اس گواہ عورت کا نام ظاہر نہ ہونے پائے۔ حضور خود بھی خیال فرما سکتے ہیں کہ عورت کے حق میں اس کا بہت ہی خراب نتیجہ ہوسکتا ہے۔

جج۔ (صاف لہجے میں مگر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ) مسٹر فروم! آپ ہی نے تو دیدہ و دانستہ اُس کو صفائی میں پیش کیا ہے۔

فروم۔ (طنزیہ انداز سے سرِتسلیم خم کرکے) حضور خیال فرمائیں کہ اور کس طریقے سے میں اس مقدمے کے پورے واقعات عدالت کے سامنے پیش کرتا۔

جج۔ خیر شاید آپ مجبور تھے۔

فروم۔ مگر حضور! اس عورت کے حق میں اس کے نام کی اشاعت بہت ہی خطرناک ہوگی۔

جج۔ ہاں آپ کی تو یہی رائے ہے۔
فروم۔ حضور یقین مانیں میں نے اس بارے میں مبالغے سے کام نہیں لیا ہے۔
جج۔ مگر یہ میرے مزاج کے بالکل خلاف ہے کہ کسی مقدمہ میں گواہ کا نام پوشیدہ رکھا جائے ......

(فالڈر کی طرف نگاہ کر کے جو عالمِ یاس میں اس کے سامنے اپنے ہاتھ مروڑ رہا ہے۔ بعدہٗ وہ وتھ کی طرف دیکھتا ہے جو فالڈر کی جانب ٹکٹکی لگائے بالکل بے حس و حرکت بُت بنی ہوئی بیٹھی ہے) خیر۔ میں آپ کی درخواست پر غور کروں گا۔ اس سے زیادہ میں اس وقت اور کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ کہیں وہ ملزم کے لیے جھوٹی شہادت دینے نہ آئی ہو۔
فروم۔ کیا حضور کا واقعی یہ بھی خیال ......
جج۔ مسٹر فروم! میں ابھی اُس کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ لیکن آپ اس معاملے کو یہیں پر چھوڑ دیجیے۔

اس گفتگو کے ختم ہوتے ہی۔ ممبرانِ جوری اپنے کمرے سے باہر آکر اپنے کٹہرے میں قطار سے بیٹھ جاتے ہیں۔
پیشکار عدالت۔ صاحبانِ جوری! کیا آپ کا فیصلہ متفقہ ہے۔
سرپنچ۔ جی ہاں۔
پیشکار عدالت۔ کیا آپ اُسے مجرم قرار دیتے ہیں یا یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ وہ مجرم مگر اس وقت مخبوط الحواس تھا۔
صدر جوری۔ ہم لوگ اُس کو مجرم قرار دیتے ہیں۔

جج سر ہلاتا ہے۔ اُس کے بعد اپنے یادداشت کے پرچے اکٹھے کر کے فالڈر کی طرف دیکھتا ہے جو بے حس و حرکت بیٹھا ہوا ہے۔
فروم۔ حضور کی اجازت ہو تو میں ایک مرتبہ پھر سزا میں رعایت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ملزم کی کم سنی اور اس کے دماغی ہیجان و تردّدات کے متعلق صاحبانِ جوری سے جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس میں حضور کی رائے میں اب کچھ اضافہ کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں۔

جج۔ میرے خیال میں۔ مسٹر فروم۔ اب آپ کو کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فروم۔ اگر حضور کا یہی خیال ہے تو خیر مگر میں کمالِ ادب سے حضور سے گذارش کروں گا کہ سزا تجویز فرماتے وقت میری پیش کردہ عذرات کا ضرور لحاظ فرما لیاجائے۔

جج۔ (پیشکار عدالت سے) ملزم کو طلب کرو۔

پیشکار۔ (فالڈر سے) دیکھو تم جعل سازی کے مجرم قرار دیے گئے ہو۔ کیا تم اس بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہو کہ تمھیں اس جرم کی پاداش میں کیوں نہ قانون کے مطابق سزا دی جائے۔

[فالڈر نفی میں سر ہلاتا ہے۔]

جج۔ ولیم فالڈر۔ تم کو اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقعہ مل چکا ہے۔ جوری نے تم کو جعل سازی کا مجرم قرار دیا ہے اور میری رائے میں یہ فیصلہ بالکل صحیح ہے۔ (ذرا رُک کر اور اپنے یادداشت کے پرچوں پر نظر ڈال کر) تمھاری طرف سے یہ صفائی پیش کی گئی ہے کہ ارتکابِ جرم کے وقت تم اپنے افعال کے ذمہ دار نہ تھے۔ میرے خیال میں اُس صفائی کا بلا شبہ یہی منشا ہے کہ اس طرح سے اُس ترغیب کی اصلی نوعیت ظاہر ہوجائے جس کے ماتحت تم سے یہ جرم سرزد ہوا ہے۔ مقدمے کے ساعت کے دوران تمھارا وکیل دراصل تمھارے لیے رحم ہی کی التجا کرتا رہا۔ تمھاری طرف سے جو عذر پیش کیا گیا ہے اُس کی وجہ سے تمھارے وکیل کو ایسی شہادتیں پیش کرنے کا موقع ملا جن کا رجحان عدالت کے دل میں تمھاری طرف سے رحم کے جذبات پیدا کرنا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایسا کرنے میں تمھارے وکیل حق بجانب تھے یا نہیں۔ مگر اُن کا یہ مطالبہ ہے کہ تمھارے ساتھ مجرموں کا سا برتاؤ نہ کیا جائے بلکہ اخلاقی نقطۂ خیال سے تم کو ایک مریض کی حیثیت دی جائے۔ لیکن یہ عذر جس نے بالآخر واقعی ایک پُرجوش اپیل کی صورت اختیار کرلی۔ درحقیقت عدالت کی نکتہ چینی پر مبنی ہے۔ کیونکہ عملی حیثیت سے وہ اسی کو جرم کی تکمیل و تصدیق کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ بہرحال اس اپیل پر کس قدر لحاظ کیا جائے اس کے متعلق مجھے کئی امور پر غور کرنا ہوگا۔ سب سے پہلے مجھے جرم کی سنگین نوعیت کا لحاظ کرنا ہوگا۔ اس کے بعد مجھے یہ دیکھنا ہوگا کہ تم نے کس ہوشیاری و پیش بندی کے ساتھ چک کے مثنیٰ کے ہندسے تبدیل کیے۔ پھر اس بات کا بھی خیال کرنا ضروری ہے کہ تم نے ایک

بے گناہ آدمی کو بڑے خطرے میں ڈال دیا تھا اور یہی میری رائے میں تمھارے مقدمے کا سب سے اہم پہلو ہے۔ آخر میں مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ کیوں نہ تم کو ایسی عبرت انگیز سزا دی جائے جس سے آئندہ دوسروں کو تمھاری تقلید کی ہمت نہ پڑے۔ دوسری جانب مجھے اس کا بھی خیال ہے کہ ابھی تم بالکل نوعمر ہو اور اب تک تمھارا چال چلن اچھا رہا ہے اور اگر تمھاری شہادت اور تمھارے گواہوں کے بیانات کو صحیح مانا جائے تو ارتکابِ جرم کے وقت تمھارے جذبات کسی قدر ہیجان میں تھے اور تمھارے دماغ پر ایک اضطراری کیفیت سی طاری ہوگئی تھی۔ میری دلی خواہش ہے کہ میں اپنا فرض...... نہ صرف تمھارے ساتھ بلکہ سوسائٹی کے ساتھ...... ادا کرتے ہوئے حتی الوسع رعایت سے کام لوں۔ اب میں اُن اُمور کو بھی بیان کردینا چاہتا ہوں جن کا میں تمھارے معاملے میں لحاظ رکھنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ تم ایک مشیر قانون کے دفتر میں ملازم تھے۔ جس سے تمھارا جرم بہت سنگین ہوجاتا ہے کیونکہ تمھارے لیے یہ کہنے کا بھی موقع نہیں ہے کہ تم اس جرم کی اہمیت اور اُس کی سزا سے ناواقف تھے۔ تمھاری طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ تم اپنے جذبات کے شکار ہوئے۔ عدالت میں تمھارے اور اس عورت۔ مسز ہنی ول۔ کے درمیان دوستانہ تعلقات کا قصہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور درحقیقت اسی قصّے پر تمھاری صفائی کا دار مدار ہے۔ تمھارے طرف سے رحم کی جو درخواست کی گئی ہے وہ بھی اسی پر مبنی ہے۔ لیکن اس قصّے کی کیا نوعیت ہے؟ یہی کہ ایک نوجوان آدمی اور ایک ایسی نوجوان عورت کے درمیان۔ جس کی شادی مسرت بخش ثابت نہیں ہوئی۔ دوستانہ تعلقات پیدا ہوگئے۔ جن کے بابت تم دونوں کا بیان ہے کہ (میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کتنی صداقت ہے)۔ بداخلاقی کی حدتک نہیں پہنچے تھے۔ لیکن جیسا کہ تم دونوں نے اعتراف کیا ہے کہ یہ تعلقات عنقریب ہی اس حد تک بھی پہنچنے والے تھے۔ تمھارے وکیل نے یہ کہہ کر کہ عورت ناگفتہ بہ مصیبت میں گرفتار تھی تمھارے وکیل نے اس معاملہ کے لیس تھوپ کرنے کی کوشش کی ہے مگر میں اس کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں کرسکتا۔ لیکن بلاشبہ وہ ایک شادی شدہ عورت ہے۔ اور یہ بات بالکل صاف ہے کہ تم نے یہ جرم ایک خلافِ اخلاق تجویز کی تکمیل کی نیت سے کیا۔ اس لیے میں اپنی خواہش کے باوجود بھی اپنے ضمیر کو

کسی ایسی درخواست رحم کی تائید کرنے پر آمادہ نہیں کرسکتا جو ایک خلافِ اخلاق جرم کے متعلق کی گئی ہے۔ واقعی یہ درخواست سرتا پا بیجا ہے۔ تمھارے وکیل نے یہ دکھانے کی بھی کوشش کی ہے کہ تمھیں مزید قید کی سزا دینا انصاف سے بعید ہوگا۔ لیکن میں اِن بلند پروازیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا ہوں۔ قانون جیسا کچھ بھی ہے۔ اس کی عظمت سب پر بالا ہے۔ دراصل قانون کی شاندار عمارت ہی میں ہم سب پناہ گزین ہیں۔ اس عظیم الشان تعمیر کا ہر پتھر ایک دوسرے پر ٹھہرا ہوا ہے۔ میرا تعلق صرف اُس کے نظم و نسق سے ہے۔ جرم جو تم سے سرزد ہوا ہے بہت سنگین ہے۔ اور رعایت کرنے کے جو اختیارات مجھے حاصل ہیں انھیں میں سوسائٹی کے ساتھ اپنے فرائض کا لحاظ رکھتے ہوئے تمھارے حق میں استعمال نہیں کرسکتا۔ لہٰذا تمھیں تین سال قیدِ سخت کی سزا دی جاتی ہے۔

فالڈر جو جج کی تقریر کے دوران میں اُس کی طرف مستقل نظروں سے دیکھ رہا تھا اپنا سر اپنے سینہ پر جھکا لیتا ہے۔ اور جیسے ہی کہ جیل کے سپاہی اُسے باہر لے جاتے ہیں وتھ چونک کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ عدالت میں ایک ہلچل سی مچ جاتی ہے۔

جج۔ (اخباروں کے رپورٹروں سے مخاطب ہوکر) اخبار نویس حضرات! میری رائے میں عورت گواہ کا نام شائع نہ ہونا چاہیے۔

(رپورٹران گردن تسلیم خم کرتے ہیں)

جج۔ (وتھ سے مخاطب ہوکر جو ٹکٹکی لگائے اُس طرف دیکھ رہی ہے جدھر فالڈر گیا ہے) تم سمجھیں! تمھارا نام شائع نہ ہوگا۔

کوکسن۔ (اس کا دامن کھینچ کر) جج صاحب تم سے فرما رہے ہیں!

وتھ گھوم کر غور سے جج کی طرف دیکھتی ہے اور پھر اپنا منہ گھما لیتی ہے۔

جج۔ پیشکار! میں آج ذرا دیر تک بیٹھوں گا۔ دوسرا مقدمہ طلب کرو۔

پیشکار عدالت۔ (ایک چپراسی سے) "جان بولے" کو آواز دو۔

"جان بولے معہ گواہان حاضر ہے" کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

(پردہ گرتا ہے)

تیسرا ایکٹ

پہلا سین

جیل خانے کا معمولی کمرہ ہے۔ جس میں دو بڑی سلاخ دار کھڑکیاں ہیں۔ یہ ایک میدان میں کھلتی ہیں جو قیدیوں کا ورزش گاہ ہے۔ اور جہاں کئی آدمی زرد کپڑے پہنے (جن پر تیر کے نشان بنے ہوئے ہیں) اور زرد ٹوپیاں لگائے ہوئے ایک قطار میں ایک دوسرے سے چار چار گز کے فاصلے پر صحن کے پختہ فرش پر بنی ہوئی ٹیڑھی ٹیڑھی سفید لکیروں پر تیزی سے چل رہے ہیں۔ دو چوکیدار (دو وارڈر) نیلی وردیاں پہنے۔ اونچی ٹوپیاں لگائے اور تلواریں لٹکائے ہوئے اُن کی نگہبانی کے لیے تعینات ہیں۔ کمرے کی دیواروں پر معمولی سفیدی ہے۔ اُس میں ایک کتابوں کا خانہ رکھا ہے جس میں بہت سی سرکاری کتابیں اور رجسٹر رکھے ہیں۔ کھڑکیوں کے بیچ میں ایک خانہ دار الماری ہے۔ اور دیوار پر جیل خانے کا نقشہ لٹک رہا ہے۔ ایک لکھنے کی میز بھی رکھی ہے جس پر سرکاری کاغذات پٹے پڑے ہیں۔ آج کرسمس سے قبل والے دن کی شام ہے۔

جیلر (داروغہ جیل)۔ متین صورت کا صاف ستھرا آدمی ہے۔ اس کی مونچھیں خوبصورت اور ترشی ہوئی ہیں۔ آنکھیں فلاسفروں کی طرح ہیں۔ بال جو کھچڑی ہو رہے ہیں کنپٹیوں سے پیچھے کی طرف گھومے ہوئے ہیں۔ وہ لکھنے والی میز کے پاس کھڑا ایک بھدے قسم کی آری کو دیکھ رہا ہے جو کسی دھات کے ٹکڑے سے بنائی گئی ہے۔ جس ہاتھ میں وہ یہ آدمی لیے ہوئے ہے وہ دستانے کے اندر چھپا ہوا ہے کیونکہ اُس کی دو انگلیاں غائب ہیں۔ اُس کے قریب ہی دو قدم کے فاصلے پر جیل خانے کا نائب جیلر "ووڈر" کھڑا ہوا ہے۔ جو ایک دُبلا پتلا فوجی صورت کا آدمی ہے۔ اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی۔ مونچھیں سفید اور

آنکھیں غمگین اور بندروں کی سی چھوٹی چھوٹی ہیں۔
جیلر۔ (ہلکے پُر معنی تبسم کے ساتھ) یہ عجیب ماجرہ ہے۔ مسٹر ووڈر! مگر تمھیں یہ ملی کہاں؟
نائب جیلر۔ جناب اُس کی چٹائی کے نیچے۔ ادھر دو سال سے ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔
جیلر۔ (تعجب سے) کیا اُس کے ذہن میں کوئی خاص تجویز تھی؟
ووڈر۔ اُس نے اپنے کھڑکی کی ایک سلاخ کو (اپنے انگوٹھے اور انگلی کو چوتھائی انچ کے فاصلے پر رکھ کر بتلاتا ہے) اتنا ریت ڈالا ہے۔
جیلر۔ میں آج ہی شام کو اُسے دیکھوں گا۔ اُس کا نام کیا ہے؟ موفی؟ میں سمجھتا ہوں یہ کوئی پرانا خرآنٹ معلوم ہوتا ہے؟
ووڈر۔ جی ہاں۔ چوتھی دفعہ کا سزا یافتہ ہے۔ لیکن ایسے پُرانے کھلاڑی کو اب تک سمجھ آجانا چاہیے تھی (ترحم آمیز حقارت سے) مجھ سے تو یہی کہتا تھا کہ اپنا دل بہلا رہا تھا۔ مگر اِن لوگوں کا کیا اعتبار۔ کبھی آدھمکے۔ کبھی نکل بھاگے۔ ہروقت اسی فکر میں رہتے ہیں۔
جیلر۔ اُس کے پاس والے قیدی کا کیا نام ہے؟
ووڈر۔ اوکلیری۔
جیلر۔ وہی آئرلینڈ والا قیدی نہ؟
ووڈر۔ جی ہاں۔ اس کے بعد نوجوان فالڈر ہے۔ وہی جس کا نام اول درجے کے قیدیوں میں درج ہے۔ اُس کے بعد بوڑھا کلیٹن ہے۔
جیلر۔ ہاں ہاں میں سمجھ گیا۔ وہی نہ جو 'فلاسفر' کہلاتا ہے۔ مجھے ذرا اُس کی آنکھوں کا حال دریافت کرنا۔
ووڈر۔ یہ بھی۔ جناب! کچھ عجیب بات ہے کہ جب اُن میں سے کوئی ایک بھی بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کو پہلے ہی سے اس کی خبر ہے اور پھر سبھوں کے دماغ خراب ہوجاتے ہیں۔ اس وقت بھی سبھوں کو یہی دُھن سوار ہے۔
جیلر۔ (کچھ سوچ کر) یہ دُھن بھی عجیب ہے۔ (گھوم کر ورزش کرنے والے قیدیوں کو دیکھتا ہے) یہاں تو کافی سناٹا معلوم ہوتا ہے۔
ووڈر۔ آج صبح وہ آئرلینڈ والا قیدی۔ اوکلیری۔ اپنے دروازے پیٹنے لگا۔ آپ جانیے

ایسی ذرا ذراسی باتوں پر بھی بھنا اُٹھتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو یہ لوگ بالکل بے زبان جانور ہی بن جاتے ہیں۔

جیلر۔ میں نے دیکھا ہے کہ بادلوں کے گرجنے سے گھوڑوں کی بھی یہی حالت ہوجاتی ہے۔
اور بعض اوقات سواروں کے رسالے بھر میں یہی ہوا پھیل جاتی ہے۔

جیل خانے کا پادری اندر آتا ہے۔ اُس کے بال سیاہ ہیں اور صورت سے زہد و تقویٰ مترشح ہے پادریوں کا لباس زیب بر ہے۔ چہرہ متین اور ہونٹ ملے ہوئے ہیں۔ گفتگو کا انداز شائستہ ہے اور لہجہ آہستہ ہے۔

جیلر۔ (آری کو اُٹھا کر دکھاتا ہے) آپ نے اُسے دیکھا؟ مسٹر ملر؟

پادری صاحب۔ بظاہر ایک مفید چیز ہے۔

جیلر۔ جی ہاں! یہ تو عجائب خانہ ہی میں رکھنے کے لائق ہے آپ کی بھی یہی رائے ہے نہ؟
(وہ خانہ دار الماری کے پاس جاکر اُسے کھولتا ہے۔ اس میں کئی عجیب قسم کی رسیاں۔ کانٹے اور دھاتوں کے طرح طرح کے اوزار جن پر لیبل لگے ہوئے ہیں۔ رکھے نظر آتے ہیں) خیر شکریہ! مسٹر ووڈر! اب آپ جاسکتے ہیں۔

ووڈر۔ (سلام کرکے اور) شکریہ عرض ہے۔ جناب!

یہ کہہ کر وہ باہر چلا جاتا ہے۔

جیلر۔ پچھلے دو تین دنوں سے ان سب قیدیوں کی نہ معلوم کیا حالت ہوگئی ہے۔ ملر؟ مجھے تو یہ محسوس ہورہا ہے کہ سبھی بہک گئے ہیں۔

پادری۔ مجھے تو کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوئی؟

جیلر۔ اچھا۔ کل یہیں ماحضر تناول کیجیے گا؟

پادری۔ کل تو کرسمس کا دن ہے؟ بہت اچھا۔ شکریہ۔

جیلر۔ مجھے تو قیدیوں کو بے چین و بے قرار دیکھ کر سخت پریشانی ہوتی ہے۔ (آدمی کو غور سے دیکھ کر) اس بے چارے کو تو سزا دینی ہی پڑے گی۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ جو شخص یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے مجھے دل سے ناپسند نہیں ہوتا۔ (وہ آری کو اپنی جیب میں رکھ لیتا ہے اور الماری کو بند کرکے مقفل کردیتا ہے)۔

پادری۔ ان میں سے بعضوں کی عقل اور قوتِ ارادی تو بالکل ہی اوندھی ہوجاتی ہے۔ اور

جب تک یہ درست نہ ہوجائیں کچھ بھی نہیں ہوسکتا ہے۔
جیلر۔ میرے خیال میں ان کی عقل درست بھی ہوجائے تب بھی کچھ نہیں ہوسکتا۔ زمین ہی سخت ہو تو کیا ہوسکتا ہے؟

ووڈر لوٹ کر پھر آتا ہے۔

ووڈر۔ جناب! ایک شخص آپ سے ملنا چاہتے ہیں لیکن میں نے کہہ دیا ہے کہ یہ خلافِ قاعدہ ہے۔
جیلر۔ کس لیے ملنا چاہتے ہیں؟
ووڈر۔ حکم ہو ٹال دوں؟
جیلر۔ (گویا اپنے اوپر جبر کرکے) نہیں نہیں۔ مل لوں گا۔ بلا لو۔ آپ بیٹھے رہیے مسٹر۔ ملر!

ووڈر ایک آدمی کو جو باہر کھڑا ہوا ہے اشارے سے بلاتا ہے اور جیسے ہی وہ اندر آتا ہے ووڈر خود باہر چلا جاتا ہے۔
(نووارد ملاقاتی کوکسن ہے۔ گھٹنوں تک لانبا دبیز اُورکوٹ پہنے ہاتھوں میں اُونی دستانے اور سر پر اونچی دیوار کی ٹوپی دیے ہوئے ہے)۔

کوکسن۔ تکلیف دہی معاف فرمایئے گا۔ مجھے ایک نوجوان شخص کے متعلق جو آپ کے یہاں قید ہے کچھ عرض کرنا ہے۔
جیلر۔ یہاں تو بہت سے نوجوان قیدی ہیں۔ آپ کس کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں؟
کوکسن۔ فالڈر نام ہے۔ اور جعل سازی کے جرم میں قید ہے۔ (جیلر کو اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر دیتا ہے جس میں اس کا نام و پتہ درج ہے) جیمس اینڈ والٹرھو کے دفتر سے آیا ہوں۔ مشہور قانونی مشیر ہیں۔ آپ نے بھی نام سُنا ہوگا؟
جیلر۔ (خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کارڈ لے کر) فرمایئے آپ کیا چاہتے ہیں؟
کوکسن۔ (یکایک قیدیوں کو ورزش کرتے دیکھ کر) خوب! یہ تو عجیب نظارہ ہے۔
جیلر۔ جی ہاں یہاں آکر آپ کو اس کے دیکھنے کا بھی موقع مل گیا۔ آج کل میرے دفتر کی مرمت ہورہی ہے۔ (اپنی میز کے پاس بیٹھ کر) فرمایئے۔ کیا ارشاد ہے؟
کوکسن۔ (کھڑکی کی طرف سے بہ مشکل اپنی آنکھیں ہٹا کر) مجھے آپ سے صرف ایک ہی

بات عرض کرنا ہے۔ اس لیے میں دیر تک آپ کی سمع خراشی نہ کروں گا۔ (راز دارانہ انداز سے) درحقیقت مجھے یہاں آنے کا بذاتِ خاص کوئی حق حاصل نہیں ہے لیکن۔ اُس کے ماں باپ موجود نہیں ہیں۔ صرف ایک بہن ہے جو اس کی وجہ سے بہت پریشان ہے۔ چنانچہ وہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرا شوہر مجھے اُس سے ملنے نہیں دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ اُس نے خاندان میں داغ لگا دیا ہے۔ اس کی ایک اور بہن بھی ہے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ آج کل وہ بیمار ہے ورنہ وہی چلی آتی۔ بہرحال اُس نے مجھ سے یہاں آنے کے لیے کہا۔ اور مجھے بھی اس سے کچھ اُنس ہوگیا ہے کیونکہ دفتر میں وہ میرے ہی ماتحتی میں کام کرتا تھا اور میں اور وہ ایک ہی گرجا جایا کرتے تھے۔ بہرحال میں اِس کی درخواست رد نہ کرسکا۔

جیلر۔ افسوس ہے کہ اس کو کسی سے ملاقات کرنے کی اجازت نہیں اور یہاں تو وہ صرف ایک ماہ کی قیدِ تنہائی کاٹنے آیا ہے۔

کوکسن۔ اتنا سمجھ لیجیے کہ میں نے اُسے اُسی وقت دیکھا تھا۔ جب وہ عدالت میں اپنے مقدمے کے پیشی کا منتظر حراست میں تھا۔ اُس وقت وہ بہت ہی شکستہ خاطر معلوم ہوتا تھا۔

جیلر۔ (خفیف شگفتگی کے ساتھ) مسٹر ملر۔ ذرا گھنٹی تو بجا دیجیے۔ (کوکسن سے) غالبًا آپ یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ ڈاکٹر کی اس کی نسبت کیا رائے ہے۔

پادری۔ (گھنٹی بجا کر) جناب! مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جیل خانوں میں جانے کا بہت ہی کم اتفاق ہوا ہے۔

کوکسن۔ جی ہاں۔ خدا بچائے۔ بڑا دردناک منظر ہے۔ اور یہ شخص تو ابھی بالکل ہی نوعمر ہے۔ میں نے اُس سے صبر کرنے کی تلقین کی تو کہنے لگا کہ ”بھلا صبر کیسے ہوسکتا ہے۔ آپ ہی اگر دن بھر ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کردیے جائیں اور میری طرح تنہائی میں خیالات کی اُدھیڑ بُن میں پڑجائیں تو وقت کاٹنا پہاڑ ہوجائے۔ یہاں کا ایک دن باہر کے سال بھر سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ مجھ سے تو مسٹر کوکسن! صبر نہیں ہوتا حالانکہ میں چاہتا ہوں اور اس کی کوشش بھی بہت کرتا ہوں مگر کیا کروں۔ طبیعت ہی ایسی واقع نہیں ہوئی ہے“۔ اتنا کہہ کر اُس نے اپنے ہاتھوں سے

اپنا چہرہ چھپا لیا مگر میں دیکھ رہا تھا کہ اُس کی انگلیوں کے بیچ سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ آپ ہی خیال فرمائیے کیسا دردناک نظارہ تھا!

پادری۔ غالبًا آپ اُسی نوجوان قیدی کا ذکر کررہے ہیں جس کی آنکھیں کچھ عجیب قسم کی ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ انگلستان کے[1] کلیسا کا پیرو نہیں ہے۔

کوکسن۔ جی نہیں۔

پادری۔ ہاں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔

جیلر۔ (ووڈر سے جو اس اثناء میں اندر آگیا ہے) ذرا جاکر ڈاکٹر صاحب سے کہہ دو کہ تکلیف کرکے ایک منٹ کے لیے یہاں چلے آئیں۔ (وورڈ سلام کرکے باہر چلا جاتا ہے) یہ تو بتلائیے کہ اس کی شادی ہوچکی ہے یا نہیں؟

کوکسن۔ شادی تو ابھی نہیں ہوئی۔ (راز دارانہ انداز سے) لیکن ایک عورت کی محبت میں مبتلا ہے۔ مگر یہ قصہ بہت دردناک ہے!

پادری۔ جناب۔ عورت اور شراب۔ اگر یہ دوچیزیں دنیا میں نہ ہوتیں تو یہ جیل خانہ کب کا بند ہوچکا ہوتا۔

کوکسن۔ (اپنی عینک کے اوپر سے پادری صاحب کی طرف دیکھ کر) جی ۔ ہاں۔ لیکن میں یہ واقعہ خاص طور پر آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کا دماغ اس کا شکار ہورہا ہے۔

جیلر۔ فرمائیے۔

کوکسن۔ جناب سارا قصہّ یہ ہے کہ اس عورت کا شوہر بڑا تندمزاج اور کینہ پرور شخص ہے۔ اور یہ اُس سے قطع تعلق کرچکی ہے بلکہ میرے نوجوان دوست کے ساتھ بھاگ جانے کو بھی تیار تھی۔ یہ کوئی اچھی بات نہ تھی لیکن خیر اس وقت میں اس پہلو کو نظر انداز کرتا ہوں۔ بہرحال اس مقدمے کے فیصلے کے بعد اس عورت کا یہ ارادہ ہوا کہ جب تک وہ جیل خانے سے واپس نہ آئے وہ اُس کے انتظار میں تنہا رہ کر محنت و مزدوری سے اپنی بسراوقات کرے۔ اُس بات سے اِس نوجوان کو اس وقت تو بڑی تسکین ہوگئی۔ اور گو میں اُس سے ذاتی طور پر واقف نہ تھا لیکن ایک ہی مہینے

(۱) عیسائی مذہب کے پیرو مختلف کلیساؤں میں منقسم ہیں۔

کے بعد وہ میرے پاس آئی۔ اور کہنے لگی کہ "لڑکوں کا کیا ذکر میری کمائی میرے ہی لیے کافی نہیں ہوتی اور اس وقت میرا کوئی معین و مددگار نہیں ہے۔ میں کسی سے ملتی جلتی بھی نہیں ہوں کہ کہیں میرے شوہر کو خبر نہ ہوجائے" یہ بھی کہتی تھی کہ "میں اِسی فکر میں گھلی جاتی ہوں" (اور واقعی اس عرصے میں وہ بہت دُبلی ہوگئی ہے) "اور اب مجھے محتاج خانے ہی جانا پڑے گا"۔ کیا عرض کروں کہ یہ سُن کر مجھے کیسا رنج ہوا۔ بہرحال میں نے اُس کا یہی جواب دیا کہ "نہیں اِس کی نوبت نہ آنے پائے گی۔ اور گو میں بھی عیال دار ہوں۔ اور مجھ پر بیوی بچوں کا بار ہے۔ مگر جہاں تک ہوسکے گا تمھاری مدد کروں گا اور محتاج خانے نہ جانے دوں گا"۔ لیکن وہ یہی کہتی رہی کہ "درحقیقت میں آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتی۔ اِس سے تو یہی بہتر ہوگا کہ میں اپنے شوہر ہی کے پاس واپس چلی جاؤں"۔ میں جانتا ہوں کہ اِس کا شوہر بڑا بدقماش اور نشہ باز آدمی ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں میں نے اُسے روکنا مناسب نہیں سمجھا۔

پادری۔ بے شک یہی مناسب تھا۔

کوکسن۔ آپ کا فرمانا بجا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہورہا ہے۔ کیونکہ اِس نوجوان کو تین سال کی قید کاٹنا ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اِس دوران میں ایسی کوئی بات نہ ہونے پائے جو اُسے ناگوار ہو۔

پادری۔ (خفیف بے صبری کے لہجے میں) لیکن مجھے خوف ہے کہ قانون آپ کی رائے سے متفق نہیں ہے۔

کوکسن۔ لیکن اِس وقت تو وہ قیدِ تنہائی میں ہے اور مجھے خوف ہے کہ اگر اُسے اِس کا کچھ بھی حال معلوم ہوگیا تو اس کے ہوش حواس جاتے رہیں گے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے یہ بات کسی کو پسند نہ ہوگی۔ آخری بار جب میں نے اُسے دیکھا تھا تو اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور میں کسی کو روتے ہوئے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

پادری۔ لیکن شاذ و نادر ہی کوئی قیدی اتنا اثر لیتا ہے۔

کوکسن۔ (اُس کی طرف دیکھ کر اور فوری مخالفت کے لہجے میں) میں تو اپنے کتوں سے بھی ایسا برتاؤ جائز نہ رکھوں۔

پادری۔ ہاں!

کوکسن۔ جی ہاں۔ چاہے کوئی کتا مجھے بھنبھوڑ ہی کیوں نہ کھائے مگر میں کسی صورت سے بھی اُس کو ہفتوں قیدِ تنہائی میں رکھنا پسند نہ کروں گا۔

پادری۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ مجرم لوگ کتوں کی طرح انجان جانور نہیں ہوتے۔ اُنھیں نیک و بد سمجھنے کی تمیز ہوتی ہے۔

کوکسن۔ لیکن نیک و بد سمجھانے کا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔

پادری۔ مجھے افسوس ہے کہ اِس معاملے میں میری رائے آپ سے مختلف ہے۔

کوکسن۔ کتوں تک کی یہی خاصیت ہوتی ہے کہ اگر آپ اُن کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں تو وہ آپ کے لیے اپنی جان تک دے دیں گے لیکن اگر آپ اُنھیں کسی کوٹھری میں تنہا بند کردیں تو وہ اور بھی تند اور وحشی ہوجائیں گے۔

پادری۔ یقیناً آپ بھی یہی پسند کریں گے کہ جو لوگ آپ سے زیادہ تجربہ کار ہیں وہی اِس بات کا فیصلہ کریں کہ قیدیوں کی فلاح و بہبود کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

کوکسن۔ (مستقل مزاجی کے لہجے میں) لیکن میں اِس نوجوان کی طبیعت سے بخوبی واقف ہوں۔ میں اُس کو سالہا سال سے دیکھتا رہا ہوں۔ یہ بڑا ذکی الحس واقع ہوا ہے اس میں تحمل یا قوتِ برداشت نام کو بھی نہیں۔ اُس کا باپ تپ دق میں مرا تھا۔ مجھے اُس کی آئندہ زندگی کے متعلق بھی اندیشہ ہے اور اگر وہ اِسی طرح قیدِ تنہائی میں رکھا گیا، کہ بلی تک اُس کے پاس پھٹکنے نہ پائے، تو اُسے نقصان پہنچ جائے گا۔ ایک بار میں نے اُس سے پوچھا تھا کہ "کہو کیسے گزرتی ہے؟" وہ بولا کہ "مسٹر کوکسن! میں آپ سے کچھ بیان نہیں کرسکتا لیکن بعض اوقات جی چاہتا ہے کہ دیوار سے سر پھوڑلوں"۔ مجھے تو اِس کی طرف سے بڑی تشویش ہے۔

(اس گفتگو کے دوران میں ڈاکٹر صاحب آجاتے ہیں۔ ایک میانہ قد۔ وجیہ آدمی ہیں۔ نگاہ تیز ہے۔ آکر کھڑکی کے سہارے کھڑے ہوجاتے ہیں)

جیلر۔ اِن صاحب کا خیال ہے کہ قیدی نمبر ۳۰۷ کے لیے قیدِ تنہائی کا حکم بہت ہی ضرر رساں ہے۔ یہ وہی دُبلا پتلا نوجوان فالڈر ہے جو درجے خاص میں رکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر کلیمنٹس! آپ کی اِس بارے میں کیا رائے ہے؟

ڈاکٹر۔ قیدِ تنہائی کو وہ پسند تو نہیں کرتا ہے لیکن اس سے اُس کو کوئی نقصان بھی نہیں ہورہا ہے۔ اور ایک ہی مہینے کی بات ہے۔

کوکسن۔ لیکن یہاں آنے سے پہلے بھی وہ عرصے سے جیل میں ہے۔

ڈاکٹر۔ اگر کوئی خاص بات ہوتی تو ہم لوگوں کو ضرور معلوم ہوجاتی۔ یہاں آنے کے بعد اُس کا وزن بھی کم نہیں ہوا ہے۔

کوکسن۔ میں تو اُس کی دماغی حالت کا ذکر کررہا ہوں۔

ڈاکٹر۔ اس وقت تک تو اُس کا دماغ بالکل صحیح ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ گھبرایا ہوا اور ملولِ خاطر رہتا ہے۔ لیکن اِس کے سوا مجھے کوئی اور بات نہیں معلوم ہوتی۔ میں اُس کی حالت غور سے دیکھتا رہتا ہوں۔

کوکسن۔ (اس جواب کو نظرانداز کرکے) آپ کی زبان سے یہ سن کر قدرے اطمینان ہوتا ہے۔

پادری۔ (کسی قدر نرمی سے) بس۔ جناب! یہی وقت ہوتا ہے جب ان لوگوں کی کچھ اصلاح ہوسکتی ہے مگر یہ میں اپنے نقطۂ خیال سے عرض کررہا ہوں۔

کوکسن۔ (گھبرا کر اور جیلر کی طرف مخاطب ہوکر) میں ایسی کوئی بات نہیں کہنا چاہتا جو آپ کے خلافِ مزاج ہو۔ لیکن یہ ضرور محسوس کررہا ہوں کہ جو کچھ ہورہا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔

جیلر۔ میں آج ہی جاکر اُس سے ملوں گا۔

کوکسن۔ اس کے لیے میں آپ کا بہت شکرگذار ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ روز کے دیکھنے والوں کو کوئی فرق محسوس نہ ہوگا۔

جیلر۔ (کسی قدر تیز مزاجی سے) اگر خرابیٔ صحت کی کوئی علامت ظاہر ہوئی تو اُس کی مجھے فوراً اطلاع ملے گی۔ اس بات کا یہاں پر پورا انتظام ہے۔

اتنا کہہ کر وہ کھڑا ہوجاتا ہے۔

کوکسن۔ (اپنے ہی خیالات میں غرق) بیشک جب تک کوئی بات نظر نہ آئے اس کی فکر نہیں ہوتی۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس سے بے فکر ہوجاؤں اور اُس کا خیال میرے دماغ پر مسلط نہ رہے۔

جیلر۔ جناب! آپ کو ہم لوگوں پر بھروسا رکھنا چاہیے۔

کوکسن۔ (نرم ہوکر اور معذرت کے انداز سے) مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ آپ میرا مطلب سمجھ جائیں گے۔ میں ایک سیدھا سادہ آدمی ہوں اور آج تک کبھی حکام کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ (پادری صاحب کی طرف بھی مخاطب ہوکر) معاف کیجیے گا۔ میں ذاتیات کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ آداب عرض ہے۔

کوکسن چلا جاتا ہے۔ جس کے بعد جیل خانے کے یہ تینوں افسران ایک دوسرے کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ لیکن ہرایک کے بشرے سے ایک خاص کیفیت نمایاں ہے۔

پادری۔ یہ حضرت سمجھتے ہیں کہ جیل خانہ بھی کوئی شفا خانہ ہے۔

کوکسن۔ (یکایک واپس آکر معذرت آمیز انداز سے) ایک ذرا سی بات اور عرض کرنا باقی رہ گئی ہے۔ یہ عورت! مگر شاید آپ اِس کو بھی فالڈر سے ملنے کی اجازت نہ دے سکیں! لیکن اِن دونوں کے لیے یہ اجازت ایک نعمتِ عظمیٰ ہوگی۔ وہ تو دن رات اُسی کے خیال میں محو رہتا ہوگا حالانکہ یہ اُس کی بیوی نہیں ہے۔ لیکن یہاں تو کسی بات کا اندیشہ نہیں ہوسکتا۔ اور ان دونوں کی حالت قابل رحم ہے۔ پھر کیا آپ ان کے ساتھ کوئی خاص رعایت نہیں کرسکتے؟

جیلر۔ (پریشان ہوکر) بندہ نواز۔ آپ کا خیال درست ہے۔ واقعی میں کسی کے ساتھ کوئی خاص رعایت نہیں کرسکتا۔ جب تک وہ اپنے معمولی جیل خانے میں واپس نہ چلا جائے گا اُسے کسی سے ملنے کی اجازت نہ ہوگی۔

کوکسن۔ بہت اچھا (کسی قدر بے رُخی سے) جیسی آپ کی مرضی ہو۔ افسوس۔ میں نے آپ کو ناحق تکلیف دی۔

کوکسن پھر چلا جاتا ہے۔

پادری۔ (اپنے شانے ہلاکر) بے چارہ سچ مچ سیدھا سادہ آدمی ہے۔ آیئے ڈاکٹر صاحب دوپہر کا کھانا تو کھالیں۔

وہ اور ڈاکٹر باتیں کرتے ہوئے باہر چلے جاتے ہیں۔

جیلر ایک آہ سرد بھرکر میز کے پاس بیٹھ کر لکھنے کے لیے قلم اُٹھاتا ہے۔

پردہ گرتا ہے۔

دوسرا سین

جیل خانے کی پہلی منزل کی غلام گردش کا ایک حصہ۔ جس کی دیواریں قدِ آدم اونچائی تک سبزی مائل رنگ سے پُتی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد گہرے سبز رنگ کی دھاری ہے۔ جس کے اوپر سفید قلعی پُتی ہوئی ہے۔ سیاہ رنگ کے پتھروں کا فرش ہے۔ سرے پر ایک بھاری سلاخ دار کھڑکی ہے جس سے چھن چھن کر روشنی آرہی ہے۔ چاروں کوٹھریوں کے دروازے نظر آرہے ہیں ہر کوٹھری کے دروازے میں آدمی کی آنکھ کی سطح پر ایک ایک گول سوراخ بنا ہوا ہے جس میں ایک چھوٹا سا گول شیشہ لگا ہے۔ اُس کو اوپر اُٹھا دینے سے کوٹھری کا اندرونی منظر دکھائی دینے لگتا ہے۔ ہر کوٹھری کے دروازے کے قریب دیوار پر ایک چھوٹی سی مربع تختی لٹکی ہوئی ہے جس پر قیدی کا نام، نمبر اور مختصر کیفیت درج ہے۔

اوپر دوسری اور تیسری منزل کی غلام گردشوں کے جنگلے نظر آرہے ہیں۔

اِن کوٹھریوں میں سے ایک سے جیل کا مدرس جو ڈارھی رکھائے ہوئے ہے وردی پہنے، اوپر سے گردپوش باندھے اور کنجیاں لٹکائے ہوئے باہر آرہا ہے۔

مدرس۔ (دروازے کے سوراخ سے اندر کی طرف رخ کرکے کہتا ہے) جب یہ ختم ہوجائے گا تو میں تمھارے لیے دوسرا لے آؤں گا۔

اوکلیری۔ (جو آنکھوں سے اوجھل ہے۔ آئرش لہجہ میں) جی ہاں۔ اِس میں کیا شک ہے۔

مدرس۔ (گفتگو کو بے تکلفانہ لہجے میں جاری رکھتے ہوئے) ہاں میں جانتا ہوں تمھیں بیکار رہنا پسند نہیں ہے اور جو کام بھی تم کو دیا جائے گا خوشی سے کروگے۔

اوکلیری۔ جی ہاں سچی بات تو یہی ہے۔

ایک کوٹھری کے دروازے بند ہونے اور مقفل کیے جانے کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ اور کسی آنے والے کے قدموں کی آہٹ آرہی ہے۔

مدرس۔ (تیز اور بدلی ہوئی آواز سے) دیکھو کون آرہا ہے۔ وہ کوٹھری کا دروازہ بند کردیتا ہے اور سپاہیانہ انداز سے مؤدبانہ کھڑا ہوجاتا ہے۔ جیلر غلام گردش سے ٹہلتے ہوئے آرہا

ہے اور ووڈر بھی اُس کے ہمراہ ہے۔

جیلر۔ کہو کوئی نئی بات؟

مدرس۔ (سلام کرکے اور ایک کوٹھری کی طرف اشارہ کرکے) حضور ۳۰۷ نمبر قیدی اپنے کام میں بہت پچھڑ گیا ہے۔ آج اس کے نمبر کاٹنا پڑیں گے۔

جیلر سر ہلاتا ہے اور آخر والی کوٹھری تک گزرتا چلا جاتا ہے۔ مدرس بھی باہر چلا جاتا ہے۔

جیلر۔ کیوں اِسی نے آری بنائی ہے نہ؟

جیسے ہی ووڈر کوٹھری کا دروازہ کھولتا ہے جیلر اپنی جیب سے آری نکال لیتا ہے۔ قیدی مونی ٹوپی پہنے ہوئے اپنی کوٹھری کا دروازہ روکے بستر پر لیٹا ہوا نظر آتا ہے۔ جیلر کو دیکھتے ہی چونک پڑتا ہے۔ اور کوٹھری کے عین وسط میں کھڑا ہوجاتا ہے۔ چھپن برس کا دُبلا پتلا آدمی ہے۔ ہڈیوں پر گوشت کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ چمگادڑوں کے سے ابھرے ہوئے کان اور بھیانک کرنجی آنکھیں ہیں۔

ووڈر۔ دیکھو جیلرصاحب آئے ہیں! ٹوپی اتارو (مونی تعظیماً ٹوپی اتار لیتا ہے) اور باہر چلے آؤ۔

مونی دروازے کے پاس آجاتا ہے۔

جیلر۔ (انگلیوں کے اشارے سے اُسے غلام گردش میں بلاکر آری دِکھاتا ہے۔ اس وقت اُس کا انداز ایسا ہے جیسے کوئی فوجی افسر کسی معمولی سپاہی سے باتیں کرتا ہو) کہو جی! اس کی بابت کیا کہتے ہو؟ (مونی خاموش ہے) کہو! جو کچھ کہنا ہو۔ کہتے کیوں نہیں ہو؟

مونی۔ اسی طریقے سے وقت کاٹنا تھا۔

جیلر۔ (کوٹھری کی طرف اشارہ کرکے) کیا تمھارے لیے یہ سزا کافی نہیں ہے؟

مونی۔ کیا کروں جی نہیں لگتا۔

جیلر۔ (آری کو تھپ تھپاتے ہوئے) وقت کاٹنے کا اس سے بہتر طریقہ سوچنا چاہیے۔

مونی۔ (کسی قدر کُڑھ کر) کیا سوچوں؟ بہتر طریقہ ہوہی کیا سکتا ہے؟ جب تک میعاد پوری نہ ہو ہاتھوں کے لیے کچھ نہ کچھ شغل تو چاہیے۔ اس عمر پر پہنچ کر اب مجھے کسی اور بات سے فائدہ ہی کیا پہنچ سکتا ہے؟ (اس کی گفتگو کا لہجہ رفتہ رفتہ مہذب ہوتا جاتا ہے) حضور کو معلوم ہی ہے کہ میعاد پوری ہونے کے سال دوسال بعد مجھے پھر

یہیں آنا ہے۔ رہائی کے بعد میں اپنے تئیں ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔ جیسے آپ کو اس پر فخر ہوتا ہے کہ جیل خانے کا سب انتظام باقاعدہ ہے۔ ویسے ہی مجھے بھی اپنی وضعداری کا خیال ہے۔ (یہ دیکھ کر کہ جیلر اس کی باتیں دلچسپی سے سُن رہا ہے وہ آری کی طرف اشارہ کرکے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتا ہے) میرے لیے اس قسم کا کوئی نہ کوئی کام ضروری ہے۔ اور اس سے کوئی نقصان بھی نہیں ہے! اس آری کے بنانے میں مجھے پانچ ہفتے لگے ہیں۔ اور یہ بنی بھی خوب ہے۔ اب آپ اس کی پاداش میں قیدِ تنہائی کی سزا دیں گے یا شاید ایک ہفتے تک صرف روکھی روٹی اور پانی ملنے کا حکم دیں۔ مگر اس میں آپ بھی بے بس ہیں۔ اور میں اُس سے بخوبی واقف ہوں۔ کیونکہ میں آپ کی نگاہ سے بھی اس معاملے کو دیکھ سکتا ہوں۔

جیلر۔ میری بات سنو۔ مونی! اگر میں اب کی دفعہ معاف کردوں تو پھر ایسی حرکت تو نہ کروگے؟ خوب سوچ لو۔ (وہ کوٹھری میں جاکر اس کے دوسرے سرے تک چلا جاتا ہے۔ پھر اسٹول پر چڑھ کر کھڑکی کی سلاخوں کو آزماتا ہے)۔

جیلر۔ (واپس آکر) بولو۔ کیا کہتے ہو؟

مونی۔ (جو اب تک سوچ رہا تھا) ابھی مجھے یہاں چھ ہفتے اور قیدِ تنہائی میں رہنا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس اثناء میں کسی بات کا خیال ہی دل میں نہ آئے۔ آخر دلچسپی کا بھی کوئی سامان ہونا چاہیے۔ آپ کی تجویز حوصلہ افزا ہے۔ لیکن میں اس بارے میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا اور آپ جیسے شریف النفس افسر کو دھوکا دینا بھی مناسب نہیں۔ (اپنی کوٹھری کی طرف اشارہ کرکے) اگر چار گھنٹے اور جم کر کام کرلیتا تو مطلب ہی پورا ہوگیا ہوتا۔

جیلر۔ ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن نتیجہ کیا ہوتا؟ پکڑے جاتے اور پھر یہیں لائے جاتے۔ سزا ہوتی۔ پانچ ہفتوں کی سخت محنت سے تم نے اسے بنایا۔ لیکن صلہ کیا ملے گا؟ مزید قیدِ تنہائی! کوٹھری کی کھڑکی میں نئی سلاخیں لگ جائیں گی۔ پھر اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ مونی؟

مونی۔ (کسی قدر جھنجھلاکر) جی ہاں! میں تو کچھ نہ کچھ فائدہ سمجھتا ہوں۔

جیلر۔ (اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر) خیر۔ اب اس کو جانے دو۔ دو دن تک کال کوٹھری اور

صرف روکھی روٹیاں اور پانی!
موفی۔ بہت خوب! شکریہ۔
وہ جانور کی طرح جلدی سے گھوم کر چپکے سے اپنی کوٹھری میں داخل ہوجاتا ہے۔
جیلر اُسے دیکھتا رہتا ہے اور جیسے ہی ووڈر کوٹھری کا دروازہ بند کرکے اُس کو مقفل کرتا ہے اپنا سر ہلانے لگتا ہے۔
جیلر۔ کلپٹن کی کوٹھری کھولو۔
ووڈر کلپٹن کی کوٹھری کا دروازہ کھولتا ہے۔ کلپٹن دروازے کے پاس ایک اسٹول پر بیٹھا پاجامہ سی رہا ہے۔ وہ ایک پستہ قد۔ موٹا اور سن رسیدہ آدمی ہے۔ سر کے بال منڈے ہوئے معلوم ہورہے ہوں۔ چھوٹی چھوٹی سیاہ اور بجھی ہوئی آنکھوں پر دھوئیں کے رنگ کی عینک لگی ہوئی ہے۔ جیلر کو دیکھ کر وہ چپ چاپ دروازے پر کھڑا ہوجاتا ہے اور آنے والے افسروں کو غور سے دیکھنے لگتا ہے۔
جیلر۔ (اشارے سے بلاکر) کلپٹن! ذرا ایک منٹ کے لیے یہاں آؤ۔
کلپٹن ہاتھ میں سوئی تاگا لیے ایک طرح کی وحشت آمیز خاموشی کے ساتھ کوٹھری سے نکل کر غلام گردش میں آجاتا ہے۔ جیلر ووڈر کو اشارہ کرتا ہے اور وہ کوٹھری میں جاکر اُس کا بغور معائنہ کرتا ہے۔
جیلر۔ تمھاری آنکھیں اب کیسی ہیں؟
کلپٹن۔ کوئی خاص شکات نہیں۔ لیکن یہاں سورج کے درشن نہیں ہوتے۔ (وہ اپنی گردن کو ذرا بڑھا کر چپکے سے آگے بڑھتا ہے) جیلر صاحب۔ آپ پوچھتے ہیں تو مجھے ایک بات عرض کرنا ہے۔ براہِ کرم آپ پاس والی کوٹھری کے قیدی سے کہہ دیں کہ اتنا شور نہ مچایا کرے۔
جیلر۔ کیا بات ہے کلپٹن؟ میں کسی کی شکایت نہیں سُننا چاہتا۔
کلپٹن۔ مجھے سونے ہی نہیں دیتا۔ معلوم نہیں کون آدمی ہے؟ (حقارت سے) شائد کوئی اول درجے کا قیدی ہوگا مگر اُسے یہاں ہم لوگوں کے ساتھ نہ رہنا چاہیے۔
جیلر۔ (آہستہ سے) بہت اچھا۔ کلپٹن! جوں ہی کوئی کوٹھری خالی ہوگی میں اُسے یہاں سے ہٹا دوں گا۔

کلپٹن۔ صبح تڑکے ہی سے وہ جنگلی جانور کی طرح کوٹھری میں دوڑ لگاتا ہے۔ میں شور و غل کا عادی نہیں ہوں اس لیے مجھے نیند نہیں آتی مگر یہاں شام سے یہی کیفیت رہتی ہے۔ آپ پوچھتے ہیں۔ تو کہتا ہوں کہ یہاں نیند کی جو آسائش میسر ہوسکتی ہے۔ وہ بھی مجھے نصیب نہیں حالانکہ جی بھر سونے کا حق تو حاصل ہی ہے۔

ووڈر کوٹھری سے باہر آتا ہے۔ کلپٹن کی طبیعت پست ہوجاتی ہے اور وہ چپ چاپ فوراً کوٹھری کے اندر چلا جاتا ہے۔

ووڈر۔ سب ٹھیک ہے۔ جناب!

جیلر سر ہلاتا ہے اور کوٹھری کا دروازہ بند کرکے مقفل کر دیا جاتا ہے۔

جیلر۔ آج صبح کون شخص اپنا دروازہ پیٹ رہا تھا؟

ووڈر۔ (اوکلیری کی کوٹھری کی طرف جاکر)۔ یہ ہے حضور۔ اوکلیری۔

شیشہ کا جو گول ٹکڑا کوٹھری کے دروازہ میں لگا ہوا ہے اُس کو اُٹھا کر سوراخ سے اندر جھانکتا ہے۔

جیلر۔ دروازہ کھولو۔

ووڈر دروازہ کھول دیتا ہے۔ اوکلیری (جو دروازہ کے پاس ایک چھوٹی سی میز پر اس طرح بیٹھا ہوا ہے گویا ساری باتیں سُن رہا ہے) چونک پڑتا ہے۔ اور دروازہ کے قریب ہی قاعدہ سے کھڑا ہوجاتا ہے۔ وہ ایک ادھیڑ آدمی ہے۔ چوڑا چکلا چہرہ ہے۔ پتلا سا چوڑا منہ ہے۔ گال کی ہڈیوں کے نیچے چھوٹے چھوٹے گڈھے پڑگئے ہیں۔

جیلر۔ اوکلیری یہ کیا مذاق کرتے رہتے ہو؟

اوکلیری ۔ حضور! مذاق کیسا۔ یہاں تو برسوں سے مذاق کی صورت بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔

جیلر۔ تم اپنا دروازہ پیٹتے رہتے ہو؟

اوکلیری۔ آہ! کیا آپ اسی کا ذکر فرما رہے تھے؟

جیلر۔ یہ تو عورتوں کی سی حرکت ہے۔

اوکلیری۔ جی ہاں۔ دو مہینے سے میری حالت کچھ ایسی ہی ہوگئی ہے۔

جیلر۔ کوئی خاص شکایت ہے؟

اوکلیری۔ جی نہیں۔

جیلر۔ تم تو پُرانے آدمی ہو۔ تمھیں سمجھداری سے کام لینا چاہیے۔

اکلیری۔ جی ہاں۔ میں سب تماشے دیکھ چکا ہوں۔

جیلر۔ تمھارے پاس والی کوٹھری میں ایک نوجوان قیدی ہے۔ تمھاری وجہ سے اُس کی نیند حرام رہتی ہے۔

اوکلیری۔ حضور مجھ پر کچھ سنک سی سوار ہوگئی تھی۔ مزاج کی ہمیشہ ایک ہی سی کیفیت تو رہتی نہیں۔

جیلر۔ تمھارا کام تو ٹھیک ہے نہ؟

اوکلیری۔ (جھاؤ کی چٹائی اُٹھا کر جسے وہ بنا رہا ہے) اے حضور اس کو تو میں آنکھ بند کر کے بھی تیار کرسکتا ہوں۔ یہ کم بخت کام ہی کیا ہے؟ اس میں تو ذرا سی بھی عقل درکار نہیں ہے۔ ایک چوہے کا دماغ رکھنے والا آدمی بھی اُس کو بناسکتا ہے (منہ بناکر) مجھے سب سے زیادہ جو بات کھلتی ہے وہ یہاں کا سناٹا ہے۔ تھوڑا سا بھی شور و غل ہو تو مجھے اُس سے کچھ نہ کچھ تسکین ہوجاتی ہے۔

جیلر۔ یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ اگر باہر کسی کارخانے میں کام کرتے ہوتے تو بات کرنے کی بھی مہلت نہ ملتی۔

اوکلیری۔ (پُر معنی انداز سے) جی ہاں منہ سے تو بات کرنے کا موقع نہ ملتا۔

جیلر۔ پھر کیا کرتے ہیں؟

اوکلیری۔ بڑی بڑی باتیں ہوتی رہتیں۔

جیلر۔ (مسکراکر) خیر اب دروازے سے بات چیت نہ کیجیے گا۔

اوکلیری۔ بہت خوب! اب آپ اس کی شکایت نہ سنیں گے۔

جیلر۔ (گھوم کر) اچھا۔ سلام۔

اوکلیری۔ آداب عرض حضور۔

وہ اپنی کوٹھری میں دوسری طرف چلا جاتا ہے اور جیلر دروازہ بند کردیتا ہے۔

جیلر۔ (اس کے چال چلن کی تختی دیکھ کر) مجھے تو اس بدنصیب بے چارے سے خواہ مخواہ ہمدردی ہے۔

ووڈر۔ حضور! بڑا بھلا مانس ہے۔

جیلر۔ (غلام گردش کے تلے اشارہ کرکے) مسٹر ووڈر! ذرا ڈاکٹر صاحب کو یہاں بلا لاؤ۔

ووڈر سلام کرکے چلا جاتا ہے۔ جیلر فالڈر کی کوٹھری کے دروازے تک جاکر اپنا ہاتھ جس کی سب اُنگلیاں سلامت ہیں دروازے کا سوراخ کھولنے کے لیے اُٹھاتا ہے لیکن کھولتا نہیں ہے بلکہ سر ہلاکر ہاتھ نیچے گرا دیتا ہے۔ پھر چال چلن کی تختی کا بغور معائنہ کرکے کوٹھری کا دروازہ کھولتا ہے۔ فالڈر جو دروازے سے لگا ہوا کھڑا ہے چونک کر سامنے لڑھک جاتا ہے اور ہانپنے لگتا ہے۔

جیلر۔ (باہر آنے کا اشارہ کرکے) فالڈر یہ تو بتاؤ، کہ تم ابھی تک اپنی طبیعت کو سنبھال کیوں نہیں سکے؟

فالڈر۔ (ہانپتا ہوا) جی ہاں۔

جیلر۔ شاید تم میرا مطلب نہیں سمجھے؟ میں کہتا ہوں کہ پتھر کی دیوار سے سر ٹکرانے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔

فالڈر۔ جی ہاں۔ کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

جیلر۔ پھر کیا کہتے ہو؟

فالڈر۔ جناب! میں کوشش کروں گا۔

جیلر۔ کیا تمھیں نیند نہیں آتی؟

فالڈر۔ جی بہت کم۔ دو بجے رات سے علی الصباح تک بڑی مصیبت کا سامنا رہتا ہے۔

جیلر۔ یہ کیوں؟

فالڈر۔ (اس کے ہونٹ ایک طرح کی مسکراہٹ سے ذرا پھیل جاتے ہیں) میں کچھ عرض نہیں کرسکتا۔ لیکن شروع سے میری طبیعت بہت کمزور واقع ہوئی ہے(اس کی آواز یکایک ذرا بلند ہوجاتی ہے) اس وقت یہاں کی ہرچیز ایک بلائے عظیم معلوم ہونے لگتی ہے۔ اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اب زندگی بھر یہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

جیلر۔ کیا بے عقلی کی باتیں کرتے ہو۔ ذرا اپنی طبیعت سنبھالو۔

فالڈر۔ (کسی قدر ضد اور فوری ناراضگی سے) جی ہاں۔ سنبھالنا ہی پڑے گا۔

جیلر۔ ذرا یہ بھی تو سوچو کہ آخر اور لوگ بھی تمھارے ساتھی ہی ہیں۔
فالڈر۔ جی ہاں وہ اس زندگی کے عادی ہوگئے ہیں؟
جیلر۔ لیکن جس مصیبت میں تم آج کل گرفتار ہو پہلی دفعہ تو سبھی کو اس سے سامنا ہوا ہوگا۔
فالڈر۔ جناب۔ مجھے بھی امید ہے کہ کچھ دنوں میں انھیں کی طرح ہوجاؤں گا۔
جیلر۔ (کسی قدر لاجواب ہوکر) اچھا۔ ٹھیک ہے۔ لیکن یہ تمھیں پر منحصر ہے۔ اور میری بات مانو تو اپنا دماغ درست رکھو۔ اور بھلے آدمیوں کی طرح رہو۔ ابھی تمھاری عمر ہی کیا ہے؟ جوان ہو۔ اور آدمی جیسا چاہے اپنے تئیں بنالے۔
فالڈر۔ (حسرت بھرے لہجے میں) جی ہاں۔ ایسا ہی ہے۔
جیلر۔ اپنے دل کو قابو میں رکھو۔ کوئی کتاب پڑھوگے؟
فالڈر۔ آج کل معمولی الفاظ بھی سمجھ میں نہیں آتے (اپنا سر نیچے جھکاکر) میں جانتا ہوں کہ اس میں کچھ فائدہ نہیں۔ لیکن ہروقت اسی سوچ میں رہتا ہوں کہ باہر کیا ہورہا ہے۔
جیلر۔ کیوں۔ کیا کسی نجی معاملے میں کوئی خاص تردد ہے؟
فالڈر۔ جی ہاں؟
جیلر۔ لیکن تمھیں اس کا بالکل خیال نہ کرنا چاہیے۔
فالڈر۔ (پیچھے سے اپنی کوٹھری کی طرف دیکھ کر) یہ کیسے ممکن ہے۔ جناب؟
ووڈر اور ڈاکٹر پاس آتے ہیں اور فالڈر یکایک بے حس و حرکت ہوجاتا ہے۔ جیلر اُسے کوٹھری میں جانے کا اشارہ کرتا ہے۔
فالڈر۔ (عجلت سے مگر دھیمی آواز میں) میرا دماغ بالکل صحیح ہے۔ جناب!
وہ اپنی کوٹھری میں واپس جاتا ہے۔
جیلر۔ (ڈاکٹر سے) کلیمنٹس۔ ذرا اندر جاکر اس کا معائنہ تو کرو۔
ڈاکٹر فالڈر کی کوٹھری میں جاتا ہے۔ جیلر پیچھے سے کواڑوں کو دھکا دے کر قریب قریب بند کردیتا ہے۔ اور خود کھڑکی کی طرف چلا جاتا ہے۔
ووڈر۔ (جو اس کے پیچھے چل رہا ہے) مجھے افسوس ہے کہ حضور کو ناحق تکلیف ہورہی ہے۔ لیکن سب لوگ مجموعی حیثیت سے اطمینان و سکون کی حالت میں ہیں۔

جیلر۔ (تیزی سے) تمھارا یہ خیال ہے؟

ووڈر۔ جی حضور۔ مگر میری رائے میں اس وقت کا سکون کرسمس کی بدولت ہے۔

جیلر۔ (اپنے آپ سے) خوب۔ یہ بھی عجیب بات ہے!

ووڈر۔ کیا ارشاد ہوا۔ حضور؟

جیلر۔ یہی کہ تم اس کو کرسمس کا اثر سمجھتے ہو!

وہ گھوم کر کھڑکی کی طرف جاتا ہے۔ ووڈر اُس کی طرف ملال آمیز تردد کے ساتھ دیکھتا ہے۔

ووڈر۔ (یکایک کچھ خیال کرکے) کیا حضور کی رائے میں اس موقع پر ہم لوگوں کا انتظام ٹھیک نہیں ہے۔ حکم ہو تو کچھ پھول پتیاں اور منگا لی جائیں۔

جیلر۔ نہیں مسٹر ووڈر۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

ووڈر۔ بہت خوب! حضور۔ جیسا حکم ہو!

ڈاکٹر۔ فالڈر کی کوٹھری سے باہر نکل آتا ہے۔ اور جیلر اُسے اشارے سے بلاتا ہے۔

جیلر۔ کہو کیا حال ہے؟

ڈاکٹر۔ میری سمجھ میں تو کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن اس کی طبیعت ذرا نازک واقع ہوئی ہے۔

جیلر۔ اگر کوئی خاص بات رپورٹ کرنے کے قابل ہو تو صاف صاف بتلا دیجیے۔

ڈاکٹر۔ دراصل میری رائے میں قیدِ تنہائی سے اُسے کوئی فائدہ نہیں ہورہا ہے۔ لیکن یہی بات اور بھی بہت سے قیدیوں کی نسبت کہی جاسکتی ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اگر ان لوگوں کو قید خانے کے بجائے مختلف کارخانوں میں بھیج کر ان سے کوئی مفید کام لیا جائے تو بہت بہتر ہو۔

جیلر۔ آپ کی رائے میں دوسروں کے لیے بھی یہی سفارش ہونا چاہیے؟

ڈاکٹر۔ کم سے کم ایک درجن قیدی تو ضرور اس کے مستحق ہیں۔ اور اس کو تو ہر وقت یہی خیال پریشان کیے رہتا ہے۔ اس کے علاوہ بظاہر اسے اور کوئی شکایت نہیں ہے۔ اسی شخص کو (اوکلیری کی کوٹھری کی طرف اشارہ کرکے) دیکھیے۔ اس کو بھی بطور خود اتنا ہی صدمہ ہے۔ لیکن اگر ایک بار بھی بدیہی واقعات کو نظر انداز کردیا جائے تو پھر کوئی صحیح رائے قائم ہی نہیں کی جاسکتی۔ اور جناب! ایمان کی بات تو یہ ہے کہ مجھے

اس کے ساتھ امتیازی برتاؤ کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ نہ اس کا وزن کم ہوا ہے۔
نہ آنکھوں میں کوئی شکایت ہے۔ نبض کی حالت بھی اچھی ہے۔ بات چیت بھی
ٹھیک کرتا ہے۔ اور اب اُسے ایک ہی ہفتہ اور یہاں رہنا ہے!

جیلر۔ بہرحال آپ کی رائے میں اسے مراق یا مالیخولیا کی شکایت تو نہیں ہے۔

ڈاکٹر۔ (سرہلاکر) آپ جیسی رپورٹ فرمائیں لکھ دوں۔ لیکن انصاف کے رُو سے مجھے اوروں
کے لیے بھی ویسی ہی رپورٹ دینا چاہیے۔

جیلر۔ میں سمجھا (فالڈر کی کوٹھری کی طرف دیکھ کر) تو پھر اس بے چارے کو ابھی کچھ
دنوں تک یہیں رہنا پڑے گا۔

یہ کہتا ہوا وہ بے توجہی کے ساتھ ووڈر کی طرف دیکھتا ہے۔

ووڈر۔ کیا حکم ہے حضور؟

جیلر جواب دینے کے بجائے اس کی طرف گھورتا ہے۔ پھر گھوم کر چلا جاتا ہے۔
تھوڑی دیر میں کسی دھات کے پٹنے کی آواز آتی ہے۔

جیلر۔ (رُک کر) یہ کیا ہے۔ مسٹر ووڈر؟

ووڈر۔ حضور وہ اپنے دروازے کے کواڑ پیٹ رہا ہے۔ میرا خیال بھی تھا کہ ابھی یہ ایسی
حرکتیں اور کرے گا۔

وہ تیزی سے جیلر کو پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔ جیلر آہستہ آہستہ اس کے
پیچھے چلا جاتا ہے۔

(پردہ گرتا ہے)

تیسرا سین

فالڈر کی کوٹھری۔ تیرہ فٹ لمبی سات فٹ چوڑی اور نو فٹ اُونچی۔ چونا سے پُتی ہوئی ہے لداؤ کی گول چھت ہے۔ چمکیلی سیاہ اینٹوں کا فرش ہے۔ آخری دیوار کے وسط میں اُونچائی پر ایک سلاخ دار کھڑکی مع روشن دان ہے۔ مقابل کی دیوار کے بیچوں بیچ ایک تنگ دروازہ ہے۔ ایک کونہ میں لپیٹا ہوا بستر رکھا ہے۔ جس میں دو کمبل۔ دو چادریں اور ایک رضائی ہے۔ اُن کے اوپر ایک چوتھائی دائرہ نما لکڑی کا تختہ ہے۔ جس پر انجیل اور کئی چھوٹی چھوٹی مذہبی کتابیں مخروطی شکل میں ترتیب سے رکھی ہوئی ہیں۔ ایک سیاہ بالوں والا برش۔ دانتوں کا برش اور ذرا سی صابن کی ٹکیہ بھی رکھی ہوئی ہے۔

دوسرے گوشے میں چارپائی کا چوبی چوکٹھا ہے جو لمبا کھڑا کردیا گیا ہے۔ کھڑکی کے نیچے ایک تنگ اور چھوٹا ہوا دان ہے۔ ایسا ہی ہوا دان دروازے کے اوپر بھی ہے۔ فالڈر کا کام (ایک قمیض جس میں وہ کاج بنا رہا ہے) دیوار میں ایک کیل پر لٹک رہا ہے۔ اس کے نیچے لکڑی کی ایک چھوٹی سی میز رکھی ہے۔ جس پر "لارنا ڈون" نامی ناول کھلا ہوا رکھا ہے۔

دروازے کے قریب نیچے کی طرف ایک گوشے میں ایک فٹ مربع موٹا شیشہ لگا ہوا ہے جو دیوار میں گیس کے سوراخ کو ڈھکے ہوئے ہے۔ اس کے پاس ایک لکڑی کی تپائی بھی ہے جس کے نیچے ایک جوڑا جوتے کا رکھا ہے۔ کھڑکی کے نیچے چمکتے ہوئے ٹین کے تین ڈبے رکھے ہیں۔ شام ہو رہی ہے۔ فالڈر موزے پہنے ہوئے دروازے کی طرف سر جھکائے بے حس و حرکت خاموش کھڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غور سے کچھ سن رہا ہے۔ وہ دروازے کی طرف کھسکتا جاتا ہے۔ مگر موزے کی وجہ سے پاؤں کی آہٹ سنائی نہیں دیتی۔ آخر وہ دروازے پر پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے۔ اور جو باتیں باہر ہورہی ہیں اُن کے سننے کے لیے بے قرار نظر آتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اچانک وہ چونک کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ گویا اُسے کوئی خاص آواز سُنائی دی۔ اس کے بعد وہ پھر خاموش و گُم سُم ہوجاتا ہے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ایک ٹھنڈی سانس بھرکر اپنے کام کی طرف جاتا ہے اور سر جھکائے اس کی طرف ٹکٹکی لگاکر دیکھتا ہے۔ دو ایک ٹانکے لگاتا ہے مگر اس انداز سے جیسے کوئی رنج و غم

میں ڈوبا ہوا ہو اور ہر ٹانکا اُسے ہوش میں لارہا ہو۔ اس کے بعد وہ دفعتاً گھوم کر سر ہلاتا ہوا کوٹھری میں اس طرح ٹہلنے لگتا ہے۔ جیسے کوئی جانور اپنے کٹہرے میں ٹہلتا ہے۔ پھر دروازے کے پاس جاکر ٹھہرجا تا ہے اور کان لگا کر سُننے لگتا ہے۔ اور دروازے پر دونوں ہتھیلیاں رکھ کر سلاخوں پر اپنی پیشانی جھکا دیتا ہے۔ ذرا سی دیر بعد وہ پھر بہت آہستگی سے کھڑکی کی طرف جاتا ہے اور دیواروں پر چاروں طرف جو رنگ پُتا ہوا ہے اُس کی بالائی لکیر پر اُنگلی پھیرتا ہوا کھڑکی کے نیچے رُک جاتا ہے اور ایک ڈبے کا ڈھکّن کھول کر اُس میں دیکھنے لگتا ہے۔ گویا تنہائی سے پریشان ہوکر وہ اپنے ہی چہرہ کو دیکھ کر دل بہلانے کی کوشش کر رہا ہے۔

اب قریب قریب بالکل تاریکی چھا گئی ہے۔ دفعتاً ڈھکّن اُس کے ہاتھ سے جھنجھناتا ہوا گر پڑتا ہے۔ جس سے خاموشی کی فضا میں خلل پڑتا ہے اور فالڈر غور سے دیوار کی طرف دیکھنے لگتا ہے جہاں اس کے قمیض کا کپڑا ٹنگا ہوا اندھیرے میں سفید سا نظر آرہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فالڈر کو کوئی آدمی یا چیز دکھائی دے رہی ہے۔ اتنے میں دروازے سے "کھٹ کھٹ" "کھٹ کھٹ" کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ گیس کی بتی جو موٹے شیشے کے نیچے ہے جلنے لگتی ہے۔ جس سے تمام کوٹھری روشن ہوجاتی ہے۔ فالڈر کا دم گھُٹتا ہوا معلوم ہورہا ہے۔

اچانک دُور سے ایک ایسی آواز سُنائی پڑتی ہے جیسے دھات کی دبیز چادر پر ضرب پڑ رہی ہو۔ اس ناگہانی آواز سے سہم کر فالڈر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ لیکن آواز زیادہ تیز ہوتی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فوجی گاڑی کوٹھری کی طرف بڑھی چلی آرہی ہے۔ اِس آواز سے رفتہ رفتہ وہ مبہوت سا ہوجاتا ہے۔ اور بہت ہی دھیرے دھیرے رینگتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھتا ہے۔ ادھر گھڑگھڑاہٹ کا شور کوٹھریوں کو طے کرتا ہوا قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ فالڈر کے ہاتھ اس طرح حرکت کر رہے ہیں گویا اُس کی روح اس گھڑگھڑاہٹ کی آواز میں سرایت کرگئی ہے۔

شور زیادہ ہوتا جاتا ہے اور آخرکار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی کی کوٹھری میں ہو رہا ہے۔ اور وہ دفعتاً گھونسا تان لیتا ہے اور زور سے ہانپتا ہوا دروازے کی طرف جھپٹتا ہے اور اُسے پیٹنے لگتا ہے۔

(پردہ گرتا ہے)

ایکٹ چوتھا

دوسال گذر چکے۔ مارچ کا مہینے ہے دن کے دس بجنے میں چند ہی منٹ باقی ہیں۔ مسٹر کوکسن کے کمرے کے سب دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ سوئیڈل (جو اب ایک سبزہ آغاز نوجوان ہے) دفتر کی صفائی کررہا ہے۔ وہ کوکسن کی میز پر قرینے سے کاغذات رکھ کر ہاتھ منہ دھونے کی تپائی کے پاس جاکر اِس کا ڈھکن اُٹھاتا ہے اور پانی میں اپنی صورت دیکھنے لگتا ہے۔ اسی اثناء میں وتھ ہنی ویل دفتر کے بیرونی دروازے سے آکر دہلیز میں کھڑی ہوجاتی ہے۔ آج اِس کے بشرے سے معمولی افسردگی کی جگہ ایک طرح کی بشاشت اور ہلکی سے بے قراری ٹپک رہی ہے۔

سوئیڈل۔ (دفعتاً اس کی طرف دیکھ کر اور ہاتھ منہ دھونے کی تپائی کا ڈھکن دھماکے کے ساتھ گراکر) آہا۔ آپ ہیں۔

وتھ۔ ہاں۔

سوئیڈل۔ اِس وقت یہاں تو میں ہی اکیلا ہوں۔ اور لوگ یہاں سویرے آکر اپنا وقت خراب نہیں کرتے۔ آپ کو دیکھے ہوئے پورے دو سال ہوگئے ہوں گے۔ اِتنے دنوں آپ کہاں رہیں؟

وتھ۔ (مصنوعی ہنسی کے ساتھ) زندگی کے دن پورے کرتی رہی۔

سوئیڈل۔ (متاثر ہوکر اور کوکسن کی کرسی کی طرف اشارہ کرکے) اگر آپ اِن سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں تو وہ یہاں ذرا دیر میں آتے ہوں گے۔ آپ جانتی ہیں وہ کبھی دیر میں نہیں آتے۔ (دل جوئی کے لہجے میں) اُمید ہے کہ ہمارے پرانے دوست اب دیہات سے واپس آگئے ہوں گے۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا ہے تو اُن کی میعاد پوری ہوئے تین مہینے ہوگئے۔ (وتھ سر کے اشارہ سے ہاں میں ہاں ملاتی ہے) مجھے اُس واقعہ کا بہت رنج ہواتھا۔ اور میں تو یہی کہوں گا کہ بڑے صاحب سے اِس

معاملے میں بڑی غلطی ہوئی۔
وتھ۔ بیشک غلطی ہوئی۔
سوئیڈل۔ انھیں اِس بے چارہ کو ایک مرتبہ ضرور طرح دینا چاہیے تھی۔ اور میری رائے میں جج صاحب کو بھی تنبیہ کرکے چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ مگر یہ لوگ انسانی مجبوریوں کا کوئی خیال ہی نہیں کرتے۔ ان باتوں کو تو کچھ ہمیں لوگ سمجھتے ہیں۔
وتھ۔ (اُس کی طرف ایک دل کش انداز سے دیکھ کر مسکرا دیتی ہے)۔
سوئیڈل۔ خدا معلوم۔ یہ لوگ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں۔ پہلے تو انسان پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑ دیتے ہیں اِس پر بھی اگر کوئی شخص کچلنے سے بچ جائے تو اُلٹی شکایت کرتے ہیں۔ مگر میں اِن لوگوں کو خوب جانتا ہوں۔ کتنوں کو انھیں آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ (عاقلانہ انداز سے سر ہلاکر) ابھی کل ہی کی بات ہے ......
اِس اثناء میں کوکسن دفتر کے برآمدے سے داخل ہوتا ہے۔ پُروائی ہوا نے اِس کے جسم میں کچھ پھرتی پیدا کردی ہے۔ مگر اِس کے بال پہلے سے بھی زیادہ پک گئے ہیں۔
کوکسن۔ (کوٹ اور دستانے اُتار کر) اچھا آپ ہیں! (سوئیڈل کو باہر جانے کا اشارہ کرکے دروازے بند کرلیتا ہے) لیکن پہچان نہیں پڑتی ہو۔ دوہی سال میں ایسی صورت بدل گئی۔ میرے لایق کوئی کام ہوتو میں چند منٹ دے سکتا ہوں۔ بال بچے سب اچھی طرح ہیں؟
وتھ۔ جی ہاں۔ سب خیریت ہے۔ لیکن اب میں وہاں نہیں رہتی جہاں پہلے تھی۔
کوکسن۔ (کنکھیوں سے دیکھ کر) میں سمجھتا ہوں کہ یہاں اب آپ پہلے سے زیادہ آرام سے ہیں۔
وتھ۔ جو کچھ سمجھیے۔ مگر میں ہنی دل کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔
کوکسن۔ مگر تم جلدی میں کوئی ناسمجھی کی بات تو نہیں کربیٹھی ہو؟ ورنہ مجھے اِس کا بڑا افسوس ہوگا۔
وتھ۔ بچے تو میرے ہی ساتھ ہیں۔
کوکسن۔ (یہ محسوس کرتے ہوئے کہ وتھ کی حالت کچھ خوش گوار نہیں)۔ خیر مجھے تمھیں دیکھ کر خوشی ہوئی۔ میرے خیال میں نوجوان فالڈر جیل سے رہائی کے بعد تم سے تو

ملا نہیں۔

وتھ۔ نہیں۔ مگر کل اتفاقاً مجھے راستے میں دکھائی دیا تھا۔

کوکسن۔ خیریت سے ہیں؟

وتھ۔ (دفعتاً کڑے لہجہ میں) اُسے کوئی کام ہی نہیں ملتا ہے۔ بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے۔ میں تو اُسے دیکھ کر بہت پریشان ہوگئی۔

کوکسن۔ (دلی ہمدردی کے ساتھ) افسوس! مجھے یہ سُن کر بہت رنج ہوا۔ (پھر ذرا سنبھل کر) کیا رہائی کے بعد اُسے کوئی کام نہیں ملا؟

وتھ۔ کام تو مل گیا تھا لیکن تین ہی ہفتے تک اس کا سلسلہ قائم رہا اُس کے بعد لوگوں کو سزا یابی کا پتہ چل گیا......

کوکسن۔ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ میں اُس کے لیے کیا کرسکتا ہوں۔ میں بے مروتی بھی نہیں کرنا چاہتا۔

وتھ۔ مجھ سے تو اُس کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔

کوکسن۔ (وتھ کی بظاہر خوش حال صورت پر نظر ڈالتے ہوئے) میں جانتا ہوں اُس کے عزیزوں کو اس کے امداد کی کوئی پروا نہیں ہے۔ لیکن شاید تم کچھ مدد کرسکو۔ کم سے کم اُس وقت تک جب اُس کی حالت ذرا سنبھل جائے۔

وتھ۔ اِس وقت تو نہیں۔ پہلے شاید کچھ کرسکتی۔ لیکن اب ممکن نہیں۔

کوکسن۔ میں اِس کا مطلب نہیں سمجھا؟

وتھ۔ (خودداری کی شان کے ساتھ) میں اس اثناء میں اُس سے (مراد اپنے شوہر سے) پھر مل چکی ہوں۔ اس لیے اب وہ پہلے کی بات نہیں رہی۔

کوکسن۔ (کسی قدر پریشان ہوکر) معاف کیجیے۔ میں بال بچوں والا آدمی ہوں۔ کوئی نامناسب بات سُننا نہیں چاہتا۔ اور اِس وقت مجھے کام بھی بہت کرنا ہے۔

وتھ۔ میں اب تک کبھی کی دیہات میں میکے والوں کے یہاں چلی گئی ہوتی۔ لیکن ہنی ول سے میں نے ان لوگوں کے خلاف مرضی شادی کرلی تھی اور اس بات کو وہ لوگ ابھی تک بھولے نہیں ہیں۔ مسٹر کوکسن! میں ضدن تو نہیں ہوں لیکن آن والی ضرور ہوں۔ اور شادی کے وقت تو بالکل لڑکی تھی۔ اور ہنی ول کو نہ معلوم کیا

سمجھتی تھی۔ وہ روزانہ ہمارے مزرعہ تک کئی میل کے فاصلے سے صرف مجھ سے ملنے کے لیے پاپیادہ آیا کرتا تھا۔

کوکسن۔ (افسوس کے ساتھ) مجھے امید تھی کہ اب پہلے سے تمھاری حالت بہتر ہوگئی ہوگی۔

وتھ۔ اُس نے مجھے اور بھی ستانا شروع کیا۔ لیکن میرے کس بل نہ نکال سکا۔ البتہ اس آئے دن کی پریشانی سے میری تندرستی خراب ہوگئی۔ یوں بھی بچّوں کی تکلیف مجھ سے دیکھی نہ جاسکی۔ اب تو اُس کا دم بھی لبوں پر ہو تب بھی میں اُسے دیکھنے نہ جاؤں۔

کوکسن۔ (اٹھ کر کھڑا ہوجاتا ہے اور اس طرح پہلو بدلتا ہے جیسے کوئی آتشیں دریا چلا آتا ہو اور وہ اس سے اپنے تئیں بچانے کی فکر کرے) ہمیں سخت کلامی و زبانی تشدد سے باز رہنا چاہیے۔

وتھ۔ (جل کر) مگر جس آدمی کا برتاؤ اتنا وحشیانہ ہو...... تھوڑی دیر کے لیے سکوت طاری ہوجاتا ہے۔

کوکسن۔ (ضبط کے باوجود متاثر ہوکر) اچھا۔ اس کے بعد پھر تم نے کیا کیا؟

وتھ۔ (بے پروائی کے لہجے میں) کرتی کیا۔ پہلے کی طرح اسکرٹ (لہنگے) سینے لگی۔ معمولی معمولی چیزیں سستے داموں پر بنانے لگی۔ اس سے بہتر کام بھی مجھے نہ ملا لیکن کبھی دس شلنگ فی ہفتہ سے زیادہ کا کام نہ ملا۔ اپنے ہی پاس سے کپڑا خرید کر دن بھر دیدہ ریزی کرنی پڑتی تھی اور کہیں آدھی رات کے بعد سونا نصیب ہوتا تھا، اس طرح میں نے پورے نو مہینے کاٹے۔ (تیز لہجہ میں) لیکن اُس کے بعد اتنی محنت برداشت نہ کرسکی۔ میں اس قدر مشقت کے قابل بھی نہیں ہوں اس سے تو موت ہی بہتر ہے۔

کوکسن۔ خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔

وتھ۔ بچے بھی دانہ دانہ کو ترستے تھے۔ میں نے کس ناز و نعم سے انھیں پالا تھا۔ لیکن اب وہ بھی عذاب معلوم ہونے لگے، میں تھک کر چور ہوجاتی تھی (یہ کہہ کر وہ چپ ہوجاتی ہے)۔

کوکسن۔ (مضطرب ہوکر) پھر کیا ہوا؟

وتھ۔ (ہنس کر) جس شخص کا کام کرتی تھی۔ وہ مجھ پر مہربان ہوگیا اور اب بھی مہربان ہے۔

کوکسن۔ چھی چھی۔ میں ایسی باتوں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔

وتھ۔ (بے حیائی سے) میرے ساتھ وہ ہمیشہ حسنِ سلوک سے پیش آیا۔ لیکن میں نے اب اس سلسلے کو بھی ختم کردیا ہے (دفعتاً اس کے ہونٹ کانپنے لگتے ہیں اور وہ انھیں ہاتھ سے چھپالیتی ہے) سچ کہتی ہوں مجھے اس کا خیال بھی نہ تھا کہ پھر کبھی اُن سے ملاقات ہوگی لیکن اتفاق سے کل ہی ہائیڈ پارک کے قریب مڈبھیڑ ہوگئی۔ ہم دونوں اندر جاکر بیٹھ گئے۔ اور انھوں نے مجھ سے اپنی ساری سرگزشت کہہ سنائی۔ آہ! مسٹر کوکسن! انھیں پھر ایک مرتبہ اپنے دفتر میں جگہ دیجیے۔

کوکسن۔ (پریشان خاطر ہوکر) تو آج کل تم دونوں بیکار ہو۔ کیسی دردناک حالت ہے؟

وتھ۔ اگر اُنھیں ایک مرتبہ پھر آپ کے یہاں جگہ مل جائے یہاں کسی کو اُن کے بابت کچھ دریافت کرنا نہیں ہے۔

کوکسن۔ لیکن میں ایسی کوئی بات نہیں کرنا چاہتا جس سے کارخانے کی بدنامی ہو۔

وتھ۔ لیکن میں آپ کے سوا کس سے کہوں؟

کوکسن۔ مالکان سے ذکر کروں گا لیکن امید نہیں کہ بحالتِ موجودہ وہ انھیں رکھنا پسند کریں۔ مجھے تو واقعی اس کی توقع نہیں ہے۔

وتھ۔ وہ بھی میرے ساتھ یہاں تک آئے ہیں اور(کھڑکی کی طرف اشارہ کرکے) نیچے سڑک پر کھڑے ہیں۔

کوکسن۔ (کسی قدر تحکمانہ لہجے میں) انھیں بلا طلب یہاں آنا مناسب نہ تھا۔ (وتھ کے چہرے کا انداز دیکھ کر وہ نرم ہوجاتا ہے) حسنِ اتفاق سے ایک جگہ خالی تو ہے لیکن میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔

وتھ۔ اب آپ ہی اُس کی جان بچا سکتے ہیں۔

کوکسن۔ میں امکان بھر کوشش کروں گا۔ لیکن کوئی پختہ وعدہ نہیں کرسکتا۔ فی الحال تم اُن سے جاکر یہ کہہ دو کہ جب تک مالکوں سے نہ پوچھ لوں یہاں دفتر میں اُن سے ملنا مناسب نہ ہوگا۔ تم اپنا پتہ چھوڑ جاؤ (پتہ پڑھ کر) نمبر ۸۰ ملنگ اسٹریٹ۔ (وہ بلانٹک

پر اِس کا پتہ لکھ لیتا ہے) اچھا خدا حافظ۔

وتھ۔ شکریہ۔

[اتنا کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اور دروازے تک جاکر وہاں سے پھر مڑتی ہے گویا کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن کچھ کہے بغیر پھر چلی جاتی ہے]

کوکسن۔ (اپنے چہرے اور پیشانی کو رومال سے پونچھ کر) "عجب پریشانی ہے"۔ (اُس کے بعد ذرا دیر تک وہ اپنے کاغذات دیکھتا ہے پھر گھنٹی بجاتا ہے۔ جس پر سوئیڈل حاضر ہوتا ہے۔

کوکسن۔ (سوئیڈل سے) کیا آج وہ نوجوان رچرڈس کلرک کی جگہ کام کرنے کو آنے والا ہے۔

سوئیڈل۔ جی ہاں۔

کوکسن۔ جس طرح ہوسکے آج اُسے ٹال دینا۔ میں ابھی اس سے ملنا نہیں چاہتا۔ سوئیڈل۔ تو میں اس سے کیا کہہ دوں۔

کوکسن۔ (روکھے پن سے) کوئی بات بنا دینا۔ اور عقل سے کام لے کر کچھ کہہ دینا۔ لیکن بالکل بھگا نہ دینا۔

سوئیڈل۔ کیا میں یہ کہہ دوں کی آج آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ ملاقات نہیں ہوسکتی۔

کوکسن۔ نہیں۔ کوئی جھوٹ بات نہ کہنا چاہیے۔ یہی کیوں نہ کہہ دو کہ صاحب آج دفتر میں نہیں آئے ہیں۔

سوئیڈل۔ بہت خوب ۔ حضور میں اُسے کسی طرح ٹال دوں گا۔

کوکسن۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اور دیکھو فالڈر کو تم جانتے ہی ہو۔ شاید وہ مجھ سے ملنے آئے۔ ذرا اُس سے اچھی طرح پیش آنا۔

سوئیڈل۔ جی ہاں میرا فرض بھی یہی ہے۔

کوکسن۔ بیشک۔ گرے ہوئے آدمی کو ٹھوکر لگانا مناسب نہیں۔ بلکہ تم کو اُسے ہاتھ سے سہارا دے دینا چاہیے۔ اسی اصول پر زندگی میں کاربند رہنا چاہیے۔ یہ بہت ہی عمدہ پالیسی ہے۔

سوئیڈل۔ کیا آپ کی رائے میں مالکان اُسے پھر دفتر میں رکھ لیں گے۔

کوکسن۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ (اتنے میں باہری دفتر میں کسی کے آنے کی آہٹ سُن پڑتی ہے) کون آیا؟

سوئیڈل۔ (دروازے تک جاکر اور باہر دیکھ کر) حضور۔ فالڈر صاحب آئے ہیں۔

کوکسن۔ (جھنجلاکر) لاحول ولاقوۃ۔ اس نے یہ کیا حماقت کی۔ ذرا کہہ دو کہ پھر کسی دوسرے وقت آئیں۔ اس وقت تو میں ...... ۔

جملہ پورا نہیں ہو پایا کہ فالڈر اندر آجاتا ہے۔ وہ بڑا دُبلا پتلا اور زرد ہوگیا ہے۔ بلکہ سال خوردہ معلوم ہوتا ہے اور آنکھوں سے سراسیمگی ظاہر ہوتی ہے۔ کپڑے بھی بوسیدہ اور ڈھیلے ڈھالے ہوگئے ہیں۔

سوئیڈل۔ بشاشی سے فالڈر کو اندر آنے کا اشارہ کرکے۔ خود باہر چلا جاتا ہے۔

کوکسن۔ میں تمھیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ لیکن تم ذرا قبل از وقت آئے ہو۔ (خوش مزاجی قائم رکھنے کی کوشش کرکے) خیر۔ آؤ۔ ہاتھ ملاؤ۔ وہ بے چاری تمھارے لیے بڑی کوشش کررہی ہے اور گرم لوہے پر چوٹ لگانا چاہتی ہے (اپنی پیشانی پونچھ کر) مگر اِس میں اُس کا کیا قصور ہے؟ تمھارے لیے تو بے چاری بڑی دوڑ دھوپ کررہی ہے۔

فالڈر جھجھکتا ہوا کوکسن سے ہاتھ ملاتا ہے۔ اور مالکوں کے کمرے کی طرف دُزدیدہ نظروں سے دیکھتا ہے۔

کوکسن۔ بیٹھ جاؤ۔ ابھی مالکان نہیں آئے ہیں۔ (فالڈر کوکسن کی میز کے پاس کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور ٹوپی میز پر رکھ دیتا ہے) اب تم یہاں آہی گئے ہو تو کچھ اپنا حال سناؤ (اپنی عینک کے اوپر سے دیکھ کر) تمھاری صحت کیسی ہے۔

فالڈر۔ کسی طرح زندہ ہوں۔ مسٹر کوکسن۔

کوکسن۔ (کچھ سوچتا ہوا) تمھارے منہ سے یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ تمھارے معاملے میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ میں خلافِ معمول کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ یہ بات میری عادت کے خلاف ہے۔ میں صاف آدمی ہوں۔ اور یہی چاہتا ہوں کہ کل کام صاف صاف اور ٹھیک ہو۔ لیکن میں وتھ کو مالکان سے تمھاری سفارش کرنے کا وعدہ دے چکا ہوں اور میں ہمیشہ کی طرح اپنا یہ وعدہ پورا کروں گا۔

فالڈر۔ مسٹر کوکسن۔ میں صرف ایک اور موقع چاہتا ہوں۔ یقین مانیے۔ میں اپنی خطا کی ہزار گنی سزا بھگت چکا ہوں۔ دوسروں کو کیا معلوم۔ لیکن میں آپ سے اِس وقت جو کچھ کہہ رہا ہوں حرف حرف صحیح ہے۔ جیل والے تو کہتے ہیں کہ میرا وزن بڑھ گیا ہے۔ لیکن (وہ اپنے سر پر ہاتھ رکھتا ہے) وہ اس سر کو تول نہ سکے (اور پھر دل پر ہاتھ رکھتا ہے) اور نہ اُسے دیکھ سکے۔ کل رات ہی کی بات ہے مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ دل بالکل خاک سیاہ ہوگیا اور اس میں کچھ باقی نہیں بچا۔

کوکسن۔ (تشویش کے لہجے میں) کیا تمھیں قلب کی بیماری تو نہیں ہوگئی؟

فالڈر۔ آپ یہ کہتے ہیں مگر۔ جیل والوں نے تو مجھے بالکل تندرست قرار دیا ہے۔

کوکسن۔ انھوں نے تمھارے لیے ایک ملازمت بھی حاصل کردی تھی۔

فالڈر۔ جی ہاں۔ وہ لوگ بہت اچھے آدمی تھے۔ میرے حالات سے بخوبی واقف بھی تھے۔ اور مجھ سے بڑی مہربانی سے پیش آتے تھے۔ میں بھی سمجھتا تھا کہ اچھی طرح گزر ہوجائے گی۔ لیکن ایک دن دفعتاً دوسرے کلرکوں کو کل حالات معلوم ہوگئے...... پھر کیا تھا: جناب! میں وہاں نہ ٹھہر سکا۔ کسی حالت میں نہ ٹھہر سکا ......

کوکسن۔ ذرا دم لے لو پھر بات کرنا۔ ابھی پریشان نہ ہو۔

فالڈر۔ اس کے بعد ایک اور چھوٹی سے جگہ ملی لیکن وہ بھی قائم نہ رہ سکی۔

کوکسن۔ کیوں۔

فالڈر۔ مسٹر کوکسن! میں آپ سے جھوٹ نہ بولوں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ جن حالات سے مجھے مقابلہ کرنا ہے وہ مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ زیادہ تفصیل سے کیا کہوں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ایسے جال میں پھنس گیا ہوں کہ اگر ایک طرف سے اُسے کاٹتا ہوں تو وہ دوسری طرف پھیل کر مجھے جکڑ لیتا ہے۔ میں نے جیسا چاہیے تھا کوئی سرٹیفکٹ پیش نہیں کیے تھے۔ اور پیش بھی کیسے کرسکتا تھا۔ مگر آپ جانتے ہیں نئے ملازم سے لوگ سرٹیفکٹ مانگتے ہیں۔ اس لیے اس خوف سے کہ کہیں سرٹیفکٹ نہ مانگ بیٹھیں۔ میں گھبرا کر چھوڑ بھاگا۔ اور ابھی تک میرا خوف دُور نہیں ہوا ہے۔

وہ ندامت سے اپنا سر جھکا لیتا ہے اور مایوسانہ انداز سے میز پر جھک کر خاموش

ہو جاتا ہے۔

کوکسن۔ مجھے واقعی تمھارے ساتھ ہمدردی ہے۔ اور دلی ہمدردی ہے لیکن کیا تمھاری دونوں بہنیں تمھارے لیے کچھ نہ کریں گی۔

فالڈر۔ ایک بے چاری تو سل کی بیماری میں مبتلا ہے اور دوسری ......

کوکسن۔ ہاں۔ وہ مجھ سے کہتی تھی کہ اُس کا شوہر تم سے خوش نہیں ہے۔

فالڈر۔ جب میں اس کے یہاں گیا تو سب لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ میری بہن پیار سے میرا بوسہ لینا چاہتی تھی۔ لیکن اُس کے شوہر نے اس کی طرف کڑی نگاہ سے دیکھ کر مجھ سے کہا کہ تم یہاں کیسے آگئے۔ اُس پر بھی میں نے کچھ خیال نہ کیا۔ اور غیرت کو بالائے طاق رکھ کر اُس سے یہی کہا کہ بھئی کیا تم مجھ سے ہاتھ نہ ملاؤ گے۔ بہن کی محبت تو مجھے معلوم ہی ہے ...... لیکن اس نے میری بات کاٹ کر کہا کہ "دیکھو یہ سب باتیں اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ ہمارا تمھارا سمجھوتہ ہو جائے۔ میں تمھارا انتظار کر رہا تھا۔ اور تمھارے متعلق رائے بھی قائم کر چکا ہوں۔ میں تمھیں پچیس پاؤنڈ دے دوں گا۔ تم کناڈا چلے جاؤ۔ اِس پر میں نے کہا کہ میں تمھارا مطلب سمجھ گیا۔ تم مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے ہو۔ بہتر ہے۔ مجھے بھی تمھارے پچیس پاؤنڈ نہیں چاہیے۔ تم انھیں اپنے پاس ہی رکھے رہو۔ میں تمھارا یوں ہی شکرگزار رہوں گا۔ بہرحال ایک مرتبہ جیل جانے کے بعد کسی سے بھی دوستانہ تعلقات قائم رہنا ذرا مشکل بات ہے۔

کوکسن۔ ہاں۔میں سمجھتا ہوں۔ لیکن اگر میں تمھیں پچیس پاؤنڈ دوں تو تم لے لوگے؟ (فالڈر یہ سُن کر کوکسن کی طرف عجیب انداز سے مسکرا کر دیکھتا ہے۔ جس سے کوکسن پریشان سا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے) میں کوئی شرط نہیں پیش کرتا۔ میری پیشکش محض دوستانہ ہے۔

فالڈر۔ کیا مالکان مجھے ملازمت نہ دیں گے۔

کوکسن۔ افسوس! تم ہم لوگوں کی مشکلات نہیں سمجھے۔

فالڈر۔ میں اِس ہفتہ مسلسل تین راتیں پارک میں بسر کر چکا ہوں۔ مجھے وہاں کی صبح وہ صبح نہیں معلوم ہوئی جس کی تعریف میں شعرا اور نظمیں لکھا کرتے ہیں۔ لیکن آج صبح

سے جب وتھ سے ملاقات ہوئی تب سے میرے دل و دماغ میں کچھ ایسی تبدیلی ہوگئی ہے کہ میں دوسرا آدمی ہوگیا ہوں۔ اکثر میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ میرے دل میں اِس کی جو محبت جاگزیں ہے وہ میری زندگی کا بہترین کارنامہ اور ایک مقدس جذبہ ہے۔ جس سے میری حالت کچھ سنبھلتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ خواہ آپ اس کو تسلیم نہ کریں لیکن یہ واقعہ ہے جو میں عرض کررہا ہوں۔

کوکسن۔ یقین مانو ہم سب کو تمھارے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔

فالڈر۔ مسٹر کوکسن! میں خود دیکھ رہا ہوں آپ میرے ساتھ کتنی ہمدردی کررہے ہیں۔ آپ کو میرے لیے دلی افسوس ہے (بددلی کے ساتھ) لیکن شاید آپ لوگوں کو مجرموں کے ساتھ ملنا جلنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

کوکسن۔ آؤ۔ آؤ۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ خواہ مخواہ اپنے کو بدنام کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ اور سچ پوچھو تو ایسی باتوں سے کسی کو بھی نفع نہیں پہنچ سکتا اور تمھیں تو ہمت اور استقلال سے کام لینا چاہیے۔

فالڈر۔ معاش حاصل کرنے کی فکر نہ ہو تو ہمت و استقلال بھی کوئی مشکل چیز نہیں ہے۔ لیکن میری طرح کوئی مفلوک الحال ہو تو حالت ہی دوسری ہوجاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنے کیے کا نتیجہ ملتا ہے لیکن شاید مجھے تو اس سے کہیں زیادہ بھگتنا پڑی ہے۔

کوکسن۔ (عینک کے اوپر سے دیکھ کر) ان باتوں نے تمھیں سوشلسٹ تو نہیں بنا دیا ہے۔

فالڈر دفعتاً خاموش ہوجاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ اپنے گذشتہ حالات پر غور کررہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک عجیب انداز سے ہنستا ہے۔

کوکسن۔ تمھیں کم سے کم لوگوں کی نیک نیتی پر خواہ مخواہ شک نہ کرنا چاہیے۔ یقین جانو یہاں پر کوئی شخص تمھارا بدخواہ نہیں ہے۔

فالڈر۔ مسٹر کوکسن۔ مجھے اس کا پورا علم و یقین ہے۔ واقعی کوئی شخص میرا بدخواہ نہیں ہے۔ لیکن سب کے سب دھکے دے رہے ہیں اور کوئی سہارا دینے والا نظر نہیں آتا۔ اور یہی خیال (وہ اپنے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے گویا اِس پر کوئی حملہ ہونے والا ہے) مجھے کچلے ڈالتا ہے (پھر ذرا بے پروائی کے لہجے میں) واقعی مجھے ایسا

ہی معلوم ہو رہا ہے۔

کوکسن۔ (پریشان خاطر ہوکر) ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم کو ذرا صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ میں تمھارے لیے اکثر دست بدعا رہا ہوں۔ اب تم اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اس کو کسی مناسب موقع سے طے کرا لوں گا۔ جس وقت وہ لوگ ذرا خوش ہوں گے تو میں اس معاملے کو اُن کے رُوبرُو چھیڑوں گا۔

(یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دونوں مالکان آگئے)۔

کوکسن۔ (مالکوں کو دیکھ کر ذرا گھبرا سا گیا۔ لیکن انھیں اطمینان دلانے کی کوشش کررہا ہے) آج آپ صاحبان کس قدر جلد آگئے ہیں۔ میں تو ابھی اس نوجوان سے باتیں کررہا تھا۔ آپ بھی اِس سے بخوبی واقف ہیں۔

جیمس۔ (سنجیدگی سے دیکھ کر) ہاں خوب جانتا ہوں۔ (فالڈر سے مخاطب ہوکر) فالڈر تمھارا کیا حال ہے۔

والٹر۔ (مصافحہ کے لیے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر) فالڈر۔ تمھیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔

فالڈر۔ (جو اس اثناء میں اپنی پریشانی رفع کرکے سنبھل چکا ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ لے کر) شکریہ! جناب شکریہ!

کوکسن۔ مسٹر جیمس مجھے آپ سے ایک بات عرض کرنا ہے (فالڈر کو اُس کمرے کی طرف جانے کا اشارہ کرتا ہے جہاں کلرک کام کیا کرتے ہیں) ذرا آپ ایک منٹ کے لیے وہاں چلے جایئے۔ ہمارا جونیر کلرک آج صبح سے نہیں آیا ہے۔ اس کی بیوی کے بچہ ہوا ہے۔

فالڈر بے خیالی کے انداز میں کمرے کی طرف جاتا ہے۔

کوکسن۔ (رازداری کے لہجے میں) میرا فرض ہے کہ آپ کو پورے حالات سے مطلع کردوں۔ یہ اب اپنے کیے پر بہت پشیمان ہے۔ اس پر لوگوں کی بدظنی دور نہیں ہوئی جس کی وجہ سے وہ بہت نڈھال ہے اور جب آپ خود ہی دیکھ رہے ہیں۔ اُس کی حالت اچھی نہیں ہے۔ بلکہ اِن دِنوں کھانے پینے کی بھی تکلیف ہے۔ اور کھائے بغیر آپ جانتے ہیں کسی کا بھی گزر نہیں ہو سکتا ہے۔

جیمس۔ کیا یہ نوبت پہنچ گئی ہے۔

کوکسن۔ جی ہاں۔ اسی لیے میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ اب اُسے کافی سبق مل چکا
ہے اور ہم لوگوں سے اس کا کوئی حال چھپا بھی نہیں ہے۔ اس وقت دفتر میں ایک
کلرک کی ضرورت بھی ہے چنانچہ ایک نوجوان کی درخواست آئی ہوئی ہے لیکن میں
اُس کو ٹال رہا ہوں۔
جیمس۔ کوکسن تو کیا تم دفتر میں کسی ایسے شخص کو رکھنا چاہتے ہو جو جیل کی ہوا کھا آیا ہو۔
میری سمجھ میں تو یہ بات کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتی۔
والٹر۔ "انصاف کے رتھ کے پہیے کتنے آدمیوں کو کچل ڈالتے ہیں" میں ابھی تک اس کہاوت
کو اپنے دماغ سے نکال نہیں سکا۔
جیمس۔ میری طرف سے اِس کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوئی۔ مگر خیر۔ جیل سے
رہائی کے بعد اب تک یہ کیا کرتا رہا۔
کوکسن۔ دو ایک جگہ ملازمت ملی لیکن قائم نہ رہ سکی۔ وہ فطرتاً ذکی الحس واقع ہوا ہے۔ ذرا
سی بات پر سمجھنے لگتا ہے کہ ہر شخص اس کے ساتھ زیادتی کررہا ہے۔
جیمس۔ یہ تو بہت ہی بُری بات ہے۔ اور میں ایسے شخص کو کبھی پسند نہیں کرسکتا۔ سچ پوچھو
تو شروع ہی سے اس کو ناپسند کرتا تھا۔ کمزور کیریکٹر کا آدمی ہے۔ اور کمزوری اس
کی پیشانی پر جلی حروف سے لکھی ہوئی ہے۔
والٹر۔ میری رائے میں ہم کو اُسے کم سے کم ایک دفعہ اور موقع دینا چاہیے۔
جیمس۔ لیکن یہ ساری آفت وہی تو اپنے سر لایا ہے۔
والٹر۔ یہ اصول کہ انسان اپنے کل افعال کا ذمہ دار ہے۔آج کل کچھ بہت مقبول نہیں ہے۔
جیمس۔ (کسی قدر خشک لہجے میں) پھر بھی برخوردارِ من ہمارے لیے اسی اصول پر کاربند رہنا
بہتر ہے۔
والٹر۔ اپنے لیے تو بیشک اسی پر عمل کرنا چاہیے لیکن جہاں دوسروں کا درمیان ہو وہاں یہ
اُصول مناسب نہ ہوگا۔
جیمس۔ میں تو کسی کے ساتھ بھی سختی نہیں کرنا چاہتا۔
کوکسن۔ یہ بات تو بہت ہی عمدہ ہے۔ (اپنے بازو پھیلاکر اشارہ کرتے ہوئے) آج کل اسے
ہرطرف خطرہ ہی خطرہ نظر آتا ہے اور یہ حالت اس کے لیے کسی طرح اچھی نہیں ہے۔

جیمس۔ اُس عورت کا کیا حال ہے جس سے یہ پھنس گیا تھا۔ آج جس وقت ہم لوگ یہاں آرہے تھے۔ مجھے بالکل اسی کی صورت کی ایک عورت باہر نظر پڑی۔

کوکسن۔ آپ اُسے دیکھ چکے ہیں۔ بہرحال میں کوئی بات آپ سے چھپانا نہیں چاہتا۔ یہ اُس سے مل چکا ہے۔

جیمس۔ کیا وہ اب بھی اپنے شوہر کے ساتھ ہے؟

کوکسن۔ نہیں وہ آج کل شوہر کے ساتھ نہیں ہے۔

جیمس۔ کیا فالڈر اُسی کے ساتھ رہتا ہے؟

کوکسن۔ (جیمس کی موجودہ خوش مزاجی قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے) مجھے اس کا کوئی ذاتی علم نہیں ہے۔ اور اس بات سے مجھے سروکار بھی نہیں ہے۔

جیمس۔ مجھے تو اس سے سروکار ہے۔ اگر اسے ملازم رکھنے کا ارادہ ہے تو پھر سبھی باتوں کی واقفیت ہونا چاہیے۔

کوکسن۔ (ذرا تامل کے ساتھ) مجھے آپ سے کہہ دینا چاہیے کہ آج صبح وہ یہاں میرے پاس آئی تھی۔

جیمس۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ (والٹر سے مخاطب ہوکر) برخوردارِمن۔ ہمیں اُس کو دفتر میں کوئی جگہ نہ دینا چاہیے کیونکہ اس کے حالات بہت مشکوک ہیں۔

کوکسن۔ میں دیکھتا ہوں کہ دو باتیں ایسی ہوگئی ہیں۔ جن کی وجہ سے آپ اسے دفتر میں لینا مناسب نہیں سمجھتے۔

والٹر۔ (جو اس اعتراض کو ٹالنا چاہتا ہے) میں نہیں جانتا کہ ہم لوگوں کو کسی کی پرائیویٹ زندگی سے کیا واسطہ ہے؟

جیمس۔ نہیں نہیں۔ جب تک وہ ان تمام باتوں سے پاک و صاف نہ ہو جائے گا یہاں اُس کا کیسے گزارہ ہوگا۔

والٹر۔ بے چارے کی بڑی افسوس ناک حالت ہے!

کوکسن۔ آپ کی رائے ہو تو اُسے آپ کے سامنے بلا لوں؟ (جیمس سر کے اشارے سے ہاں کرتا ہے) میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی باتیں سُن کر اُسے بہت کچھ سمجھ آجائے گی۔

جیمس۔ کوکسن۔ تم اس بات کو مجھ پر چھوڑ دو۔

والٹر۔ (جیمس سے بہت آہستہ سے کہتا ہے۔ کوکسن اُس اثناء میں فالڈر کو بُلانے چلا جاتا ہے) ابا جان۔ اتنا سمجھ لیجیے۔ کہ اس وقت اُس کا تمام مستقبل بالکل ہمیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

فالڈر اندر آتا ہے۔ اُس نے اپنے کو بہت کچھ سنبھال لیا ہے۔ چنانچہ اُس کے چہرے سے سکون کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

جیمس۔ ادھر دیکھو فالڈر۔ میرا لڑکا اور میں تمھیں ایک موقع اور دینا چاہتے ہیں۔ لیکن مجھے تم سے دو ضروری باتیں کہنا ہیں۔ اوّل یہ کہ یہاں تمھیں مظلوم کی حیثیت سے آنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تمھارا یہ خیال ہے کہ تمھارے ساتھ زیادتی ہوئی تو اس خیال کو تم اپنے دماغ سے نکال دو کیونکہ ایسا ممکن نہیں کہ بداخلاقی کی سزا نہ ملے۔ اگر سوسائٹی ان معاملات میں احتیاط سے کام نہ لے تو دنیا کا کام ہی نہیں چل سکتا ہے۔ اور تم جس قدر جلد اِس بات کو ذہن نشین کرلو اُتنا ہی بہتر ہوگا۔

فالڈر۔ جی ہاں۔ میں اُسے بخوبی سمجھتا ہوں۔ لیکن میں بھی کچھ عرض کرسکتا ہوں؟

جیمس۔ کہو۔

فالڈر۔ جیل میں مجھ کو بارہا اس بات کے سوچنے کا موقع ملا ...... اتنا کہہ کر وہ چپ ہوجاتا ہے۔

کوکسن۔ (حوصلہ افزا لہجے میں) ہاں تم نے ضرور سوچا ہوگا۔

فالڈر۔ وہاں تو جناب سبھی قسم کے آدمی جمع رہتے ہیں۔ لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم لوگوں کے ساتھ پہلے قصور پر دوسرا برتاؤ کیا جاتا اور پہلی دفعہ کے مجرم جیل خانے کے بجائے کسی ایسے شخص کی نگرانی میں رکھے جائیں جو انھیں راہ لگا سکے۔ تو ہم میں سے چوتھائی آدمی بھی پھر کبھی کوئی جرم نہ کریں جس سے اُنھیں جیل میں رہنا پڑے۔

جیمس۔ (اپنا سر ہلاکر) فالڈر مجھے تو اس میں بڑا شک ہے۔

فالڈر۔ (ستم ظریفی کے لہجے میں) جی ہاں۔ مجھے آپ کی رائے بخوبی معلوم ہے۔

جیمس۔ بھئی اس کو نہ بھولو کہ ابتدا تمھارے ہی طرف سے ہوئی تھی۔

فالڈر۔ میری ہرگز کسی جرم کے ارتکاب کی نیت نہ تھی۔

جیمس۔ نیت نہ ہو۔ مگر تم سے جرم تو سرزد ہوا۔
فالڈر۔ (اپنی پچھلی تکلیفوں کی تلخی سے پوری طرح متاثر ہوکر) اسی صدمے نے تو مجھے اس قدر جلد بڈھا کر دیا ہے (ذرا تن کر) آپ خود ملاحظہ کریں پہلے میری کیا حالت تھی اور اب کیا صورت ہوگئی ہے۔
جیمس۔ فالڈر۔ تمھاری باتیں ہم لوگوں کے لیے کچھ بہت حوصلہ افزا نہیں ہیں۔
کوکسن۔ مسٹر جیمس۔ یہ اُن کے طرزِ بیان کا بھونڈاپن ہے۔
فالڈر۔ (شدت جذبات سے بے قابو ہوکر) مسٹر کوکسن۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں حرف بہ حرف صحیح ہے۔
جیمس۔ فالڈر۔ اب ان خیالات کو بالکل ہی بھول جاؤ۔ اور آئندہ کا خیال کرو۔
فالڈر۔(کسی قدر گرمجوشی سے)آپ بجا فرماتے ہیں۔ لیکن جناب۔ آپ کو جیل خانے کی حالات کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ (وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے) اُس کی سختیاں یہاں اُتر گئی ہیں۔
کوکسن۔ (جیمس سے بہت آہستہ لہجہ میں) میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ اس وقت اسے اچھی غذا کی ضرورت ہے۔
والٹر۔ (فالڈر سے) جو کچھ تم کہتے ہو ٹھیک ہے۔ بھیا وقت کے ساتھ یہ باتیں بھی رفع ہوجائیں گی۔ وقت بڑا رحیم و کریم ہے بڑے بڑے زخم مندمل ہوجاتے ہیں۔
فالڈر۔ (منہ بنا کر) جی ہاں۔ میں بھی یہی اُمید کرتا ہوں۔
جیمس۔ (نہایت نرم لہجے میں) بھئی۔ تمھیں اب ہمت سے کام لینا چاہیے۔ جو کچھ ہوا۔ اس کو بالکل بھول جاؤ اور آئندہ نیک چلنی سے زندگی بسر کرو۔ ایک بات میں تم سے اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ تم کو مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ جس عورت کے پھندے میں تم پھنس گئے تھے۔ اُس سے قطع تعلق کرلوگے۔ کیونکہ اگر تم نے اُس سے اپنا تعلق بدستور قائم رکھا تو پھر تمھارے راہِ راست پر چلنے کی کوئی گنجائش ہی نہ رہے گی۔
فالڈر۔ (یکے بعد دیگرے سب کی طرف وحشیانہ انداز سے دیکھ کر)۔ لیکن جناب ...... جنابِ من! ...... میں اتنے دنوں تک اِسی آسرے میں جیتا رہا۔ اور وہ بھی ...... کل

کی رات سے پہلے تو میری اُس سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔

اس اثناء میں اور اُس کے بعد کوکسن بہت بے چین ہو رہا ہے۔

جیمس۔ فالڈر۔ یہ درد انگیز بات ضرور ہے۔ لیکن تمھیں خود سوچنا چاہیے کہ ہمارے لیے یہ قطعی ناممکن ہے کہ ہم ان سب باتوں سے آنکھیں بند کرلیں۔ تم راہِ راست پر چلنے کا تہیہ کرکے اس کا عملی ثبوت دے دو۔ اور شوق سے دفتر میں واپس آجاؤ مگر اس کے بغیر نہیں۔

فالڈر۔ (جیمس کی طرف غور سے دیکھ کر خشک لہجے میں) میں تو اُسے نہیں چھوڑسکتا۔ ہرگز نہیں چھوڑسکتا۔ ارے جناب اس وقت اگر اُسے کسی کا خیال ہے تو میرا ہے اور میرا بھی دنیا میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔

جیمس۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ فالڈر۔ لیکن اس معاملے میں مجھے استقلال سے کام لینا پڑے گا۔ انجام کار تو دونوں کو اس سے فائدہ ہوگا۔ اس تعلق سے کسی کا بھلا نہ ہوگا۔ تمھاری سب مصیبتیں اسی کے بدولت نازل ہوئی ہیں۔

فالڈر۔ لیکن جناب یہ تو خیال فرمایئے کہ سب کچھ سہنے اور ساری مصیبتیں جھیلنے کے بعد اب جبکہ میری صحت اس قدر خراب ہوگئی ہے۔ میں اُسے کیسے چھوڑسکتا ہوں۔ دراصل میں نے جو کچھ بھی کیا ہے اُسی کے لیے کیا ہے۔

جیمس۔ ذرا ادھر آؤ۔ اگر اس میں کچھ بھی سمجھ ہے تو وہ خود ہی تمھاری مشکلات کا اندازہ کرلے گی۔ اور تمھیں کبھی اپنے ساتھ گھسیٹنا پسند نہ کرے گی۔ ہاں اگر تم اُس سے شادی کرسکتے۔ تو اور بات تھی۔

فالڈر۔ جناب اس میں میرا کیا قصور ہے کہ وہ اپنے شوہر سے طلاق حاصل نہ کرسکی۔ اگر ایسا ہوسکتا تو وہ ضرور اس پابندی سے رہائی حاصل کرلیتی۔ شروع ہی سے یہ مصیبت رہی۔ (دفعتاً والٹر کی طرف نگاہ کرکے) اس وقت بھی اگر کوئی شخص مدد دے سکے۔ تھوڑے ہی روپیوں سے کام بن سکتا ہے۔

کوکسن۔ (قطع کلام کرکے۔ اس اثناء میں والٹر پس و پیش میں پڑگیا اور اب بولنے ہی کو ہے) ہم کو اس مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم نے بیکار سی بات کہی۔

فالڈر۔ (والٹر سے التجا کرتے ہوئے) طلاق کے سب وجوہ موجود ہیں۔ اور وہ اِس بات کو

بھی بخوبی ثابت کرسکتی ہے کہ شوہر نے اسے گھر چھوڑنے پر مجبور کردیا۔

والٹر۔ فالڈر۔ اگر کوئی راستہ نکل سکے تو میں مدد دینے کو تیار ہوں۔

فالڈر۔ شکریہ! جناب شکریہ۔ آپ کا بڑا احسان ہوگا۔ وہ کھڑکی کی طرف جاتا ہے اور نیچے سڑک کی جانب دیکھتا ہے۔

کوکسن۔ (عجلت کے ساتھ) مسٹر والٹر۔ آپ میری بات مانیے۔ میرے پاس اس کے لیے معقول وجوہات ہیں۔

فالڈر۔ (کھڑکی ہی سے) جناب وہ نیچے کھڑی ہے۔ فرمایئے تو یہاں بلا لوں۔ آپ خود بات کرلیں۔ میں یہیں سے بلاسکتا ہوں۔

والٹر پس و پیش میں ہے اور پہلے کوکسن اور پھر جیمس کے طرف دیکھتا ہے۔

جیمس۔ (تیزی سے سر ہلاکر) اچھا بلا لو۔

فالڈر اُسے کھڑکی سے بلاتا ہے۔

کوکسن۔ (گھبرایا ہوا جیمس اور والٹر سے آہستگی سے کہتا ہے) مسٹر جیمس آپ اُسے نہ بلایئے۔ جب فالڈر جیل میں تھا تو اُس عورت کا چال چلن جیسا چاہیے ویسا نہیں رہا۔ اب اس کے لیے کیا موقع باقی ہے؟ اور ہم لوگ قانون کی خلاف ورزی کے لیے کوئی مشورہ نہیں دے سکتے۔

اتنے میں فالڈر کھڑکی سے واپس آجاتا ہے اور تینوں آدمی اُسے پُر رعب خاموشی سے دیکھتے ہیں۔

فالڈر۔ (لوگوں کے رویہ میں تبدیلی دیکھ کر خائف ہوجاتا ہے اور یکے بعد دیگرے سب کی طرف نظر دوڑا کر کہتا ہے) جناب ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے ...... میں نے عدالت میں جو بیان دیا تھا حرف بہ حرف صحیح تھا۔ کل رات بھی ہم لوگ صرف معمولی بات چیت کے لیے ذرا دیر پارک میں بیٹھ گئے تھے۔

اتنے میں سوئیڈل بیرونی دفتر سے آتا ہے۔

کوکسن۔ کیا ہے؟

سوئیڈل۔ مسز ہنی ول آئی ہیں!

سب طرف خاموشی چھائی ہے۔

جیمس۔ اندر بلا لو۔

وتھ آہستگی سے اندر آتی ہے اور مستقل مزاجی سے فالڈر کے ساتھ ایک طرف کھڑی ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف جیمس۔ والٹر اور کوکسن ہیں۔ سب لوگ سکوت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ کوکسن اپنی میز کی طرف مڑتا ہے۔ اور جھک کر اپنے کاغذات دیکھنے لگتا ہے۔ گویا موقع کی نزاکت کے لحاظ سے وہ یہی بہتر سمجھتا ہے کہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو۔

جیمس۔ (تیزی سے) اس دروازے کو بند کردو (سوئیڈل دروازہ بند کر دیتا ہے) ہم لوگوں نے تمھیں یہاں اس لیے بلایا ہے کہ بعض تشریح طلب واقعات ہیں جن کے متعلق تم سے دریافت کرنا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھاری فالڈر سے حال ہی میں دوبارہ ملاقات ہوئی ہے۔

وتھ ہنی ول۔ جی ہاں۔ صرف کل ہی۔

جیمس۔ اُنھوں نے بھی یہی کہا ہے۔ ہم سب کو ان کی حالت پر بہت افسوس ہے اور میں نے انھیں دفتر میں دوبارہ ملازمت دینے کا وعدہ کرلیا ہے بشرطیکہ آئندہ کے لیے ہم کو ان کی نیک چلنی کا اطمینان ہوجائے۔ (وتھ پر نگاہِ غور سے دیکھتے ہوئے) اس معاملہ میں تمھیں بھی ذرا ہمت سے کام لینا پڑے گا۔

وتھ جو فالڈر کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اپنے ہاتھ اس طرح مروڑتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے آنے والے خطرے کا احساس ہورہا ہے۔

فالڈر۔ مسٹر والٹر ھاؤ نے براہِ مہربانی تمھیں طلاق دلانے میں مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔

وتھ چونک کر جیمس اور والٹر کی طرف متوحش نگاہوں سے دیکھتی ہے۔

جیمس۔ فالڈر! عملی حیثیت سے یہ ذرا مشکل بات معلوم ہوتی ہے۔

فالڈر۔ لیکن جناب!

جیمس۔ (مستقل مزاجی سے) مسز ہنی ول۔ تمھیں ان سے دلی تعلق ہے؟

وتھ۔ جی ہاں۔ مجھے ان سے محبت ہے۔

یہ کہہ کر وہ ترحمانہ نگاہ سے فالڈر کو دیکھتی ہے۔

جیمس۔ پھر تم ان کے راستے میں رُکاوٹ ڈالنا پسند نہ کروگی؟

وتھ۔ (بہت ہی دھیمی آواز میں) میں اُن کی ہر طرح سے خبر داری کرسکتی ہوں۔

جیمس۔ اس وقت اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اُن سے کنارہ کشی اختیار کرلو۔
فالڈر۔ (وتھ سے مخاطب ہوکر) میں اس بات کو کسی طرح گوارا نہیں کرسکتا۔ تمھیں طلاق مل سکتا ہے اور اُس وقت تک ہم دونوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ہے۔ کیوں وتھ۔ تمھیں بتاؤ۔
وتھ۔ (رنجیدہ و ملول خاطر۔ نیچی نگاہ کیے ہوئے۔ سر ہلاکر کہتی ہے) نہیں۔
فالڈر۔ جناب۔ آپ تھوڑی سی مدد کر دیں۔ ہم لوگ اُس وقت تک جب تک طلاق کی کارروائی مکمل نہ ہوجائے۔ بالکل علاحدہ رہیں گے۔ ہم دونوں اِس کا وعدہ کرتے ہیں۔
جیمس۔ (وتھ سے مخاطب ہوکر) تم تو اس معاملے کو بخوبی سمجھتی ہو اور یہ بھی جانتی ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں؟
وتھ۔ (بہت ہی دھیمی آواز سے) جی ہاں۔
کوکسن۔ (دل ہی دل میں) بڑی نیک بخت عورت ہے۔
جیمس۔ بہرحال موجودہ صورت کا قائم رہنا ممکن نہیں ہے۔
وتھ۔ تو کیا جناب۔ مجھے واقعی اِن سے کنارہ کشی اختیار کرنی ہوگی۔
جیمس۔ (مجبوراً اُس کی طرف غور سے دیکھ کر) میں اس معاملے کو بالکل تمھاری رائے پر چھوڑتا ہوں۔ اِن کا مستقبل اِس وقت تمھارے ہی ہاتھ میں ہے۔
وتھ۔ (بہت پریشان خاطر ہوکر) میں اِن کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔
جیمس۔ (کسی قدر بھرّائی ہوئی آواز میں) بیشک۔ بیشک۔
فالڈر۔ (وتھ سے مخاطب ہوکر) میں نہیں سمجھتا تم کیا کہہ رہی ہو۔ جو کچھ ہونا تھا ہوچکا۔ اب تم مجھے اس طرح نہیں چھوڑسکتی ہو؟ مجھے تو دال میں کچھ کالا کالا معلوم دیتا ہے۔ (جیمس کی طرف چند قدم بڑھا کر) جناب! میں حلف سے کہتا ہوں کہ ابھی تک مجھ سے کوئی بے عنوانی نہیں ہوئی ہے۔
جیمس۔ فالڈر! مجھے تمھاری بات کا یقین ہے۔ مگر بھیا! ذرا دل کو سنبھال کر۔ اس نیک بخت کی طرح تم بھی ہمت سے کام لو۔
فالڈر۔ ابھی تو آپ ہماری مدد پر آمادہ تھے۔ (وہ وتھ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے۔ مگر وہ

بالکل بے حس و حرکت کھڑی ہے جیسے جیسے فالڈر پر حقیقت حال روشن ہوجاتی ہے۔ اس کا چہرہ اور ہاتھ پھڑکنے لگتے ہیں) آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اور تم بولتی کیوں نہیں ہو۔ تم نے کوئی ......

والٹر۔ ابا جان!

جیمس۔ (عجلت سے) بس بس فالڈر! تم کیوں پریشان ہوتے ہو۔ میں تمھیں ملازمت دے دوں گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے تمھارے متعلق کوئی ناگوار بات سننے میں نہ آئے۔

فالڈر۔ (گویا اس نے یہ بات سُنی ہی نہیں) وتھ!

وتھ اس کی طرف دیکھتی ہے۔ فالڈر اپنا منہ ہاتھوں سے چھپا لیتا ہے۔ اور سناٹا سا چھا جاتا ہے۔

کوکسن۔ (چونک کر) کوئی شخص باہری دفتر میں آیا ہے۔ (وتھ سے) تم اُدھر چلی جاؤ۔ تھوڑی دیر کی تنہائی سے تمھیں بھی کچھ سکون مل جائے گا۔

کوکسن کلرکوں کے کمرے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور خود باہری دفتر کی طرف چلا جاتا ہے۔ فالڈر اپنی جگہ سے ہلتا نہیں ہے۔ وتھ ڈرتی ہوئی اپنا ہاتھ پھیلاتی ہے۔ لیکن وہ جھجک کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ وتھ دوسری طرف مڑجاتی ہے اور رنجیدہ و ملول ہوکر کلرکوں کے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ فالڈر بھی دفعتاً اُس کے پیچھے پیچھے چل دیتا ہے۔ اور دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی وتھ کے شانے پکڑ لیتا ہے۔ کوکسن دروازہ بند کردیتا ہے۔

جمیس۔ (بیرونی دفتر کی طرف اشارہ کرکے) جو کوئی بھی ہو۔ اِس وقت اُسے یہاں سے ٹال دو۔

سوئیڈل۔ (دفتر کا دروازہ کھول کر سہمی ہوئی آواز میں) خفیہ پولیس کے سارجنٹ وسٹر آئے ہیں۔

اِسی اثناء میں خفیہ پولیس کا افسر بھی اندر آکر اپنے پیچھے دروازہ بند کردیتا ہے۔

وسٹر۔ اس بے موقع تکلیف دہی کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ ڈھائی برس ہوئے آپ کے یہاں ایک کلرک تھا جسے میں نے اسی کمرے میں گرفتار کیا تھا۔

جیمس۔ اب آپ اُس کے بارے میں کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

وسٹر۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید کہ آپ سے مجھے اس کا موجودہ پتہ معلوم ہوجائے۔

اس پر ایک عجیب خاموشی چھا جاتی ہے۔

کوکسن۔ (بشاشی کے ساتھ بات رفع دفع کرنے کے خیال سے) اتنا تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ ہم لوگوں کو اُس کی نقل و حرکت سے کیا واقفیت ہوسکتی ہے۔

جیمس۔ مگر آپ کو اُس کا پتہ جاننے کی ضرورت کیا ہے؟

وسٹر۔ اُس نے کئی روز سے پولیس میں کوئی رپورٹ نہیں لکھائی۔

والٹر۔ کیا اس پر پولیس کی نگرانی رہتی ہے۔

وسٹر۔ ہمارے لیے اُس کی نقل و حرکت سے واقف رہنا لازمی ہے۔ میں آپ کو زحمت دینا نہیں چاہتا لیکن جناب! میں نے ابھی سُنا ہے کہ اُس نے ایک جگہ جعلی سرٹیفکٹ پیش کرکے ملازمت حاصل کی ہے۔ چنانچہ اب دو باتیں اکٹھی ہوگئی ہیں۔ اس لیے ہمیں اس کی تلاش ہے۔

اس بات پر پھر سناٹا چھا جاتا ہے۔ والٹر اور کوکسن دزدیدہ نگاہوں سے جیمس کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہوا خفیہ افسر کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے دیکھ رہا ہے۔

کوکسن۔ (اطمینان بخش لہجے میں) اس وقت تو ہمیں بالکل فرصت نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ پھر کسی وقت آسکیں تو شاید ہم آپ کو اُس کا پتہ دے سکیں۔

جیمس۔ (فیصلہ کُن لہجے میں) یوں تو میں قانون کا خادم ہوں۔ لیکن کسی کے خلاف مخبری کرنا مجھے پسند نہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ مجھ سے یہ ذلیل حرکت نہ ہوگی۔ اگر آپ کو اس کی تلاش ہے تو آپ کو اُسے ہم سے مدد لیے بغیر ہی ڈھونڈنا پڑے گا۔

اس بات چیت کے دوران ہی میں جیمس کی نظر فالڈر کی ٹوپی پر پڑتی ہے جو ابھی تک سامنے کی میز پر پڑی ہے۔ اور اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑنے لگتی ہیں۔

وسٹر۔ (اس تغیر کو غور سے نوٹ کرکے) بہت اچھا جناب! لیکن مجھے آپ کو آگاہ کردینا چاہیے کہ کسی مجرم کو پناہ دینا......

جیمس۔ میں نے کسی کو پناہ نہیں دی۔ لیکن آپ کو یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ یہاں آکر مجھ

سے ایسے سوالات کریں جن کا جواب دینا میرا فرض نہیں ہے۔

وسٹر۔ (خشک لہجے میں)۔ بہتر ہے۔ میں اب آپ کو مزید تکلیف نہ دوں گا۔

کوکسن۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم آپ کو اس کی کوئی خبر نہیں دے سکتے۔ غالباً آپ بھی جانتے ہیں کہ ہم لوگ اس بارے میں بالکل مجبور ہیں۔ آداب عرض ہے۔

وسٹر باہر جانے کے لیے مُڑتا ہے۔ لیکن باہری دفتر کے دروازے کی طرف جانے کے بجائے وہ کلرکوں کے کمرے کے دروازے کی جانب جاتا ہے۔

کوکسن۔ دوسرے دروازے کی طرف جایئے...... دوسرے دروازے کی طرف۔

وسٹر کلرکوں کے کمرے کا دروازہ کھولتا ہے۔ وتھ کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ "مان لو۔ فالڈر! مان لو۔" اور فالڈر کہتا ہے کہ "نہیں۔ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں" ذرا دیر کے لیے سکوت ہوجاتا ہے۔ اُس کے بعد وتھ خوفزدہ ہوکر کہتی ہے۔ "یہ کون آگیا۔" وسٹر کمرے کے اندر پہنچ چکا ہے۔

تینوں آدمی دروازے کی طرف وحشت سے دیکھتے ہیں۔

وسٹر۔ (اندر ہی سے) آپ لوگ وہیں کھڑے رہیے۔

وہ جلدی سے فالڈر کا ہاتھ پکڑکر باہر نکلتا ہے۔ فالڈر بیکسی کی حالت میں ان تینوں آدمیوں کی طرف سہمی ہوئی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

والٹر۔ اس مرتبہ خدا کے لیے اِسے چھوڑ دیجیے۔

وسٹر۔ جناب میں اپنے اوپر یہ ذمہ داری نہیں لے سکتا۔

فالڈر۔ (عجیب مایوسانہ انداز سے ہنس کر) واہ رے قسمت!

اس کے بعد وہ وتھ کی طرف عُجلت سے دیکھ کر اپنا سر اوپر اُٹھا لیتا ہے اور باہری دفتر کے راستے سے وسٹر کو اپنے پیچھے گھسیٹتا ہوا تیزی سے باہر چلا جاتا ہے۔

والٹر۔ (مایوسانہ انداز سے) چلیے اب اس کا کام یوں ہی تمام ہوگیا۔ اور جرم اور سزا کا سلسلہ لامتناہی اسی طرح ہمیشہ جاری رہے گا۔

سوئیڈل بیرونی دروازے سے جھانکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پتھر کی سیڑھیوں سے قدموں کے نیچے اُترنے کی آواز آتی ہے۔ دفعتاً ایک دھماکا سا ہوتا ہے اور وسٹر کی آواز "یا الٰہی" سُن پڑتی ہے۔

جیمس۔ یہ کیا ہوا۔

سوئیڈل لپک کر آگے بڑھتا ہے۔ دروازہ جھونک کے ساتھ اس کے پیچھے بند ہوجاتا ہے اور بالکل سناٹا چھا جاتا ہے۔

والٹر۔ (اندرونی کمرے کی طرف جھپٹ کر) بے چاری عورت کو غش آگیا ہے۔

وہ اور کوکسن وتھ کو سنبھالے ہوئے کلرکوں کے کمرے کے دروازے سے لے آتے ہیں۔

کوکسن۔ (بدحواسی کے عالم میں) اِدھر عزیزِ من۔ اِدھر۔

والٹر۔ آپ کے پاس برانڈی ہے؟

کوکسن۔ برانڈی نہیں مگر شیری موجود ہے۔

والٹر۔ جائیے۔ فوراً لے آئیے۔

وہ وتھ کو ایک کرسی پر بیٹھا دیتا ہے۔ جسے جیمس نے کھینچ کر آگے بڑھا دیا تھا۔

کوکسن۔ (شیری لیے ہوئے) لیجیے۔ یہ بہت ہی اچھی اور تیز شیری ہے۔ [دونوں وتھ کے منہ میں شیری ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔]

اتنے میں پاؤں کی آہٹ سنائی دیتی ہے اور سب لوگ کان لگاکر سننے لگتے ہیں۔

اتنے میں باہری دروازہ کھلتا ہے۔ وسٹر اور سوئیڈل ہاتھوں میں کچھ بوجھ سا لیے دکھائی دیتے ہیں۔

جیمس۔ (جلدی سے آگے بڑھ کر) یہ کیا ہوا؟

دونوں آدمی بیرونی دفتر میں نگاہ سے ذرا دور اپنے ہاتھ کا بوجھ رکھ دیتے ہیں۔ وتھ کے علاوہ اور سب لوگ اُس کے چاروں طرف جمع ہوجاتے ہیں اور دھیمی آواز سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔

وسٹر۔ اوپر سے کود پڑا۔ گردن ٹوٹ گئی۔

والٹر۔ خدا خیر کرے۔

وسٹر۔ میرے ہاتھوں سے بچ کر نکل بھاگنے کا خیال کرنا بالکل پاگل پن تھا۔ آخر ہوتا ہی کیا۔ یہی دوچار مہینے کی سزا۔

والٹر۔ (تلخ لہجے میں) بس۔ اسی قدر؟

جیمس۔ جان ہی پر کھیل گیا۔ (پھر غیر معمولی آواز میں ذرا زور سے) جاؤ۔ دوڑکر کسی ڈاکٹر کو

بلا لاؤ (سوئیڈل بیرونی دفتر سے تیزی کے ساتھ باہر جاتا ہے) زخمیوں کے ڈولی کی بھی ضرورت ہوگی!

وسٹر باہر چلا جاتا ہے۔ وتھ کے چہرے میں خوف و ہراس کا رنگ غالب ہوتا نظر آتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اُسے کسی کی باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی تاب ہی باقی نہیں رہی۔ وہ اُٹھتی ہے اور دبے پاؤں لوگوں کی طرف جاتی ہے۔

والٹر۔ (دفعتاً مڑکر) دیکھو! یہ کیا ہوا۔

تینوں آدمی پیچھے ہٹ کر وتھ کو راستہ دیتے ہیں۔ وتھ لاش کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی ہے۔

وتھ۔ (آہ بھر کر بہت آہستہ لہجے میں) ایں۔ یہ کیا ہوا۔ ان کی تو سانس ہی نہیں چل رہی ہے۔ (فالڈر سے لپٹ جاتی ہے) ہائے میری جان! ہائے میرے پیارے۔

بیرونی دفتر کے دروازے پر کئی آدمیوں کی شکلیں دکھائی پڑتی ہیں۔

وتھ۔ (بے اختیار ہوکر کھڑی ہوجاتی ہے) نہیں۔ نہیں۔ اب کچھ باقی نہیں رہا۔ موت اپنا کام تمام کرچکی۔

آدمی جو جمع تھے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

کوکسن۔ (چپکے سے چند قدم بڑھ کر بھرائی ہوئی آواز میں) میری پیاری بیٹی۔ صبر کرو! صبر!

اپنے پیچھے آواز سُن کر وتھ اس کی طرف چہرہ اُٹھاکر دیکھتی ہے۔

کوکسن۔ اب کوئی شخص اُسے چھو بھی نہ سکے گا۔ نہ کوئی آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی سکے گا! اب وہ خداوند مسیح کی امان میں پہنچ گیا ہے۔

وتھ۔ دروازے کی چوکھٹ پر پتھر کی مورت کی طرح بالکل ساکت کھڑی کوکسن کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہے۔ کوکسن اس کے روبرو انکسار کے ساتھ سر جھکائے اپنا ہاتھ اس طرح پھیلاتا ہے جیسے کوئی گم کردہ راہ کتنے کی رہنمائی کرتا ہے۔

پردہ

(تمام شد)

پریم چند کے ادبی کارناموں پر تحقیقی کام کرنے والوں میں مدن گوپال کی اہمیت مسلم ہے پریم چند کے خطوط کے حوالے سے بھی انھیں اولیت حاصل ہے۔ ان کی پہلی کتاب انگریزی میں بہ عنوان "پریم چند" 1944 میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اسی کتاب کی وجہ سے غیر ممالک میں بھی پریم چند کے بارے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ "ٹائمز لٹریری سپلمینٹ لندن" نے لکھا ہے کہ مدن گوپال وہ شخصیت ہے جس نے مغربی دنیا کو پریم چند سے روشناس کرایا۔ اردو، ہندی ادیبوں کو غیر اردو ہندی حلقے سے متعارف کرانے میں مدن گوپال نے تقریباً نصف صدی صرف کی ہے۔

مدن گوپال کی پیدائش اگست 1919میں (ہانسی) ہریانہ میں ہوئی۔ 1938میں سینٹ اسٹیفن کالج سے گریجویشن کیا۔ انھوں نے تمام زندگی علم و ادب کی خدمت میں گزاری۔ انگریزی، اردو اور ہندی میں تقریباً 60 کتابوں کے مصنف ہیں۔ پریم چند پر اکسپرٹ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ویسے پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا کے ماہر ہیں۔ مختلف اخبارات، سول ملیٹری گزٹ لاہور، اسٹیٹس مین اور جن ستہ میں بھی کام کیا۔ بعدازاں حکومتِ ہند کے پبلکیشن ڈویژن کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے 1977 میں ریٹائر ہوئے اس کے علاوہ دینک ٹریبون چندی گڈھ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے 1982میں سبکدوش ہوئے۔